کورس کوڈ : 1920

یونٹ :1-9

اسلام اور سائنس

برائے بی ایس علوم اسلامیہ

شعبہ فکر اسلامی، تاریخ وثقافت

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلام اور سائنس

کورس کوڈ:1920　　　　یونٹ:09-01

برائے بی ایس علوم اسلامیہ

شعبہ فکرِ اسلامی، تاریخ وثقافت، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئر مین:	پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
یونٹ نگار:	پروفیسر ڈاکٹر عبدالماجد
نظرِثانی:	پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
کورس رابطہ کار:	پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
فنی تدوین:	محمد یوسف
پروف خوانی:	محمد یوسف
ایڈیٹنگ:	عنبرین اعجاز

تقدیم

اللہ رب العزت کی اس وسیع و عریض کائنات میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہر سو بکھری پڑی ہیں۔ آخری وحی، قرآن مجید، جہاں بنی نوع انسان کے لئے حتمی اور قطعی ضابطہ حیات ہے وہاں اس کائنات ہست و بود میں جاری و ساری قوانین فطرت بھی انسان کو اسی ضابطہ حیات کی طرف متوجہ کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید خارجی کائنات کے ساتھ ساتھ نفس انسانی کے دروں خانہ کی طرف بھی ہماری توجہ دلاتا ہے اور ان دونوں عوالم میں قوانین قدرت الہیہ کی یکسانی میں غور و فکر کے بعد اپنے خالق کے حضور سر بسجدہ ہونے کا حکم دیتا ہے۔ قرآنی علوم کے نور سے صحیح معنوں میں فیضیاب ہونے کے لئے ہمیں قرآنی آیات میں جا بجا بکھرے ہوئے سائنسی حقائق پر غور و فکر کرنا ہوگا۔

سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

(سورۃ فصلت: 53)

عنقریب ہم اپنی نشانیاں انہیں کائنات میں دکھائیں گے اور خود ان کے نفس میں یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔

موجودہ دور سائنسی علوم کی ترقی کا دور ہے۔ سائنس کو بجا طور پر عصری علم (Contemporary Knowledge) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا دورِ حاضر میں دین کی صحیح اور نتیجہ خیز اشاعت کا کام جدید سائنسی بنیادوں پر ہی بہتر طور پر سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ بنا بریں دور حاضر میں اس امر کی ضرورت گزشتہ صدیوں سے کہیں بڑھ کر ہے کہ مسلم معاشروں میں جدید سائنسی علوم کی ترویج کو فروغ دیا جائے اور دینی تعلیم کو سائنسی تعلیم سے مربوط کرتے ہوئے حقانیتِ اسلام کا بول بالا کیا جائے۔ سائنس میں حقائق کو بذریعہ مشاہدہ اکٹھا کیا جاتا ہے لیکن یہ مشاہدات تب تک سائنسی حیثیت نہیں رکھتے جب تک تصدیق پذیری کے قابل نہ ہوں۔ سائنس

جب کسی موضوع کے حقائق اکٹھے کرتی ہے تو اس کے سامنے کوئی نظریہ ہوتا ہے کیونکہ نظریہ کے بغیر کوئی مشاہدہ بامقصد نہیں ہوتا۔

سائنس میں فلسفہ سائنس کے متعلق ایک اہم مفکر تھامس کوہن (Thomas Kuhn) کے خیال میں

"سائنسی تحریک عام طور پر فرضی ماڈل یا ایک حد کے اندر ظہور پذیر ہوتی ہے"۔

اسلام کا فلسفہ زندگی دیگر ادیان باطلہ کی طرح ہر گز یہ نہیں کہ چند مفروضوں پر عقائد و نظریات کی بنیادیں اٹھا کر انسان کی ذہنی صلاحیتوں کو بوجھل اور بے معنی فلسفیانہ موشگافیوں کی نذر کر دیا جائے اور حقیقت کی تلاش کے سفر میں انسان کو اس طرح ذہنی الجھاؤ میں گرفتار کر دیا جائے کہ اس کی تمام تر تخلیقی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جائیں۔ اسلام نے کسی مرحلہ پر بھی انتہاء پسندی کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ اس کے برعکس اسلام کی فطری تعلیمات نے ہمیشہ ذہن انسانی میں شعور و آگہی کے ان گنت چراغ روشن کر کے اسے خیر و شر میں تمیز کا ہنر بخشا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو سائنسی علوم کے حصول کا درس دیتے ہوئے ہمیشہ اعتدال کی راہ دکھائی ہے۔ اسلام نے اس کارخانہ قدرت میں انسانی فطرت اور نفسیات کے مطابق انسان کو احکامات اور ضابطوں کا ایک پورا نظام دیا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کے تضادات کو مٹا کر اسے اپنے نصب العین کی سچائی کا شعور عطا کیا ہے۔

اسلام اور سائنس بظاہر دو جدا حقیقتیں دراصل ایک ہی شے "یقین" کے دو رُخ ہیں۔ یہ بات ہمیشہ پُر وثوق انداز سے کہی گئی ہے کہ قرآن مجید میں ایک ہی حقیقت بار بار پیش کی گئی ہے اور اسلامی تعلیمات کا ایک ہی لبِ لباب ہے کہ پوری کائنات میں توحید ہی جاری و ساری ہے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے جو کبھی نہیں بدلتا اور اس نے ہر چیز کے لئے ایک ہی اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ اللہ کا یہ طریقہ یا سنت کبھی نہیں بدلتی۔ اس کے اٹل قوانین فطرت کو جاننے کا نام سائنس ہے جسے مسلمانوں نے اپنے عہدِ زریں میں طبعی علم کے نام دے رکھا تھا۔

سائنس ایک منظم علم کا نام ہے جو مشاہدات اور تجربات سے ان کلیات کو حاصل کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جو پوری کائنات میں یکساں طور پر جاری و ساری ہیں۔

قرآن حکیم کی روشنی میں اگر ان اصولوں کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید میں قوانینِ فطرت سمجھنے کے لئے حکم ہوا ہے جیسے

فَهَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِیۡلًا (سورۃ فاطر:43)۔

پس تو اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا، اور تو اللہ کے قانون میں کوئی تغیّر نہیں پائے گا۔

اسی طرح سائنسی پیش گوئی کے لئے حکم ہوا ہے:

اَلَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیۡرٌ (سورۃ الملك:3-4)۔

جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے، تو رحمان کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا، تو پھر نگاہ دوڑا کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے۔ پھر دوبارہ نگاہ کر تیری طرف نگاہ ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہوگی۔

چنانچہ دور حاضر کے مسلمان طالبِ علم کے لئے مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق کو قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھنا ازبس ضروری ہے۔

ان امور میں جو مابعد الطبیعی نوعیت کے ہیں یا جن کا تعلق امورِ غیب سے ہے، چونکہ یہ انسان کی محدود عقل میں سما نہیں سکتے اس لئے انہیں بلا تنقید تسلیم کر لینے کا حکم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن و حدیث میں انسانی سوچ پر پہرے بٹھا دیے گیے ہیں بلکہ قرآنِ مجید میں جابجا انسان کو فکر و تدبر کی دعوت دے کر اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ کائنات اور دوسری اشیا کے متعلق مثبت انداز میں سوچے کیوں کہ اسلام انسانی حلقوں کو جامد کرنے نہیں بلکہ روشن کرنے آیا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ (سورۃ الجاثیہ:13)

اور اس نے آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو اپنے فضل سے تمہارے کام پر لگا دیا ہے، بے شک اس میں فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی نے بی ایس علوم اسلامیہ میں جو تخصصات پیش کئے ہیں ان میں تمام علوم و فنون سے متعلق نئی کتب مرتب کی گئی ہیں۔ اس لئے اسلام اور سائنس کے باہمی تعلق کو نمایاں کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جاتی کہ جس سے اسلام اور سائنس کا تعلق واضح ہو سکتا۔ کتاب کے مؤلف پروفیسر ڈاکٹر عبدالماجد صاحب جو کہ علومِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے ہیں، کی کاوشوں سے یہ کورس پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کے تمام ابواب کو اسلام اور سائنس کے باہمی تعلق اور اہمیت کے لحاظ سے مختلف پہلوؤں کو بڑی عمدگی اور محنت سے ترتیب دیا ہے۔ امید ہے کہ طلبہ اسلامی نظریات کے مطابق سائنسی تحقیق کے نقطہ نظر کو سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی

ڈین کلیہ عربی وعلومِ اسلامیہ /
چیئرمین شعبہ فکرِ اسلامی، تاریخ و ثقافت
کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

عرضِ مولف

سائنس انسانی مشاہدات اور تجربات سے حاصل ہونے والے ایسے علم کا نام ہے جو منظم ہونے کے ساتھ ساتھ قابل تصدیق حقائق پر مبنی ہو۔ یہ فطرت اور کائنات کے مطالعہ کا نام ہے۔ کائنات کے اندر چھوٹے چھوٹے ذرات سے لے کر بڑے بڑے کُرّے اور اجسام ہیں، ان تمام ذرات، اجسام اور کُرّوں کا جب انسان مشاہدات، مفروضات، تصورات اور تجربات کے ذریعے مطالعہ کرتا ہے اور ان میں غور و فکر کر کے ایک منظم علم کی شکل میں انھیں سامنے لاتا ہے تو اُسے سائنس کہتے ہیں۔ گویا سائنس کائنات کے اندر تمام اشیاء کے مطالعہ کا نام ہے اور اس علم کی بنیاد مظاہر فطرت کا مشاہدہ ہے جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعے عمل میں لایا جاتا ہے۔ قرآن کریم اپنی آیات میں جہاں دوسرے علوم کی دعوت دیتا ہے وہیں وہ کائنات اور اس کے اندر موجود مختلف اشیاء اور احوال میں غور و فکر اور ان کے مطالعہ و مشاہدہ کی پرزور ترغیب دیتا ہے اور ان لوگوں کو صاحب عقل اور بصیرت (اولوالالباب) کہتا ہے جو زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں گویا قرآن اپنی کئی آیات میں مختلف انداز میں تحقیق و جستجو اور سائنس کے مطالعہ کی ترغیب و تشویق دیتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ قرآن اور سائنس میں تضاد یا مغائرت ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام زیر نظر کورس بنام اسلام اور سائنس اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے تا کہ ہماری نوجوان نسل شعوری طور پر یہ بات سمجھے کہ اسلام اور سائنس میں کہیں بھی کوئی تضاد نہیں بلکہ قرآن حکیم اپنی سینکڑوں آیات کے ذریعے کائنات اور اس میں موجود اشیاء اور مظاہر فطرت کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ قرآن حکیم جیسے اپنے تشریعی احکام کو آیات کہتا ہے ایسے ہی وہ کائنات اور اس کے اندر موجود تمام اشیاء و مظاہر کو آیات کہتا ہے۔ جیسے وہ اپنی شریعت کے احکام پر مشتمل آیات (تشریعی آیات) پر تدبر و تفکر کو مومنین کی صفت قرار دیتا ہے ایسے ہی وہ کائنات کے اندر پھیلی ہوئی تمام اشیاء اور مظاہر کو (تکوینی) آیات قرار دے کر ان میں غور و فکر کو صاحب عقل و بصیرت لوگوں کی بنیادی علامت قرار دیتا ہے

اوران دونوں قسم کی آیات کو اپنی نشانیاں قرار دے کران سے تذکیر و تنبیہ اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

راقم الحروف محترم پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی، ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ کا شکر گذار ہے جنہوں نے اس کورس کے لکھنے کے لئے راقم کا انتخاب کیا اوران تمام سکالرز اور مصنفین کا بھی شکر گذار ہے جن کی کتب سے راقم الحروف نے علمی استفادہ کیا اور اقتباسات لئے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ آفاق وانفس میں تفکر و تعقل کے اس کام کو بہترین عبادت کا درجہ عطا فرماتے ہوئے قارئین کے لئے مزید غور و فکر کا ذریعہ بنائے اور راقم کے لئے معرفت و نجات کا ذریعہ و وسیلہ۔

امید ہے کہ یہ کورس جامعہ ہذا کے طلباء کے علاوہ کل پاکستان کی نوجوان نسل کے لئے آفاق وانفس میں غور و فکر کا ذریعہ بنے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالماجد

کورس کا تعارف

مذہب اور سائنس حقیقت تک رسائی کے دو راستے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ مذہب حقیقت تک براہ راست پہنچاتا ہے جب کہ سائنس مشاہدات و تجربات کی طویل اور جان گسل مشقت کے بعد حقیقت کی صرف ایک جھلک دکھاتی ہے جس میں غلطیوں کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔

سائنس کی موجودہ ترقی کی بنیاد اصل میں مسلمانوں کے دور عروج میں پڑی لیکن جب مسلم دنیا جمود کا شکار ہوئی تو سائنس کا سرمایہ بذریعہ سپین مغربی دنیا کو منتقل ہو گیا اور آئندہ اس کی ساری ترقی یورپ اور مغربی دنیا میں ہوئی۔

لیکن یہ شاید انسانیت کی بد قسمتی تھی کہ سائنس کے یورپی سفر کے آغاز میں ہی کلیسا کی غلط روش کی وجہ سے اس کا مذہب سے تصادم (Conflict) ہو گیا اور مستقبل کی ساری سائنسی ترقی مذہب کی روشنی سے محروم رہتے ہوئے ہوئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سائنسی ترقی کے زیر اثر جو تہذیب پروان چڑھی اس نے انسان کو آسمانی ہدایت اور وحی کی روشنی سے محروم کر دیا جس کی وجہ سے انسان گوناگوں معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور تہذیبی مسائل سے دوچار ہوا۔

گذشتہ چند عشروں سے انسان کے اندر یہ احساس ابھرا کہ اگر وہ اسی طرح خدا کی ہدایت (Guidance) سے محروم رہا تو وہ اپنے مسائل حل کرنے کی بجائے مزید مشکلات کا شکار ہو گا چنانچہ اس نے مذہب کی طرف رجوع شروع کیا اور پوری دنیا میں سائنس اور مذہب کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوششیں ہوئیں تاکہ ان دونوں کی کے باہمی افہام و تفہیم سے انسانیت کے پیچیدہ مسائل حل کیے جا سکیں۔ زیر نظر کورس بنام اسلام اور سائنس بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اسلام تمام انسانوں کے لئے مکمل ہدایت نامہ ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے لئے کامل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام جس طرح مذہبی و سماجی، ثقافتی و تمدنی اور معاشی و سیاسی شعبوں کے لئے زرین اصول اور عظیم ہدایات بہم پہنچاتا ہے ایسے ہی علمی اور سائنسی میدان میں بھی انسان کی مکمل راہنمائی کرتا ہے کیونکہ اسلام میں (قرآنی) علم و معارف کا ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہ حکمت و دانش کا ایسا لا محدود سمندر ہے کہ اس میں جتنی غواصی کی جائے، اتنا ہی اور زیادہ موتی و جواہر ہاتھ آئیں گے چنانچہ قرآن کریم کے مختلف علوم میں سے ایک علمِ کائنات اور موجودات کا مطالعہ و مشاہدہ ہے جسے موجودہ دور میں سائنس کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم اپنی آیات بیّنات میں جہاں دیگر علوم کی دعوت دیتا ہے وہیں وہ کائنات اور اس کے اندر موجود مختلف اشیاء اور احوال میں غور و فکر اور ان کے مطالعہ و مشاہدہ کی پرزور ترغیب دیتا ہے اور ان لوگوں کو صاحب عقل اور بصیرت (اولوالالباب) کہتا ہے جو زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں گویا قرآن اپنی کئی آیات میں مختلف انداز میں تحقیق و جستجو اور سائنس کے مطالعہ کی ترغیب و تشویق دیتا ہے۔ قرآن حکیم اپنی ایک ہزار سے زیادہ آیات میں کائنات اور اس میں موجود اشیاء اور مظاہر فطرت کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ قرآن حکیم جیسے اپنے تشریعی احکام کو آیات کہتا ہے ایسے ہی وہ کائنات اور اس کے اندر موجود تمام اشیاء و مظاہر کو آیات کہتا ہے۔ جیسے وہ اپنی شریعت کے احکام پر مشتمل آیات (تشریعی آیات) پر تدبر و تفکر کو مومنین کی صفت قرار دیتا ہے ایسے ہی وہ کائنات کے اندر پھیلی ہوئی تمام اشیاء اور مظاہر کو (تکوینی) آیات قرار دے کر ان میں غور و فکر کو صاحب عقل و بصیرت لوگوں کی بنیادی علامت قرار دیتا ہے اور ان دونوں قسم کی آیات کو اپنی نشانیاں قرار دے کر ان سے تذکیر و تنبیہ اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ پیغمبر علم و حکمت نے کائنات کے اندر پھیلی ہوئی نشانیوں (آیات) پر غور و فکر کو افضل ترین عبادت قرار دیا، خالق کائنات کی ذات میں غور و فکر سے منع کرتے ہوئے تفکروا فی آیات اللہ و لاتتفکروا فی اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی کائنات اور اس میں موجود تمام مخلوقات میں غور و فکر کا نہ صرف حکم دیا بلکہ اس شخص کے لئے ہلاک ہونے کا کہا جو اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کائنات سے بغیر غور و فکر کے گزر جائے۔

علامہ اقبال یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام کورس بنام اسلام اور سائنس کو تفکر و تعقل کے اسی

بنیادی قرآنی حکم کو سامنے رکھ کر مسلمان نوجوان نسل کے اندر غور و فکر اور سائنسی شعور بیدار کرنے کے لئے لکھا گیا ہے تا کہ وہ اپنی متاعِ گم گشتہ کا احساس زیاں کرتے ہوئے اس کی بازیابی کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔

کورس کے مقاصد

زیرِ نظر کورس (اسلام اور سائنس) کے مطالعہ کے بعد ہمیں امید ہے کہ آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ سائنس کی تاریخ اور اسلام و سائنس کے باہمی تعلقات کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر سکیں۔
2۔ سائنس اور سائنسی طریق کار پر جامع نوٹ لکھ سکیں۔
3۔ سائنسی و تحقیقی جستجو کے اسلامی محرکات اور سائنسی نظریات کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو بیان کر سکیں۔
4۔ اسلام کے تصوّر کائنات و فطرت اور حیات کی حقیقت اور آغاز پر تفصیلی بحث کر سکیں۔
5۔ وجود باری تعالی کے اثبات پر کائناتی دلائل کو جدید سائنس کی روشنی میں بیان کر سکیں۔
6۔ خاتمہ کائنات اور حیات اخروی کو جدید سائنسی دلائل کی روشنی میں ثابت کر سکیں۔
7۔ سائنس کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی خدمات، تجربات اور تصنیفات کا تفصیلی جائزہ لے سکیں۔
8۔ مسلمانوں میں سائنسی تحقیق کے زوال کے اسباب اور اس کے احیاء کی تدابیر پر سیر حاصل بحث کر سکیں۔

فہرست ابواب

یونٹ نمبر: 01

سائنس اور سائنسی طریق کار

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

کورس اسلام اور سائنس کا یہ پہلا یونٹ ہے جس کا عنوان ہے "سائنس اور سائنسی طریق کار" اس یونٹ میں سائنس کا تعارف، اس کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات، سائنس کے بڑے بڑے شعبے، طبعی اور حیاتیاتی سائنس، سائنسی طریق کار، سائنسی طریق کار کے مراحل کو بیان کیا ہے۔ سائنس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے سائنس کی فلاسفی اور سائنسی انداز فکر کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ سائنس جن اصولوں پر آگے بڑھتی ہے، انہیں بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ قانون علّت کو مختصراً بیان کر کے اس کے اطلاق کو واضح کیا ہے۔ آخر میں موجودہ دور میں زندگی کے مختلف شعبوں میں سائنس کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. سائنس کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کر سکیں۔
2. سائنسی طریق کار اور سائنسی طریق کار کے مراحل کا بخوبی جائزہ لے سکیں۔
3. سائنس کے بڑے بڑے شعبوں اور سائنسی انداز فکر پر بحث کر سکیں۔
4. موجودہ دور میں زندگی کے مختلف شعبوں میں سائنس کی اہمیت کو واضح کر سکیں۔

1.1-سائنس کا تعارف

سائنس انسانی مشاہدات اور تجربات سے حاصل ہونے والے ایسے علم کا نام ہے جو منظم ہونے کے ساتھ ساتھ قابل تصدیق حقائق پر مبنی ہو۔ یہ فطرت اور کائنات کے مطالعہ کا نام ہے۔ کائنات کے اندر چھوٹے چھوٹے ذرات سے لے کر بڑے بڑے کُرّے اور اجسام ہیں، ان تمام ذرات، اجسام اور کُرّوں کا جب انسان مشاہدات، مفروضات، تصورات اور تجربات کے ذریعے مطالعہ کرتا ہے اور ان میں غور وفکر کرکے ایک منظم علم کی شکل میں انھیں سامنے لاتا ہے تو اُسے سائنس کہتے ہیں گویا سائنس کائنات کے اندر تمام اشیاء کے مطالعہ کا نام ہے اور اس علم کی بنیاد مظاہر فطرت کا مشاہدہ ہے جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعے عمل میں لایا جاتا ہے۔ مظاہر فطرت کے مطالعہ سے کچھ نتائج اخذ کیے جاتے ہیں پھر ان نتائج کو قابل فہم انداز سے تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے اور پھر صحیح سائنسی نتیجے کو ایک مستقل حقیقت یا قانون قدرت سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مشاہدے اور تجربے سے دریافت ہونے والے نتائج یا حقائق کو منظم شکل میں جب پیش کیا جائے تو اسے سائنس کا نام دیا جاتا ہے۔

1.2-سائنس کا لغوی واصطلاحی مفہوم

"انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" کے مطابق انگریزی لفظ سائنس (Science) لاطینی زبان کے لفظ "SCIENTIA" سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں'' جاننا، منظم کرنا، ترتیب دینا، معلوم کرنا"۔

"شارٹر آکسفورڈ انگلش ڈکشنری" کے مطابق

"وہ علم جو محنت سے حاصل کیا جائے یا علم کی چند مخصوص اقسام جیسے طبیعات، ریاضی، کیمیا، علم نجوم وغیرہ سائنس کہلاتی ہیں"۔

اسی طرح مختلف ماہرین تعلیم نے سائنس کی تعریف مختلف انداز میں کی ہے۔ مثلاً:

1. ایف ایس ٹیلر (F.S. Taylor) سائنس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔

"سائنس وسیع ترین معانی میں عالم مادی کی توصیف کرنے اور اسے مسخر کرنے کے مربوط طریقے کو کہتے ہیں"۔

2. مذاہب اور اخلاقیات کے انسائیکلو پیڈیا (Encyclopedia of Religions and Ethics) کے مقالے "Science" میں سائنس کی تعریف یوں کی ہے:

"سائنس وہ نظام علم ہے جس کی تعریف جزوی طور پر حقائق واقعہ کے نفس مضمون سے لیکن کلی طور پر ان طریقوں سے کی جاتی ہے جن سے مبینہ حقائق کو حاصل کیا جاتا ہے اور اس بات سے بھی کی جاتی ہے کہ اس کے ماخوذ نتائج کس حد تک تجربے کی کسوٹی پر پرکھے جا سکتے ہیں"۔

3. انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Encyclopedia Britannica) کے مقالے کا مصنف سائنس کی تعریف یوں بیان کرتا ہے:

"سائنس کسی ایسے فیصلہ کن امر کی تلاش کا نام ہے جس کے بارے میں ہمہ گیر تائید حاصل کی جا سکے"۔

4. جے بی کارنٹ سائنس کی تعریف یوں بیان کرتا ہے۔

"نظریات کا ایک سلسلہ جو تجربات و مشاہدات کی بنا پر ظہور پذیر ہو اور جسے مزید تجربات اور مشاہدات کی بنیاد بنایا جا سکے سائنس کہلاتا ہے"۔

5. جارج سارٹن سائنس کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"با معنی اور سلسلہ وار علم سائنس کہلاتا ہے"۔[1]

گویا حقائق کا وہ منظم علم جو تجربات و مشاہدات سے حاصل ہو سائنس کہلاتا ہے۔ مشاہدات و تجربات سے حاصل شدہ علوم سائنس کی تعداد بہت زیادہ بن جاتی ہے۔ یہ علوم ذرات کے کیمیائی عمل سے دماغ کے عمل تک کیمیا، طبعیات کے قوانین حرارت اور حرکت سے لے کر فصلوں کی معیشت تک، ستاروں کے معرض وجود

---

[1] مزید تفصیل ملاحظہ ہو ایس ایم شاہد: تدریس سائنس، مجید بک ڈپو اردو بازار، لاہور، 2005، ص 21-20 اور ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی: اندلس میں مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، پروگیسو بکس اردو بازار لاہور 1988, ص 1-17

میں آنے اور فنا ہونے سے پرندوں کی نقل مکانی تک نہایت حساس خوردبینی اشیاء اور متعدی امراض سے دور دراز کہکشاؤں تک، تہذیبوں کے ارتقاء و فنا سے ذروں اور کائناتوں کے ارتقاء و فنا تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سائنس میں ذی روح اجسام کے اعمال اور قوانین پر تفکر بھی شامل ہے اور بے جان ذرات کی ماہیئت کا مطالعہ بھی حلقۂ سائنس میں داخل ہے لہذا نوعیت کے اعتبار سے سائنس کو مندرجہ ذیل دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1.3-سائنس کی بڑی بڑی شاخیں

(I) قدرتی سائنس　　　(II) عمرانی سائنس

(I) قدرتی سائنس (Natural Science)

وہ سائنس جو زندہ اور بے جان مادے کے متعلق ہے اسے قدرتی سائنس کہتے ہیں۔ قدرتی سائنس کو مزید گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1. طبعی سائنس (Physical Sciences) وہ سائنس ہے جو بے جان مادے کے متعلق ہے۔ طبعی سائنس میں طبیعات، کیمیا، جغرافیہ، فلکیات، علم الارض وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام مضامین کسی نہ کسی طرح مظاہرات قدرت اور مادے سے منسلک ہیں۔
2. حیاتیاتی سائنس (Biological Science) وہ سائنس ہے جو زندہ مادے کے متعلق ہے، حیاتیاتی سائنس کہلاتی ہے۔ حیاتیاتی سائنس میں علم الحیوانات، علم النباتات، خوردبینی حیاتیات وغیرہ شامل ہیں۔

(II) عمرانی/سماجی علوم (Social Sciences)

وہ سائنس جو نظام قدرت اور انسانی تاریخ سے متعلق ہے عمرانی یا سماجی سائنس کہلاتی ہے۔ اس میں علم سیاسیات، معاشیات، نفسیات وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام علوم کا موضوع انسان ہے یعنی انسان کا کردار، سوچ، عمل، فہم و فراست، انداز تعلم، انداز رد عمل، تعلیم پر اثر انداز ہونے والے عوامل اور انسان کے رویے وغیرہ ان کا

موضوع ہوتے ہیں۔ پس اس کارخانۂ قدرت میں سائنس کے دائرہ کار میں صرف وہی علوم آتے ہیں جو تجربات و مشاہدات کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے قابل توجہ، قابل اظہار اور قابل تشریح امور ہیں جو سائنس کے دائرہ کار سے ماورا ہیں، اس لیے سائنس ان علوم پر بحث نہیں کر سکتی۔ ان علوم میں روحانیت، وجدانیت اور الہیات وغیرہ شامل ہیں۔[1]

1.4- فلسفۂ سائنس

ہر ضبط علم (Discipline of knowledge) کا ایک فلسفہ ہوتا ہے جس کی بنیاد پر وہ علم ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتا ہے اسی طرح سائنس کا بھی ایک اپنا فلسفہ ہے۔ اس فلسفے میں دو قسم کے تصورات کارفرما تھے۔

(الف) پرانا نظریہ (Old Philosophy/Thoughts)

(ب) جدید نظریہ (Modern Philosophy/Thoughts)

(الف) پرانا نظریہ (Old Philosophy/Thoughts)

اس فلسفے کے مطابق سائنس کا علم صرف معلومات پر مشتمل ہے یعنی اس نظریے کے مطابق سائنس صرف ایک پیداواری علم ہے۔ اور اس کی بنیاد صرف حقائق (Facts)، نظریات (Theories)، اُصول (Principles)، قوانین (Laws)، فرضیات (Hypothesis) وغیرہ پر ہے۔ گویا تمام باتیں باقی علوم میں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً تاریخ، سیاسیات، معاشیات، شماریات، فارسی، اردو، فلسفہ، اسلامیات اور عربی وغیرہ۔

(ب) جدید نظریہ (Modern Philosophy/Thoughts)

اس فلسفے کے مطابق سائنس کو بطور طریقہ کار کے لیے لیا گیا ہے یعنی مشاہدات، گروہ بندی، تجربات اور پیمائش وغیرہ اس کی بنیادی ضرورت ہے اور جس کی بنیاد پر مہارتیں پیدا کی جاتی ہیں یعنی علم کو کیسے حاصل کیا

---

[1] ایس ایم شاہد: تدریس سائنس، ص25

گیا ہے۔ مثال کے طور پر بادل کس طرح بنتے ہیں، اگر ہم اس بیان کی تصدیق تجرباتی طور پر ایک تجربہ گاہ میں کر لیں تو حاصل شدہ علم کی تصدیق مقداری اور خوبی Quantity & Quality دونوں لحاظ سے ہو جاتی ہے جو بالآخر دیے ہوئے بیان / نظریے کی علمی اور تجرباتی طور پر تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس فلسفے میں تجرباتی حصول عمل (Process) کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے جس کی بنیاد پر سائنس کے ضبط علم کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ مثلاً مشاہدات، گروہ بندی، نتیجہ سازی، پیش گوئی، فرضیات، تجربات، تصدیق در تصدیق اور پیمائش شامل ہیں جو سائنس کی روح ہے۔ مشاہدات میں بنیادی کڑی حواس خمسہ پر محیط ہے یعنی:

دیکھنے کا عمل، چھونے کا عمل، چکھنے کا عمل، سونگھنے کا عمل اور سننے کا عمل، ان کے لگاتار استعمال کرنے سے مشاہدے کی قسم ٹھوس ہو جاتی ہے جو تجرباتی سائنس میں ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتی ہے گویا جدید فلسفہ کے مطابق صرف نیچرل سائنس ہی سائنس کی تعریف پر پورا اترتی ہے۔[1]

1.5-سائنسی طریقہ کار(Scientific Method)

سائنس نہ صرف علم ہے بلکہ علم حاصل کرنے کا منظم طریقہ بھی سکھاتی ہے۔ سائنس اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ ہر ایک ملک میں مختلف قسم کی تجربہ گاہیں موجود ہیں جہاں باقاعدہ تربیت یافتہ لوگ مسلسل تحقیق میں مصروف ہیں۔ کہیں تو مختلف قسم کے تیزابوں سے تجربات کیے جا رہے ہیں اور کہیں عدسے اور دور بین استعمال ہو رہے ہیں۔ کہیں مفید اور عمدہ مشینوں کے ذریعے تجربات ہو رہے ہیں۔ کسی جگہ پیداوار کو بڑھانے کے لیے بیجوں پر تجربات ہو رہے ہیں تاکہ عمدہ قسم کے بیج دریافت کیے جائیں اور کسی جگہ ایٹم کے اندر جھانکنے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ توانائی کی ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔ کئی سائنسدان سمندروں کی تہہ میں تحقیق میں مصروف نظر آتے ہیں تاکہ روئے زمین پر انسان کے لیے زیادہ خوراک مہیا کی جا سکے اور ساتھ ہی ساتھ پانی کے اندر جانداروں کو

---

[1] ایس ایم شاہد: تدریس سائنس، ص26

محفوظ کیا جا سکے۔ زمین پر بسنے والے جانداروں کی صحت برقرار رکھنے کے لیے سائنس دان دن رات مصروف کار ہیں اور نئی نئی ادویات ایجاد کر رہے ہیں گویا انسان قدرت کی پیدا کردہ ہر چیز اور اس دنیا میں ہونے والے ہر واقعہ کو سمجھنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔ اس تحقیق میں لا تعداد مختلف آلات اور کیمیکلز استعمال ہوتے ہیں لیکن ان تمام میں ایک چیز مشترک ہے اور اسے سائنسی طریقہ کار کا نام دیا جاتا ہے۔ بقول برٹرنڈ رسل فطرت میں باقاعدگی معلوم کرنے اور اس کی درجہ بندی کرنے کے طریقے کو "سائنسی طریق کار" کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر انسانی زندگی کے ارد گرد رونما ہونے والے وہ واقعات جو قدرتی نظام کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں، ان کے قواعد معلوم کر کے ان کی درجہ بندی کرنا "سائنسی طریق کار" کہلاتا ہے۔ سائنسی طریق کار کے ذریعے واقعات کے اسباب معلوم کر کے واقعہ اور سبب میں تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ سائنسی طریق کار کے ذریعے ہم کسی فرضیے کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کے درست یا غلط ہونے کا اعلان کر سکتے ہیں۔

1.6- سائنٹیفک طریقے کے مراحل

کسی مسئلے کو سائنٹیفک انداز سے حل کرنے کے کسی بھی طریقے کو جس میں بعض معقول تدابیر اختیار کی گئی ہوں سائنٹیفک طریقہ کہہ سکتے ہیں سائنٹیفک طریقہ حسب ذیل منازل/مراحل پر مشتمل ہوتا ہے:

1) مسئلے کا انتخاب
2) فرضیوں کی تشکیل (Formulation of Hypotheses)
3) مشاہدہ و تجربہ (Observation and Experimentation)
4) حقائق یا اعداد و شمار کا جمع کرنا (Collection of Data)
5) حقائق یا اعداد و شمار کی تعبیر و تشریح (Interpretation of Data or Facts)
6) نتائج اخذ کرنا اور تعمیمات کا عمل

سائنٹیفک طریقہ کے منازل کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(1) مسئلے کا انتخاب

تحقیقی عمل کو شروع کرنے کے لیے سب سے پہلے جو کام کیا جاتا ہے وہ مسئلہ کا انتخاب ہوتا ہے۔ ہم جس شعبہ علم سے متعلق تحقیق کرنا چاہتے ہیں مسئلہ کی نوعیت کا انحصار اس شعبہ علم کے مخصوص پس منظر پر ہوتا ہے۔ مثلاً ماحول سے متعلق مسائل پر تحقیق میں یہ مسئلہ منتخب کیا جاسکتا ہے کہ خیبر پختونخوا کے دریاؤں میں مچھلیوں کی تعداد کیوں کم ہو رہی؟ فزکس کا مسئلہ یہ ہو سکتا ہے کہ کائنات کا کل حجم کتنا ہے؟ بائیولوجی میں اس مسئلہ پر تحقیق ہو سکتی ہے کہ موٹاپا اور وراثتی خصوصیات کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ طب کی تحقیق کا یہ مسئلہ ہو سکتا ہے کہ کسی مخصوص دوا کے مضر اثرات کیا ہو سکتے ہیں؟ اسلامیات کا موضوع تحقیق یہ ہو سکتا ہے کہ سودی نظام معیشت اور معیشت میں روزگار کا باہمی کیا تعلق ہے؟

2) .فرضیوں کی تشکیل(Formulation of Hypotheses)

مسئلہ تحقیق کا جب انتخاب ہو جاتا ہے تو پھر مرحلہ آتا ہے فرضیوں کی تشکیل کا۔ فرضیے اصل میں وہ عارضی(Tentative) حل ہیں جو ہم زیر بحث مسئلہ کے لیے پیش کرتے ہیں۔ فرضیہ کی یہ تعریف بھی کی جاتی ہے کہ یہ زیر بحث مسئلہ کا ممکنہ حل یا وضاحت ہے۔ کسی زیر بحث مسئلہ کے ایک سے زیادہ حل یا جوابات ہو سکتے ہیں۔ یہ ہماری تحقیق کا رخ متعین کرتے ہیں۔ فرضیہ اگر درست ہو جائے تو زیر بحث مسئلہ کی وضاحت ہو جاتی ہے اور اگر غلط ثابت ہو تو نئے فرضیے کے ساتھ تحقیق کا عمل آگے بڑھایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مریض کو بخار کی شکایت ہے تو وہ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ ڈاکٹر دو فرضیے پیش کرتا ہے۔

1۔ بخار ملیریا کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

2۔ بخار ٹائیفائیڈ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

لیبارٹری میں جو ٹیسٹ کیے جائیں گے وہ انہی فرضیوں کی بنیاد پر ہوں گے۔

3.مشاہدہ و تجربہ(Observation and Experimentation)

سائنسی تحقیق کا اگلا مرحلہ مشاہدہ و تجربہ ہے۔ مشاہدہ کی تعریف یہ ہے بیرونی دنیا کے بارے میں معلومات یا حقائق کو حواس خمسہ کے براہ راست استعمال کے ذریعے یا مشینوں یا آلات کی مدد سے حاصل کیا

جائے۔ تجربہ ایک ایسا عمل ہے جس میں محقق ایک یا ایک سے زیادہ عوامل یا متغیرات میں تبدیلی کر کے کسی دوسرے متغیر پر اثرات کا جائزہ لیتا ہے۔ تجربہ کسی لیبارٹری میں بھی کیا جاسکتا ہے اور تجربہ گاہ سے باہر بھی مثلاً پودوں پر تجربات کی جگہ کھیت ہیں۔ تجربات اور مشاہدات مختصر دورانیہ کے بھی ہو سکتے ہیں اور طویل بھی۔ مثلاً چیمپنزیز پر تحقیق کرنے والی ایک خاتون جین گوڈال(Jane Goodall) 1957سے تنزانیہ کے جنگلوں میں ان بندروں کے درمیان رہ رہی ہے اور ان کے طرز عمل کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ اس کے مشاہدہ سے چیمپنزیز کی زندگی کے نئے پہلو سامنے آئے ہیں۔ فزکس میں کائناتی نظام کے مشاہدہ کے لیے طاقتور ترین دوربینیں استعمال کی جارہی ہیں اور تحقیقاتی خلائی راکٹ مسلسل دور دراز سیاروں کی تصاویر بھیج رہے ہیں۔ طرز عمل کی سائنسز(Behavioral Sciences) کی تحقیق میں محقق بعض اوقات گروہوں اور افراد کے طرز عمل کے مشاہدہ کے لیے شراکتی مشاہدہ(Participatory Observation) کا طریقہ بھی اختیار کرتا ہے۔

اس مرحلے میں زیر بحث مسئلہ کے لیے تجویز کردہ فرضیوں کی جانچ یا پرکھ کی جاتی ہے اور حقائق اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ اوپر بخار کے لیے جو فرضیے قائم کیے گئے تھے ان کی جانچ کے لیے لیبارٹری میں ملیریا اور ٹائیفائیڈ کے ٹیسٹ کیے جائیں گے اور معلوم حقائق کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ کون سا فرضیہ بیماری کے متعلق درست ہے۔

4) . حقائق یا اعداد و شمار کا جمع کرنا(Collection of Data)

تحقیق کا اگلا مرحلہ حقائق یا اعداد و شمار کا جمع کرنا ہے۔ تجربہ یا مشاہدہ سے حاصل معلومات کی ترتیب و تنظیم کی جاتی ہے تاکہ معلومات یا حقائق کی وضاحت میں آسانی ہو۔ لیبارٹری میں تجربہ کرنے والا ایک محقق کام کرتے کرتے حاصل ہونے والے نتائج کو ایک منظم انداز سے اکٹھا کرتا جاتا ہے۔ مقداری معلومات ہندسوں کی شکل میں بیان کی جاتی ہیں۔

5). حقائق یا اعداد و شمار کی تعبیر و تشریح(Interpretation of Data or Facts)

معلومات یا حقائق جب جمع ہو جاتے ہیں تو اگلا مرحلہ ان کی تعبیر و توضیح کا آتا ہے۔ اس کام کے لیے شماریاتی علم کا سہارا لیا جاتا ہے اور حاصل معلومات کی بنیاد پر متغیرات کے درمیان تعلق کی نوعیت بیان کی جاتی

ہے۔ اعداد و شمار کو معانی دینے کا نام ان کی تعبیر و تشریح ہے۔ اعداد و شمار اس وقت تک کسی بھی کام کے نہیں ہوتے جب تک انہیں معانی نہ دیے جائیں، اوپر دی گئی بخار کی مثال میں ملیریا اور ٹائیفائیڈ کے ٹیسٹوں کی تشریح سے ہی پتہ چلے گا کہ مریض کو بخار کی وجہ ملیریا کے جراثیم ہیں یا ٹائیفائیڈ کے یا ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔

6). نتائج اخذ کرنا اور تعمیم (Drawing Conclusion and Generalization)

تجربات اور مشاہدات سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار کی تشریح اور توضیح کے بعد اگلا مرحلہ نتائج اخذ کرنا ہے۔ اس مرحلہ کے ذریعے محقق یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے قائم کردہ فرضیے پیش نظر مسئلہ کا ایک صحیح حل ہیں یا نہیں ہیں۔ اگر نتائج کسی ایک یا دوسرے فرضیے کو ثابت کرتے ہیں تو وہ اس کی بنیاد پر ایک نظریہ قائم کرتا ہے جسے تعمیم (generalization) کہا جاتا ہے۔ اور اگر اس کے حاصل شدہ نتائج کسی ایک فرضیے کو ثابت نہیں کرتے تو وہ نئے فرضیے یا فرضیوں کے ساتھ اپنی تحقیق کا عمل دوبارہ شروع کرے گا اور نئے مشاہدات اور تجربات کرے گا اور پھر آخر میں نئے فرضیے یا فرضیوں کے بارے میں نتیجہ اخذ کرے گا۔ نتائج اخذ کرنے کے لیے استقرا اور استخراج (Induction and deduction) کے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ استقرائی طریقے سے کسی خاص واقعے سے جمع شدہ معلومات سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں ان کا اطلاق پھر عام واقعات پر کیا جاتا ہے گویا اس طریقہ میں کسی خاص واقعہ سے جو بار بار ہوتا ہے اس سے عمومی نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ مثلاً سورج ہر روز مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب ہوتا ہے اس سے ہم استقرائی طور پر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آئندہ کل بھی سورج کا یہی معمول ہوگا۔ دوسرا طریقہ استخراج کہلاتا ہے جس میں مطالعہ کا رخ عموم سے خصوص کی طرف ہوتا ہے۔ اس طریقے میں پہلے سے موجود عام کلیوں یا مقدمات سے منطقی دلائل کے ذریعے مخصوص نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اوپر بخار کی وجوہات کے متعلق جو ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ ملیریا یا ٹائیفائیڈ کی وجہ سے ہوتا ہے وہ عمومی جراثیمی نظریہ (Germ Theory) کی بنیاد پر اخذ کیا جاتا ہے۔ اس میں استخراجی طریقہ استعمال کر رہے ہیں۔

1.7- سائنٹیفک انداز فکر (Scientific Attitude)

سائنٹیفک انداز فکر کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے ''کھلا ذہن صحیح معلومات کی طلب، علم کی جستجو میں اختیار کردہ طریقہ ہائے عمل پر اعتماد اور یہ توقع کہ مسئلے کا حل مصدقہ علم کے ذریعے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے''۔ سائنسی انداز فکر کئی عناصر پر مشتمل ہے، ان میں درج ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

1. معروضی طور پر اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنا۔
2. اشیاء کا اسی حالت میں مشاہدہ کرنا جیسے کہ وہ ہیں۔
3. حقائق کو تسلیم کرنا۔
4. نئے حقائق کی روشنی میں رائے تبدیل کرنا۔
5. سوچے سمجھے بغیر اظہار رائے سے احتراز کرنا۔
6. دوسروں کی رائے کا احترام کرنا جب کہ وہ دلائل پر مبنی ہو۔
7. شواہد کو ان کی مناسبت، معقولیت اور کفایت کی بنا پر پرکھنا۔
8. اس بات پر پختہ یقین رکھنا کہ انسانی علم حتمی نہیں ہوتا۔
9. توہمات کے بجائے اس بات پر یقین رکھنا کہ اگر کوئی واقعہ ہوتا ہے تو اس کی کوئی وجہ ہے کیوں کہ ہر واقعہ میں علت و معلول کا رشتہ موجود ہوتا ہے۔[1]

1.8- قانون علت: علت و معلول (The Principle of Cause and Effect)

اس کائنات میں اسباب و علل کا ایک وسیع سلسلہ قائم ہے، تمام مظاہر فطرت اسباب و علل کے تحت ہی رواں دواں ہیں۔ سائنسی طریق کار میں بھی سائنسی تجربات کے ذریعے یا براہ راست فطرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے ہم تمام واقعات و حالات کو علت و معلول کی کڑیوں کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علت و معلول کا تعلق صرف اس مادی دنیا تک ہی محدود ہے جسے ہم اپنے حواس خمسہ اور سائنسی طریق کار سے معلوم کر سکتے ہیں

---

[1] ایس ایم شاہد: تدریس سائنس، ص 39-40

اس سے آگے سائنس کی رسائی شاید نہیں ہے۔ اگر ہم علت و معلول کو ایک لمبی زنجیر کے طور پر تسلیم کریں تو ہمیں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر معلول(Effect) کے پیچھے ایک علت ہے۔

مجموعی طور پر اگر ہم کائنات کو ایک معلول تصور کر لیں تو اس کی علت ہمیں فطرت سے باہر ڈھونڈنی پڑتی ہے اور اس علت کو ہم مافوق الفطرت بھی کہنے پر مجبور ہوں گے۔ جس طرح ایک معلول اپنی علت خود نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ کائنات بھی خود اپنی خالق و ناظم نہیں بن سکتی۔ اس کائنات کی منصوبہ بندی اور نظام کے لیے ایک ایسا منصوبہ ساز درکار ہے جو مافوق الفطرت ہو۔ چونکہ ہمارے مشاہدات و تجربات اور سائنس کے سارے طریق کار کائنات کے اس پار نہیں جھانک سکتے اور وہاں تک سائنس اور سائنسی طریق کار کی رسائی نہیں ہے اس لیے اس وسیع و عریض کائنات کے پیچھے جو علت یا سبب ہے اس کا انکار کر دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ وحی کی رہنمائی کے بغیر عقل سلیم حاصل نہیں ہوتی اس لیے ایک سائنس دان کائنات کے ان ہی ظاہری اسباب و علل کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ اس آخری سبب یا علت غائی(Final cause) کا انکار کر دیتا ہے۔ چونکہ وہ آخری علت انسان کو نظر نہیں آتی کیونکہ وہ سائنسی آلات و تجربات سے ماورا اور بہت آگے کی چیز ہے۔

تمام قدیم و جدید فلاسفہ اور سائنسدانوں کے ہاں اس کائنات کے اندر علت و معلول کا سلسلہ قائم ہے۔ علت یا سبب کسی چیز یا واقعے کا باعث ہے اور وہ شے جو اس سبب یا علت کا نتیجہ ہو اسے معلول کہا جاتا ہے۔ تمام فلاسفہ اور جمہور اہل مذہب کا خیال ہے کہ علت و معلول میں ترتیب و لزوم ضروری ہے یعنی علت پہلے ہو گی اور معلول بعد میں ہو گا۔ اس کے تحت کائنات کے تمام چھوٹے بڑے واقعات اور مظاہر کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب یا علت ضرور موجود ہے۔ علت و معلول یا سبب و نتیجے کا یہ رشتہ عام طور پر ہر جگہ اور ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ اسی رشتے کی بنا پر ہم سائنس کے قوانین فطرت کو سمجھتے ہیں بلکہ انھیں اپنے الفاظ میں مرتب بھی کر لیتے ہیں۔ علت و معلول کی اس یکسانیت کی بنیاد پر ہم تمام کائناتی واقعات کو علت و معلول کی مختلف کڑیوں میں پروتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن علت و معلول کو کڑی در کڑی پروتے ہوئے ایک مقام ایسا بھی آجاتا ہے جہاں کسی معلول کی علت بھی نہیں دیکھ سکتے اور اس سے اگلی کڑی بھی دریافت نہیں کر پاتے۔ واقعہ یا نتیجہ موجود ہے مگر اس کا سبب نظر نہیں آ رہا۔ ہمارے تمام حواس خمسہ اور سائنسی آلات بے بس نظر آتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہمیں اپنی بے بسی کا اعتراف کرنا ہوتا ہے کیونکہ ہماری سرحد ادراک سے پرے کوئی ایسا سبب یا علت ہے جو ہمیں نظر نہیں آ رہا لیکن وہ

موجود ضرور ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ارسطو نے بھی کہا تھا کہ کائنات کے اندر جو سلسلہ علل ہے وہ لا متناہی نہیں بلکہ ایک جگہ جا کر ختم ہو جاتا ہے چنانچہ اس کے نزدیک خدا اس کائنات کی علت اولیٰ ہے۔ علامہ برونو کے مطابق بھی ہر شے کا ایک سبب ضروری ہے اور اس کائنات کا آخری سبب ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ خدا ہے۔ بوہمے کے نزدیک بھی خدا اس کائنات اور فطرت کا آخری سبب اور عقلی اساس ہے ۔[1]

امام غزالی نے اپنی کتاب تہافت الفلاسفہ میں اسباب و مسبب میں رشتہ و تعلق کی نوعیت کے تحت بحث کی ہے اور کہا ہے کہ علت و معلول یا سبب و مسبب میں اگرچہ بظاہر لزوم نظر آتا ہے لیکن یہ لزوم ہر جگہ ضروری نہیں ہے بلکہ اس میں افتراق بھی آسکتا ہے۔ مثلاً پانی کے بغیر تشنگی دور ہو جائے، آگ کا شعلہ اختراق نہ پیدا کرے اور آگ نہ جلائے۔ ہمیں اسباب و علل اور معلول میں جو لزوم نظر آتا ہے یہ سلسلہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں قائم کیا ہے لیکن کبھی کبھی اس سلسلہ علت و معلول کے بغیر بھی کئی واقعات رونما ہو سکتے ہیں۔ سائنس کی چونکہ ان علل تک رسائی نہیں ہوتی اس لیے اس کا انکار کر دیا جاتا ہے حالانکہ ان کی تشریح بھی ہو سکتی ہے لیکن اس کے لیے سائنس کے علاوہ باقی علوم سے بھی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جو سائنسی طریق کار اور سائنسی آلات سے ماورا بھی دیکھ سکنے کے قائل ہیں جیسے مذاہب عالم اور روحانیات۔(ایضاً)

1.9-موجودہ دور میں سائنس کی اہمیت

موجودہ دور میں سائنس کی ترقی و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں سائنس کا عمل دخل نہ ہو۔ سائنس تمام مادی علوم کا سرچشمہ، معلومات کا خزینہ اور معرفت الٰہی کا زینہ بھی ہے۔ اس کا کام مادیت کے پر پیچ راستوں کے ذریعے سے انسان کو حق و صداقت تک پہنچانا اور علم کیمیا، طبیعات، حیاتیات، ریاضیات، برقیات، شماریات اور فلکیات کے ذریعے سے اسرار فطرت کا سراغ لگانا ہے۔

ہماری موجودہ مادی ترقی سائنس ہی کی مرہون منت ہے۔ سائنس ہی نے ہماری زندگیوں کو انقلابات سے دوچار کیا ہے۔ اس انقلابی دور میں ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت انسانی ذہن مظاہر قدرت کو مسخر کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ سائنسی معلومات انسان کو ایک نیا

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک لاہور، ص24-26

شعور اور ولولہ عطا کر رہی ہیں۔ ترقی کے اس دور میں سائنسی ترقی سے بیگانہ رہ کر کوئی قوم ترقی کی منزلوں کو نہیں چھو سکتی۔ سائنس کی بدولت ایک عام آدمی کو وہ سہولیات میسر ہیں جو پچھلے زمانے میں بڑے بڑے نوابوں اور بادشاہوں کو حاصل نہ تھیں۔

انسان کو سائنس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کی قدر و قیمت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ موجودہ دور میں معاشرے کی ترقی کے لیے سائنس ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں سائنس کا اطلاق موجود ہے۔ ہر جگہ سائنس کا تذکرہ ہے اور ہر کام میں سائنسی نقطہ نظر کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ دنیا کا ہر ملک خواہ تمدن کے کسی مرحلے پر ہو سائنس سے مستفید ہو رہا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی وژن، ٹیلی فون، وائرلیس، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز وغیرہ کا استعمال عام ہے۔ صنعت و حرفت میں کام کے انداز بدل چکے ہیں اور انسان کی جگہ مشین نے لے لی ہے، متعدی امراض پر قابو پا لیا گیا ہے اور ہماری خوراک اور لباس تک میں تبدیلی آچکی ہے۔ غرض زندگی کے ہر شعبے میں سائنس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کی بدولت انسان کو اتنی طاقت اور قوت ملی ہے کہ اس نے چاند کو مسخر کر لیا اور دوسرے سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ اب اس کی نگاہیں خلا کی لا محدود وسعتوں میں متجسّس ہیں۔ سائنس ہی نے انسان کو اس قدر قوت دی کہ وہ پہاڑوں کو آن کی آن میں مسمار کر سکتا ہے، دریاؤں کے رخ بدل سکتا ہے، ویرانوں کو آباد کر سکتا ہے اور اس کی آنکھیں چھوٹے سے چھوٹے ذروں ذروں کی بناوٹ اور اصلیت کی جانچ کر سکتی ہیں۔ وہ ہزاروں میل دور کی چیزوں کو دیکھتا ہے، مصنوعی سیاروں سے موسمی حالات کا پتہ لگا لیتا ہے، سمندری ہواؤں کا رخ اور بارشوں کا بروقت پتہ چلا لیتا ہے۔ اسے طوفان کی آمد قبل از وقت معلوم ہو جاتی ہے اور آسمان سے باتیں کرتی کئی منزلہ عمارتیں انسان تعمیر کر سکتا ہے۔ یہ سب سائنس ہی کی مرہون منت ہیں۔

آج اسلامی دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص حیات نو کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ اس جدید تمدن کی تعمیر میں سائنس کا بڑا حصہ ہے اور نئے شعور کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مسلمان اپنی کھوئی ہوئی میراث کو دوبارہ پالیں اور اپنے بزرگان سلف کا نام روشن کریں۔

انسان اپنی تہذیب کے ابتدائی دور میں قدرت کے رحم و کرم پر تھا۔ بیماریوں سے بچاؤ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ ماضی میں ہمیں پتہ تک نہ تھا کہ بیماریاں کیوں کر ہو جاتی ہیں اور ان کا موثر علاج بھی موجود نہیں تھا۔ زیادہ دور کی بات نہیں 1907ء میں برطانیہ میں ہر ہزار نومولود بچوں میں سے 114 مر جاتے تھے جب کہ 1959ء میں یہ تعداد گھٹ کر 22 رہ گئی۔ اب اموات کی شرح اس سے بھی کم ہے۔ اس کی وجہ سائنس کی ترقی

ہے جس کی بنا پر مختلف بیماریوں کی وجوہات تلاش کی گئیں۔ایکسرے سے جسم کے اندرونی حصوں کے فوٹو لے کر پوشیدہ بیماریوں کے علاج اور آپریشن میں آسانی ہو گئی۔اب تو اس حد تک ترقی ہو گئی ہے کہ زندہ جسم کے فاسد اجزا کو مردہ جسم کے صحت مند اجزا سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مصنوعی اعضا بنا کر معذور لوگوں کی مدد کی جا رہی ہے۔سائنس کی بدولت ہی ایکسیریز معلوم ہوئیں جو نہ صرف ایٹم کی ساخت اور فلموں کے مطالعے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں بلکہ بیماریوں کی تشخیص اور علاج کے لیے بھی انقلابی ایجادات ثابت ہوئی ہیں۔

زراعت کی ترقی اور انسانیت کے لیے زیادہ سے زیادہ خوراک کا حصول بھی سائنسی طریقہ کار ہی سے ممکن ہے۔ ملکی وسائل کو استعمال میں لانے اور مزید وسائل کی تلاش میں سائنس نے بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ زراعت میں اعلیٰ قسم کی مشینوں کی دستیابی نے پیداوار میں حیرت انگیز اضافہ کر دیا ہے۔فصلوں کی بیماریوں سے بچاؤ کے لیے دوائیاں میسر ہیں۔ موسمی پیش گوئی کی بدولت غیر متوقع حادثات سے اناج وغیرہ کو محفوظ کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح صنعت و حرفت کی ترقی میں بھی سائنس نے اہم رول ادا کیا ہے۔

انسانی تہذیب پر بھی سائنس کا بہت گہرا اثر ہے۔نت نئی ایجادات واختراعات نے دنیا کے انسانوں کو آپس میں بہت قریب کر دیا ہے جس کی بدولت ہم ایک دوسرے کی معاشرت اور تہذیب سے واقف ہوتے ہیں۔ غرض موجودہ دور کا انسان سائنس کی افادیت اور اہمیت سے اچھی طرح آگاہ ہے اور یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ہم مکمل طور پر سائنس پر انحصار کرتے ہیں۔ سائنس ہی نے زندگی کے ہر شعبے میں خدمات پیش کی ہیں۔اس کے بغیر زندگی کی آسائشوں کا تصور محال تھا۔

برقی رو ہمارے ہزاروں کام کرتی ہے۔ بجلی کا سوئچ دبانے سے دفعتاً کمرہ جگمگا اٹھتا ہے۔ شہروں کی گلیاں بجلی کے قمقموں سے روشن ہیں۔ سائنس ہی کی بدولت ان گمشدہ خزانوں کی تلاش کی گئی ہے جو قدرت نے بنی نوع انسان کو زمین اور سمندر کی گہرائیوں میں عطا کیے ہیں۔ سائنس ہی کی بدولت زمین کا سروے ممکن ہوا۔ محض مٹی کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم یہ معلوم کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں کہ یہاں کون سی معدنیات موجود ہیں۔ یہ سائنس ہی ہے جس کی بدولت تیل اور گیس کے ذخائر معلوم کیے گئے ورنہ یہ تمام دولت انسانی رسائی سے بہت دور تھی۔

اس کرہ ارض پر انسان ہزاروں سال سے موجود ہے۔ اسے بڑی بڑی ارضی و سماوی مشکلات اور حادثات کا سامنا رہتا ہے۔ وہ درندوں کا خوف اور ان سے مقابلہ، غذا کی تلاش، پانی کا حصول، گرم و سرد موسموں کی شدت، دشمنوں سے بچاؤ کے طریقے، انسانی جد وجہد اور مشکلات کی ایک طویل تاریخ لیے ہوئے اس مہذب دور میں داخل ہوا ہے۔ انسان نے اپنی حفاظت بھی کی، اوزار بنائے اور ہنر سیکھے اور بتدریج جو آسانیاں تلاش کیں وہ سب سائنس ہی کی بدولت ہیں۔ [1]

خود آزمائی

سوال نمبر 1: سائنس کیا ہے؟ سائنس کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں۔

سوال نمبر 2: سائنسی طریق کار کیا ہے؟ سائنسی طریق کار کے مختلف اجزا کو بیان کریں۔

سوال نمبر 3: سائنسی طریقے کے مختلف مراحل کو مثالوں کے ساتھ واضح کریں۔

سوال نمبر 4: سائنسی انداز فکر کے مختلف عناصر کو مختصراً بیان کریں۔

سوال نمبر 5: سائنس میں تجربہ، مشاہدہ اور نظریہ کی کیا اہمیت ہے؟ تفصیل سے بیان کریں۔

سوال نمبر 6: قانون علت کسے کہتے ہیں؟ اس کے اجزا کو مدلل انداز میں واضح کریں۔

سوال نمبر 7: موجودہ دور میں سائنس کی اہمیت کو مثالوں سے واضح کریں۔

سوال نمبر 8: ہماری موجودہ مادی ترقی سائنس ہی کی مرہون منت ہے، بحث کریں۔

سوال نمبر 9: استخراج اور استقرا سائنس کی بنیاد، ہیں، مثالوں سے واضح کریں۔

سوال نمبر 10: قرآن حکیم انسانوں میں سائنٹیفک انداز فکر (Scientific Attitude) پیدا کرنا چاہتا ہے، مثالوں سے ثابت کریں۔

---

[1] ایس ایم شاہد: تدریس سائنس، ص 45- 47

یونٹ نمبر:02

سائنس کی تاریخ اور مذہب و سائنس تعلقات

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

موجودہ دور سائنسی علوم کی معراج کا دور ہے۔ سائنس کو بجا طور پر عصری علم سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا دور حاضر میں دین کی صحیح اور نتیجہ خیز اشاعت کا کام جدید سائنسی بنیادوں پر ہی بہتر طور پر انجام دیا جا سکتا ہے۔ بنا بریں اس دور میں اس امر کی ضرورت ہے کہ مسلم معاشروں میں جدید سائنسی علوم کی ترویج کو فروغ دیا جائے اور دینی تعلیم کو سائنسی تعلیم سے مربوط کرتے ہوئے حقانیت اسلام کا بول بالا کیا جائے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے مسلمان طالب علم کے لیے مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق کو قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھنا لازمی ہے۔ اس یونٹ میں سائنس کی تاریخ اور مذہب اور سائنس کے تعلق کو اسلامی تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. سائنس کی تاریخ کا جائزہ لے سکیں۔
2. سائنس کے مختلف ادوار پر تبصرہ کر سکیں۔
3. مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق کی وضاحت کر سکیں۔
4. مذہب اور سائنس کے نقطہ نظر میں بنیادی فرق کو واضح کر سکیں۔

2.1 :سائنس کی تاریخ

سائنس کی تاریخ اتنی پرانی ہے کہ جتنا خود انسان۔ سائنس کی بنیادیں تو انسانی تہذیب کے اولین دور میں پڑتی ہیں البتہ سائنس کی حقیقی شکل و نوعیت مسلمانوں کے عہد سے نمایاں ہوتی ہے۔ مشہور تاریخ دان اور فلسفی رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) نے اپنی موقر تصنیف "تعمیر انسانیت" (Making of Humanity) میں لکھا ہے کہ

> "ہماری سائنس اس بات کے لیے عربوں کی مرہون منت ہی نہیں کہ انہوں نے چونکا دینے والے انکشافات یا انقلابی نظریے پیش کیے بلکہ اس سے کہیں زیادہ وہ عربوں کی زیر بار احسان ہے۔ یعنی اس کا وجود ہی ان کی بدولت ہے"۔

اہل مغرب کہتے ہیں کہ ان کی علمی نشاۃ ثانیہ پندرہویں صدی میں رونما ہوئی۔ مگر بریفالٹ ''تعمیر انسانیت'' میں اس نظریہ کی پر زور تردید کرتا ہے اور کہتا ہے:

> "یہ صحیح نہیں کہ یورپ کی نشاط ثانیہ پندرہویں صدی میں ہوئی۔ دراصل عرب کے مسلمانوں کے زیر اثر یورپ کی تہذیب کا احیاء تھا۔ اٹلی نہیں بلکہ اسپین (جہاں مسلمانوں کی حکومت تھی) یورپ کی حیات نو کا گہوارہ تھا۔ مسلسل وحشت کی گہرائیوں میں گرتے گرتے جب یورپ جہل و پستی کی تاریک ترین گہرائی تک پہنچ چکا تھا اس وقت اسلامی دنیا میں بغداد، قاہرہ، قرطبہ، طیطلہ اور ٹولیڈو تہذیب اور ذہنی سرگرمیوں کے ترقی یافتہ مرکز تھے اور وہیں وہ زندگی رونما ہوئی جس نے انسانی ارتقا کو ایک نئی سمت بخشی۔ جوں ہی یہ تہذیب اثر انداز ہونے لگی (یورپ میں) ایک نئی زندگی کے آثار نمایاں ہوتے گئے"۔

مسلمانوں کی علمی فوقیت کا اعتراف کرنے کے بعد بریفالٹ لکھتا ہے:

"یہ امر صریحاً غیر فطری ہے کہ ایک تابناک اور فعال تہذیب جو تخلیقی عمل میں مصروف ہو "ہمسایہ آبادیوں کے نشوونما پر" جو جہالت میں ڈوبی ہوئی ہوں اور جن سے ان کا ربط و ضبط ہو، ان پر گہرا اور حیات آفریں اثر

نہ ڈالے۔اسلام اور یورپ کے باہمی ربط وضبط کی تاریخی شہادت کی ہر تفصیل کو دبانے اور مسخ و نابود کرنے کی سازش کے باوجود یہ اچھی طرح ثابت ہوگیا ہے کہ فطری قانون معطل نہیں ہوا تھا۔اگران تمام حالات اور شواہد کو مسخ کرنے اور ان کو مٹانے کی کوششوں اور پیہم تعصب و تحریف کے محرکات کو جن کی گرفت سے ایک واقعہ بھی نہیں بچا ہے، پیش نظر رکھا جائے تو اس قول میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ اثر کا جائزہ لینے میں مبالغہ کے بجائے کوتاہی کرنے ہی کا امکان ہے۔ یہ قریب قریب یقینی ہے کہ عربوں کے بغیر یورپ کی جدید تہذیب رونما نہیں ہوسکتی تھی اور ان کے بغیر اس تہذیب کو وہ منصب حاصل نہیں ہوتا جس نے اسے ارتقا کے پچھلے تمام مدارج سے بلند کردیا۔ یوں تو یورپی نشوونما کا کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں جس میں اسلامی تہذیب کا سراغ نہ ملے مگر نیچرل سائنس اور سائنسی مزاج پیدا کرنے میں جو نئی دنیا کی سب سے بڑی امتیازی قوت ہے اور اس کی کامیابی کے سب سے بڑے مآخذ ہیں، اس تہذیب نے مہتم بالشان کردار ادا کیا ہے"۔[1]

سائنس کی تاریخ کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

یونانی دور

یہ قدیم ترین دور ہے جو 2 سے 6 قبل مسیح کا ہے۔اس دور میں یونان فلسفہ اور سائنس کا مرکز رہا ہے۔ معروف یونانی فلسفیوں اور سائنس دانوں کے نام یہ ہیں۔ارسطو، سقراط، بقراط، اطالیس، فیثاغورث، افلاطون وغیرہ۔

اسکندریہ دور

یہ دور بھی یونانی دور کے ساتھ ساتھ 413 قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے، سکندر اعظم کا دربار مقدونیہ میں فلسفیوں، سائنسدانوں اور فنکاروں کا مرکز رہا ہے۔ سکندر اعظم نے دریائے نیل کے دہانے پر سکندریہ کے نام سے جو شہر بسایا تھا اس نے ادب، فلسفے اور سائنس کے ذریعے انسان کی ذہنی و تاریخی ارتقا میں نمایاں حصہ لیا۔ سکندریہ کے

---

[1] حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق ,اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999

مشہور سائنس دانوں میں اقلیدس،ارشمیدس،ہیرو فیلوز،اوپولونیوس،جالینوس اور بطلیموس شامل ہیں۔

مسلم دور

یہ دور ساتویں صدی سے تیرہویں صدی عیسوی پر محیط ہے۔اس دور میں قرآن حکیم کی کائنات میں غور وفکر کی ترغیب کے زیر اثر بہت سے عظیم مسلمان سائنس دان اور دانشور پیدا ہوئے جنھوں نے کیمیا، طبیعات، فلکیات، طب، ریاضی اور جغرافیہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ان عظیم سائنس دانوں نے یونانی علوم سے بھرپور استفادہ بھی کیا۔ان کی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا اور ان کی تحقیقات و مشاہدات سے آگے بڑھ کر سائنسی علوم میں بیش بہا ترقی کی۔ مسلم دور میں بنو عباس اور بنو امیہ کے خاندانوں نے سائنسی علوم اور تاریخ وادب کی بہت دلچسپی سے سرپرستی کی اور اس دور میں عظیم دانشور اور سائنس دان پیدا ہوئے جن میں جابر بن حیان، محمد بن زکریا الرازی، ابن الہیثم، بو علی سینا، البیرونی، الخوارزمی، عمر خیام، ابن رشد، جاخظ، ابن مسکوی اور خازنی وغیرہ شامل ہیں۔

یورپین دور

سترہویں صدی سے انیسویں صدی عیسوی میں یورپی ممالک میں سائنسی علوم و تحقیق کی ترویج و اشاعت ہوئی اور جدید آلات جیسے دوربین، خوردبین اور دوسرے سائنسی آلات کی ایجاد نے سائنسی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان یورپی سائنس دانوں نے مسلمان دانشوروں اور سائنس دانوں کی تحقیق سے بھرپور استفادہ کیا۔ مسلمان سائنسدانوں کی اہم تحقیقی کتب ورسائل کا لاطینی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ کیا اور مسلمانوں کی تحقیق کی بنیاد پر وہ سائنس میں آگے بڑھے (جس کا اس یونٹ کے ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے)۔

دورجدید

دوور جدید کاآغاز بیسویں صدی عیسوی میں ہوا۔اس دور میں سائنسی علوم کی ترقی کی وجہ سے دنیا میں

انقلاب برپا ہوا جس نے پوری انسانی زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی، جینیٹک انجنیئرنگ، لیزر، جدید سرجیکل آلات اور انسانی اعضا کی پیوند کاری دور جدید کی اہم سائنسی کامیابیاں ہیں۔ نیوکلیئر انرجی اور سپیس ٹیکنالوجی نے سائنسی تحقیق کی نئی راہیں کھول دیں۔

بیسوی صدی علمی اور سائنسی اعتبار سے بہت اہم صدی ہے، اس صدی میں ہونے والے تیز ترین سائنسی انکشافات وایجادات گزشتہ کئی صدیوں کے مشاہدات، تجربات اور نظریات کا نچوڑ ہیں مثلاً خلاء اور وقت کے بارے میں دانشوروں کی صدیوں کی سوچوں کو 1905 میں آئن سٹائن (1879۔1955ء) نے اپنے نظریہ اضافیت سے درست سمت دکھانے کی کامیاب کوشش کی۔ آئن سٹائن نے نیوٹن فزکس کے بعض پرانے نظریات کو اس انکشاف کے بعد مکمل طور پر تبدیل کر دیا کہ کمیت (Mass) کو توانائی (Energy) اور توانائی کو کمیت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ($E=mc^2$)۔ بعد ازاں 1915ء میں آئن سٹائن نے نظریہ کشش ثقل سے کائنات اور مختلف اجرام فلکی کے وجود کی وضاحت کے لیے فریم ورک مہیا کر دیا[1]۔ 1926ء میں کوانٹم تھیوری نے اشیاء اور ان کی بناوٹ کے ذمہ دار ایٹموں کے طرز عمل کے بارے میں نئے قوانین ماضی کی تحقیق اور جستجو سے اخذ کیے۔ 1926ء میں ایڈون ہبل نے انکشاف کیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ 1930ء کی دہائی کے دوران سائنس دانوں نے جانوروں اور پودوں میں موروثیت کے بارے میں کئی صدیوں کے مبہم مشاہدات کو کئی ٹھوس اصول وضوابط دیئے۔ انسانی ساخت کا قضیہ 1953ء میں اس وقت حل ہوا جب وراثت میں ڈی این اے (DNA) کے کردار اور انسانی خلیوں کی زندگی کو باضابطہ بنانے میں مخصوص کیمیائی بندوبست کا انکشاف ہوا[2]۔ 1969ء میں انسان نے چاند پر پہنچ کر کائنات کو مسخر کرنے کے بارے میں صدیوں سے پنپنے

---

[1] برنال، جے ڈی، سائنس تاریخ کے آئینے میں (تلخیص محمد زکریا ورک)، نیازمانہ پبلیکیشنز، لاہور، ص 154-156)

[2].Francis Collins: The language of God, Free Press, New York, 2006 , p.100-102)

والی انسانی سوچوں کو عملی رنگ دے دیا جبکہ 1971ء میں ایک حیاتیاتی نظام کی جنیز کو دوسرے نظام کے جنیز میں کاشت کرنے میں بائیو ٹیکنالوجی ایک حقیقت بن کر ابھری[1]۔ان سب ایجادوں کے جلد ادراک میں تاریخی ریکارڈ کا گہرا حصہ ہے تاہم اس شاندار ترقی کے باوجود آج بھی وہی سوالات معمہ بنے ہوئے ہیں جو قدیم یونانی فلسفی ارسطو(384۔322ق۔م)نے تقریباً2500سال پہلے کیے تھے یعنی کائنات کیسے وجود میں آئی اور کن عناصر سے بنی؟ذہن کیا چیز ہے؟کائنات کے بارے میں سوالات کے جواب میں 1926ء میں ہبل نے بتایا کہ کائنات کے آغاز پر بڑاز بردست دھماکہ ہوا تھا شاید یہ 15سے20ارب سال پہلے کا واقعہ ہے جسے "بگ بینگ"کا نام دیا گیا[2]۔اس کے بعد کائنات پھیلنا شروع ہو گی اور ابھی تک پھیل رہی ہے۔لیکن مسئلہ کائنات کے پھیلاؤ کی رفتار کو ناپنا ہے۔اس کے لئے تین محوری تفصیلی نقشہ درکار ہے جو ایک ارب نوری سال (ایک نوری سال=6ٹریلین میل)تک پھیلا ہوا ہے۔ایک اور سوال جو انسان صدیوں سے پوچھ رہا ہے وہ زندگی کی ارتقاء سے متعلق ہے کہ زندگی کیسے شروع ہوئی؟سائنس اس کا سیدھا سادہ جواب دیتی ہے کہ زمین کے گرم پانی میں موجود کیمیائی مرکبات سے زندگی کا آغاز ہوا لیکن ایسے کون سے مرکبات تھے جو زندگی کے ارتقاء کا باعث بنے اور پھر پیچیدہ نظام میں کیسے ڈھلتے چلے گئے کہ اصلی چیز سے نئی شکلیں بنتی چلی گئیں اور آخر کار انسانی ارتقاء تک جا پہنچی؟[3]

ڈی این اے(DNA)سے اگرچہ جدید اور قدیم خلیاتی مماثلت کی تصدیق ہو گئی تاہم ہمیں اب بھی یقین نہیں کہ زندگی اچانک کیسے شروع ہو گئی؟ڈی این اے (DNA)سے یہ بھی پتہ چلا کہ انسان بائیو کیمیائی

---

[1] برنال جے ڈی، سائنس تاریخ کے آئینے میں ص202-195۔

[2].William Worthing: God, Creation & contemporary Physics , Fortress Press , Minneapolis, MN, 1996, P-27.28))

[3].Francis Collins: The language of God, pp 88-92

مشین ہے جس کے افعال ادویات اور جینز(Genes) کے ذریعے بدلے جا سکتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اس بایو کیمیائی مشین کا ارتقاء عمومی وراثت سے ہوا یا وائرس کے تبادلوں سے۔ ہمیں ابھی اس بات کا بھی کھوج لگانا ہے کہ جلد اور جگر کے خلیوں میں فرق کیسے پیدا ہوا اور کیا کسی عضو کے خلیے سے پورا جگر تیار کیا جا سکتا ہے ؟[1] سائنس نے ابھی ارسطو کے ان سوالوں کو بھی حل کرنا ہے جن میں ذہن اور شعور کی بابت پوچھا گیا ہے، مثلاً ذہن کے افعال کیسے وجود میں آئے ؟ اگر انسان کیمیائی ذرات کے مزاج میں واقعہ ہونے والی ایک فطری کروٹ کے ذریعے ارتقاء ہوا ہے تو اس میں غور و فکر کا مادہ کہاں سے آیا؟ اس کو اتنا مضبوط حافظہ کیونکر میسر آیا؟ اسے پیش بینی کی اہلیت کا شرف کیسے حاصل ہو گیا؟ الفاظ اور تحریر سے مطلب اخذ کرنے کی صلاحیت صرف انسان میں کیوں پیدا ہوئی ؟ آج قدیم حیاتیات کی 99 فی صد نسلیں (Species) معدوم ہو چکی ہیں۔ وہ کیا اسباب تھے جو جینیاتی عدم تحفظ کا باعث بنے اور کیا انسان بھی ان اسباب کا شکار ہو کر اپنا وجود کھو سکتا ہے ؟ کیا وبائیں اور زمین کا درجہ حرارت بڑھنے کے واقعات انسانی نسل کشی کر سکتے ہیں۔ کیا کسی دمدار ستارے یا شہاب ثاقب کے ٹکراو سے انسانی نسل کو خطرہ نہیں جیسا کہ آج سے تقریباً دس کڑور سال پہلے ڈائنوسار کی نسل کے خاتمے کے سلسلے میں ہوا۔

دنیا میں بین الاقوامی رابطوں کے جدید اطلاعاتی ٹیکنالوجی (Information Technology) کے ذریعے جو انقلاب رونما ہوا ہے اور علم اور معلومات کا ایک سمندر رہے تو کیا اس معلومات کے سیلاب کے باوجود سائنس اس بنیادی سوالات کے جوابات دے سکے گی (جو کہ سائنس سے زیادہ فلسفہ سائنس یا خالص فلسفہ سے متعلق ہیں) کہ کائنات جو ایک بڑی منظم مشین کی طرح ہے کیا وہ کسی خاص نظام کے تحت چل رہی ہے یا محض ایک حادثے کی پیداوار ہے اور اس کائنات کی ابتداء کیا ہے اور انتہا کیا ہو گی۔ اسی طرح حیات کی ابتداء کیسے ہوئی اور اس کی انتہا کیا ہو گی۔ حیات اور غیر حیات یعنی جاندار اور غیر جاندار میں حد

---

[1] جے ڈی برنال: سائنس تاریخ کے آئینے میں ص 202-195۔

فاصل کیاہے، غیر نامیاتی مادہ(Inorganic Matter) کس لمحے ایک نامیاتی عنصر میں تبدیل ہو کر خود مختار شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہ آج سے لاکھوں سال پہلے کیسے ہوااور آج کل کیسے ہو رہا ہے۔[1] یہ وہ تمام سوالات ہے جن کا تعلق اگرچہ فلسفہ سائنس، خالص فلسفہ یافلسفہ مذہب سے تعلق ہےاور یہ وہ سوالات ہے جن کا جدید سائنس کے پاس اطمینان بخش جواب نہیں ہے تاہم سائنس کی پیش رفت کا سفر جاری ہے اور ایسے سوالات جنم لیتے رہے گے اور ان کے جواب تلاش کرنے کی انسانی کوششیں بھی جاری رہے گی۔قرآن حکیم کا بھی یہ اعجاز ہے کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ ہر دور میں انسان کے ذہن میں جنم لینے والے سوالات کا جواب بھی دیتا رہاہے اور بالواسطہ اور بلا واسطہ انسانی اذہان و قلوب پر آفاقی بصیرتوں کے دروازے کھولتا رہاہے۔ زیر نظر کورس میں انہی سوالات کے جوابات کو انسانی علم، عقل، شعور اور غور وفکر سے اسلام کی روشنی میں تلاش کرنے کی ایک ابتدائی کوشش ہے۔

یورپین دوراور دور جدید کی علمی، تحقیقی اور سائنسی ترقی اپنی جگہ بہت اہم ہیں، لیکن قدیم اور جدید ادوار میں مذہب اور سائنس کے تعلق کی نوعیت مختلف رہی ہے۔ جس کا آئندہ صفحات میں سائنس اور مذہب کے آپس میں باہمی تعامل کے تحت تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔

2.2 : مذہب اور سائنس کا تعلق

موجودہ دور سائنسی علوم کی معراج کا دور ہے۔ سائنس کو بجا طور پر عصری علم (Contemporary Knowledge) سے تعبیر کیاجاتا ہے لہذا دور حاضر میں دین کی صحیح اور نتیجہ خیز اشاعت کا کام جدید سائنسی بنیادوں پر ہی بہتر طور پر سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ بنا بریں اس دور میں اس امر کی ضرورت گزشتہ صدیوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے کہ مسلم معاشروں میں جدید سائنسی علوم کی ترویج کو فروغ

---

[1]Article A .I Oparin: Origin of Life, Dover publications, New York, 1953, Pp 149-153

دیا جائے اور دینی تعلیم کو سائنسی تعلیم سے مربوط کرتے ہوئے حقانیت اسلام کا بول بالا کیا جائے چنانچہ دورِ حاضر کے مسلمان طالب علم کے لیے مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھنا لازمی ہے۔

مذہب "خالق" سے بحث کرتا ہے اور سائنس اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ "خلق" سے۔ دوسرے لفظوں میں سائنس کا موضوع "خلق" اور مذہب کا موضوع "خالق" ہے۔ یہ ایک قرین فہم ودانش حقیقت ہے کہ اگر مخلوق پر تدبر و تفکر اور سوچ بچار مثبت اور درست انداز میں کی جائے تو اس مثبت تحقیق کے کمال کو پہنچنے پر لا محالہ انسان کو خالق کی معرفت نصیب ہو گی اور وہ بے اختیار پکار اٹھے گا:

{رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا}[1]

"اے ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا"۔

بندہ مومن کو سائنسی علوم کی ترغیب کے ضمن میں اللہ رب العزت نے کلام مجید میں ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

{سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ}[2]

"ہم عنقریب انہیں کائنات میں اور ان کے اپنے (وجود کے) اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ وہ جان لیں گے کہ وہی حق ہے"۔

اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم انسان کو اس کے وجود کے اندر موجود داخلی نشانیاں بھی دکھادیں گے اور کائنات میں جابجا بکھری خارجی نشانیاں بھی دکھادیں گے جنھیں دیکھ لینے کے بعد بندہ خود بخود بے تاب ہو کر پکار اٹھے گا کہ حق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

---

[1][آل عمران:191]

[2][فصلت:53]

ہمارے دور کا یہ المیہ ہے کہ مذہب اور سائنس دانوں کی سیادت و سربراہی ایک دوسرے سے ناآشنا افراد کے ہاتھوں میں ہے چنانچہ دونوں گروہ اپنے مدمقابل دوسرے علم سے دوری کے باعث اسے اپنا مخالف اور متضاد تصور کرنے لگے ہیں جس سے عوام الناس کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے مذہب اور سائنس میں تضاد اور مخالف سمجھنے لگتے ہیں جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

مغربی تحقیقات بھی اس امر کا مسلمہ طور پر اقرار کر چکی ہیں کہ جدید سائنس کی تمام ترقی کا انحصار قرون وسطیٰ کے مسلمان سائنس دانوں کی فراہم کردہ بنیادوں پر ہے۔ مسلمان سائنس دانوں کو سائنسی نہج پر کام کی ترغیب قرآن وسنت کی ان تعلیمات نے دی تھی جو کتاب الٰہی میں مذکور ہیں۔اسی منشائے ربانی کی تکمیل میں مسلم سائنس دانوں نے ہر شعبہ علم کو ترقی دی اور آج اغیار کے ہاتھوں وہ علوم اپنے نکتہ کمال کو پہنچ چکے ہیں۔ شومیٔ قسمت کہ جن سائنسی علوم وفنون کی تشکیل اور ان کے فروغ کا حکم قرآن وحدیث میں جابجا موجود ہے اور جن کی امامت کا فریضہ ایک ہزار برس تک خود بغداد، دمشق، اسکندریہ اور اندلس کے مسلمان سائنس دان انجام دیتے چلے آئے ہیں۔ آج قرآن وسنت کے نام لیوا طبقِ ارضی پر بکھرے سوا ارب سے زائد مسلمانوں میں سے ایک بڑی تعداد اسے اسلام سے جدا سمجھ کر اپنی تجدد پسندی کا ثبوت دیتے نہیں شرماتی۔ سائنسی علوم کا وہ پودا جسے ہمارے ہی اجداد نے قرآنی علوم کی روشنی میں پروان چڑھایا تھا آج اغیار اس کے پھل سے محظوظ ہو رہے ہیں اور ہم اپنی اصل تعلیمات سے روگرداں ہو کر دیارِ مغرب سے ان ہی علوم کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

آج ایک طبقہ اگر اسلام سے اس حد تک روگرداں ہے تو دوسرا "مذہبی طبقہ "سائنسی علوم کو اجنبی نظریات کی پیداوار قرار دے کر ان کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ مذہبی وسائنسی علوم میں مغایرت کا یہ تصور قوم کو دو واضح حصوں میں تقسیم کر چکا ہے۔ نسل نو اپنے اجداد کے سائنسی کارہائے نمایاں کی پیروی کرنے یا کم از کم ان پر فخر کرنے کی بجائے زوال ومسکنت کے باعث اپنے علمی، تاریخی اور سائنسی ورثے سے اس قدر لاتعلق ہو گئی ہے کہ خود انہی کو اسلام اور سائنس میں عدم مغایرت پر قائل کرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔

2.3 : مذہب اور سائنس میں عدم تضاد

سائنس اور اسلام میں تضاد کیونکر ممکن ہے جب کہ اسلام خود سائنس کی ترغیب دے رہا ہے۔ بنا بریں اسلامی علوم کل ہیں اور سائنسی علوم محض ایک جُزو۔ جُزو اور کل میں مغایرت اور تضاد (Conflict) ناممکن ہے۔ مذہب اور سائنس پر اپنی اپنی سطح پر تحقیقات کرنے والے دنیا بھر کے محققین کے لیے یہ ایک عالمگیر چیلنج ہے کہ مذہب اور سائنس میں کوئی تضاد نہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مذہب اور سائنس میں تضاد ہے تو اس کے ساتھ دو میں سے یقیناً ایک بات ہو گی۔ ایک امکان تو یہ ہے کہ جس نکتے پر اسے تضاد نظر آ رہا ہو مطالعہ میں کمی کے باعث وہ نکتہ اس پر صحیح طور پر واضح نہ ہو سکا ہو۔ اگر کسی معاملے کو صحیح طور پر ہر پہلو سے جانچ پرکھ کر سمجھ لیا جائے تو بندہ از خود یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مذہب اور سائنس میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ اسلام کی رو سے کائنات میں غور و فکر (سائنس) دین مبین کا حصہ ہے کیونکہ قرآن حکیم کا بنیادی مقصد بھی تو یہی ہے کہ اپنی آیاتِ کتاب اور آیاتِ آفاق و انفس کے ذریعے رب العالمین کی بنائی ہوئی وسیع و عریض کائنات میں غور و فکر اور تفکر و تعقل ہو تا کہ انسان اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ تمام سلسلہ کون و مکاں ایک حادثہ کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک علیم و خبیر ہستی کے منصوبہ اور ڈیزائن کا نتیجہ ہے اور اس کائنات کے بعد ایک اور کائنات کی ابتداء بھی اصل میں خدائی منصوبے کا ایک حصہ ہے۔

ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ سائنس کا دائرہ کار مشاہداتی اور تجرباتی علوم پر منحصر ہے جب کہ مذہب اخلاقی و روحانی اور مابعد الطبیعاتی امور سے متعلق ہے۔ اب ہم مذہب اور سائنس میں عدم تضاد کے حوالے سے تین اہم دلائل ذکر کرتے ہیں۔

1۔ بنیاد میں فرق

مذہب اور سائنس میں عدم تضاد کی بڑی اہم وجہ یہ ہے کہ دونوں کی بنیادیں ہی جدا جدا ہیں۔ در حقیقت سائنس کا موضوع اضافی (Relative) "علم" ہے جب کہ مذہب کا موضوع قطعی (Absolute) علم "ایمان" ہے۔ علم اضافی میں طریق تحقیق (Research Metodology) کے اختلافات کے باعث

اس میں غلطی کا امکان پایا جاتا ہے بلکہ سائنس کی تمام پیش رفت ہی اقدام وخطا(Trial and Error) کی طویل جدوجہد سے عبارت ہے جب کہ دوسری طرف ایمان کی بنیاد ظن کی بجائے یقین پر ہے اسی لیے اس میں خطا کا کوئی امکان موجود نہیں۔

ایمان کے بارہ میں سورۃ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے:

{الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ}(1)

"جو غیب پر ایمان لاتے ہیں"۔

گویا ایمان جو کہ مذہب کی بنیاد ہے، مشاہدے اور تجربے کی بنا پر نہیں بلکہ وہ بغیر مشاہدہ کے نصیب ہوتا ہے۔ ایمان ہے ہی ان حقائق کو قبول کرنے کا نام جو مشاہدے میں نہیں آتے اور پردہ غیب میں رہتے ہیں۔ وہ ہمیں اپنے خود ساختہ ذرائع علم سے معلوم نہیں ہو سکتے بلکہ انہیں مشاہدے اور تجربے کے بغیر محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے مانا جاتا ہے اور مذہب کی بنیاد ان حقائق پر ہے۔ اس کے مقابلے میں جو چیزیں ہمیں نظر آرہی ہیں جن کے بارے میں حقائق ومشاہدات آئے روز ہمارے تجربے میں آتے رہتے ہیں ان حقائق کا علم سائنس کہلاتا ہے چنانچہ سائنس انسانی استعداد سے تشکیل پانے والا علم (Human Acquired Wisdom) ہے جب کہ مذہب خدا کی طرف سے عطا کردہ علم ہے اسی لیے سائنس کا سارا علم امکانات پر مبنی ہے جب کہ مذہب میں کوئی امکانات نہیں بلکہ وہ سراسر قطعیات(Certanities) پر مبنی ہے۔ مذہب کے تمام حقائق وثوق اور حتمیت(Certainty and Finality) پر مبنی ہیں یعنی مذہب کی ہر بات حتمی اور امر واجب ہے جب کہ سائنس کی بنیاد اور نکتہ آغاز ہی مفروضوں پر مبنی ہے۔ اسی لیے سائنس میں درجۂ امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مفروضہ، مشاہدہ اور تجربہ کے مختلف مراحل میں سے گزر کر کوئی چیز قانون بنتی ہے اور تب جا کر اس کا علم حقیقت کے زمرے میں آتا ہے۔ سائنسی تحقیق کی جملہ پیش رفت میں حقیقی

---

[1] [البقرۃ:3]

صورت حال یہ ہے کہ جن حقائق کو ہم بار ہا اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد سائنسی قوانین قرار دیتے ہیں ان میں بھی اکثر ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس بہت بڑے فرق کی بنیاد پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ کا امکان ہی خارج از بحث ہے۔

2۔دائرہ کار میں فرق

مذہب اور سائنس میں کسی قسم کے تضاد کے نہ پائے جانے کا دوسرا بڑا سبب دونوں کے دائرہ کار کا مختلف ہونا ہے۔ جس کے باعث دونوں میں تصادم اور ٹکراؤ کا کوئی امکان کبھی پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک ہی سڑک پر چلنے والی دو کاریں آمنے سامنے آ رہی ہوں تو وہ آپس میں ٹکرا سکتی ہیں، اسی طرح عین ممکن ہے کہ سٹیشن ماسٹر کی غلطی سے دو ریل گاڑیاں آپس میں ٹکرا جائیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ کار اور ہوائی جہاز یا کار اور بحری جہاز آپس میں ٹکرا جائیں۔ ایسا اس لیے ممکن نہیں کہ دونوں کے سفر کے راستے الگ الگ ہیں۔ کار نے سڑک پر چلنا ہے، بحری جہاز نے سمندر میں اور ہوائی جہاز نے ہوا میں۔ جس طرح سڑک اور سمندر میں چلنے والی سواریاں کبھی آپس میں ٹکرا نہیں سکتیں اسی طرح مذہب اور سائنس میں بھی کسی قسم کا ٹکراؤ ممکن نہیں کیونکہ سائنس کا تعلق طبیعاتی کائنات سے ہے جب کہ مذہب کا تعلق ما بعد الطبیعات سے ہے۔ اس بات کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ سائنس فطرت سے بحث کرتی ہے جب کہ مذہب کی بحث ما فوق الفطرت دنیا سے ہے۔ لٰہذا ان دونوں میں سکوپ کے اختلاف کی بنا پر ان میں کسی صورت بھی تضاد ممکن نہیں ہے۔

3۔اقدام و خطا کا فرق

اس ضمن میں تیسری دلیل بھی نہایت اہم ہے اور وہ یہ کہ خالق کائنات نے اس کائنات ہست و بود میں کئی نظام بنائے ہیں جو اپنے اپنے طور پر اپنی خصوصیات کے ساتھ رواں دواں ہیں۔ مثلاً انسانی کائنات، حیوانی کائنات، جماداتی کائنات، نباتاتی کائنات، ماحولیاتی کائنات، فضائی کائنات اور آسمانی کائنات وغیرہ۔ ان تمام نظاموں

کے بارے میں ممکن الحصول حقائق جمع کرنا سائنس کا مطمح نظر ہے۔ دوسری طرف مذہب یہ بتاتا ہے کہ ساری اشیاء اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ چنانچہ سائنس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اللہ رب العزت کے پیدا کردہ عوالم اور ان کے اندر جاری و ساری عوامل کا بنظرِ غائر مطالعہ کرے اور کائنات میں پوشیدہ مختلف سائنسی حقائق کو بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے سامنے لائے۔

اللہ رب العزت کی تخلیق کردہ اس کائنات میں غور و فکر کے دوران ایک سائنسدان کو بارہا اقدام و خطا کی حالت سے گزرنا پڑتا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی تحقیق سے کسی چیز کو سائنسی اصطلاح میں "حقیقت "کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مگر مزید تحقیق سے پہلی تحقیق میں واقع خطا ظاہر ہونے پر اسے رد کرتے ہوئے نئی تحقیق کو ایک وقت تک کے لیے حتمی قرار دے دیا جاتا ہے۔ سائنسی طریق کار میں اگرچہ ایک "مفروضے "کو مسلمہ " نظریئے "تک کا درجہ دے دیا جاتا ہے تاہم سائنسی طریق تحقیق میں کسی نظریئے کو بھی ہمیشہ کے لیے حقیقت کی حتمی شکل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ سائنس کی دنیا میں کوئی نظریہ جامد اور مطلق نہیں ہوتا، ممکنہ تبدیلیوں کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نئے تجربات کی روشنی میں صدیوں سے مسلمہ کسی نظریئے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا جائے۔

مذہب اقدام و خطاء سے مکمل طور پر آزاد ہے کیونکہ اس کا تعلق اللہ رب العزت کے عطا کردہ علم سے ہوتا ہے جو حتمی، قطعی اور غیر متبدل ہے اور اس میں خطاء کا کوئی امکان نہیں ہوتا جب کہ سائنسی علوم کی تمام تر تحقیقات اقدام و خطاء کے اصول کے مطابق جاری ہیں۔ ایک وقت تک جو اشیاء حقائق کا درجہ رکھتی ہیں موجودہ سائنس انہیں کلی طور پر باطل قرار دے کر نئے حقائق منظر عام پر لا رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حقائق تک پہنچنے کی اس کوشش میں بعض اوقات سائنس غلطی کا شکار بھی ہو جاتی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سائنس کی بنیاد ہی سعی اور خطاء پر ہے جو مختلف مشاہدات اور تجربات کے ذریعے حقائق تک رسائی کی کوشش کرتی ہے۔

مذہب مابعد الطبیعاتی حقائق کے ساتھ ہمیں اس مادی کائنات سے متعلق بھی بہت سی معلومات فراہم کرتا ہے جن کی روشنی میں ہم سائنسی علوم کے تحت اس کائنات کو اپنے لیے بہتر استعمال میں لا سکتے ہیں۔ قرآن

مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا}[1]

"اور اس (اللہ) نے سماوی کائنات اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے"۔

جہاں تک مذہب کا معاملہ تھا اس نے تو ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ زمین و آسمان میں جتنی کائنات بکھری ہوئی ہے سب انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ سائنسی علوم کی بدولت کائنات کی ہر شے کو انسانی فلاح کے نکتہ نظر سے اپنے لیے بہتر سے بہتر استعمال میں لائے۔ اسی طرح ایک طرف ہمیں مذہب یہ بتاتا ہے کہ جملہ مخلوقات کی خلقت پانی سے عمل میں آئی ہے تو سائنس و ٹیکنالوجی کی ذمہ یہ رہنمائی کرنا ہے کہ بنی نوع انسان کو پانی سے کس قدر فوائد بہم پہنچائے جا سکتے ہیں اور اس کا طریق کار کیا ہو۔ چنانچہ اس ساری بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سائنس اور مذہب کہیں بھی اور کسی درجے میں بھی ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہیں۔

2.4: مغالطے کے اسباب

مذہب اور سائنس میں حقیقتاً کوئی تضاد موجود نہیں ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عام ذہن میں ایسی غلط فہمی کیوں پائی جاتی ہے اور اس مغالطے کے اسباب و عوامل کیا ہیں؟ اگرچہ اس مغالطے کے اسباب بہت سے ہیں لیکن بنیادی طور پر دو اہم اسباب ایسے ہیں جن پر ہم سر دست خاص طور پر توجہ دینا چاہیں گے۔ ان میں سے ایک کا تعلق یورپ سے ہے اور دوسرے کا عالم اسلام سے ہے۔

پہلا سبب: سولہویں صدی کے کلیسائی مظالم اور غلط رویہ

عالم مغرب میں یہ مغالطہ اس دور میں پیدا ہوا جب براعظم یورپ عیسائی پادریوں کے تسلط میں جہالت

---

[1] [الجاثیۃ:13]

کے گہرے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جاہل پادری عیسوی مذہب اور بائبل کی اصل اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے من گھڑت عیسائیت کو فروغ دینے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ بائبل میں تحریف کی وجہ سے عقائد اوہام میں اور عبادات رسوم میں بدل چکی تھیں اور معاشرہ کفر و شرک کی اندھی دلدل میں دھنستا ہی چلا جارہا تھا۔ عیسائی مذہب ک ی بنیادی تعلیمات جو حضرت عیسی علیہ السلام نے آج سے دو ہزار برس قبل دی تھیں انہیں بدل کر توحید کی جگہ تثلیث کا عقیدہ گھڑ لیا گیا جو ایک انتہائی نامعقول تصور تھا اور اسے آج خود عیسائی سکالر اور فلاسفر بھی رد کر رہے ہیں ۔

اس تحریف کے بعد سب سے بڑا فتنہ یہ پیدا ہوا کہ یونانی فلسفہ بائبل کا حصہ بن گیا جسے دین عیسوی کے ماننے والے رفتہ رفتہ اپنا مستقل عقیدہ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ عقیدہ دراصل ان کا نہ تھا بلکہ وہ محض یونانی فلسفے کے غلط تصورات تھے جو پادریوں کے ذریعے بائبل میں ڈال دیئے گئے تھے۔ اب اس تحریف کی وجہ سے بائبل میں یونانی فلسفے پر مبنی بے شمار سائنسی اغلاط در آئیں۔

سولہویں اور سترہویں صدی میں جب سائنس نے ان غلط نظریات کو تحقیق کی روشنی میں جھٹلایا تو اس وقت کے پادری یہ سمجھے کہ سائنس دان مذہب کو سائنس کے ذریعے رد کر رہے ہیں چنانچہ وہ سائنس دانوں اور سائنسی علوم کے خلاف کفر کے فتوے دینے لگے۔ پہلے پہل نظامی شمسی اور حرکت زمین کے بارے میں نئے سائنسی تصورات کا یہ نتیجہ نکلا کہ پادریوں نے تکفیر کے فتوے دیئے۔ گیلیلیو نے جب 1609ء میں دوربین ایجاد کی اور اس کی مدد سے نظام شمسی کی بابت اپنی تحقیقات دنیا کے سامنے پیش کیں تو پادریوں نے اسے اس جرم کی پاداش میں سزائے قید سنائی اور وہ دوران قید ہی مر گیا۔ علیٰ ہذاالقیاس متعدد سائنس دانوں کو مذہب کے نام پر متعصب ظالمانہ قوانین کے شکنجے میں کستے ہوئے انھیں اپنے سائنسی نظریات واپس لینے پر مجبور کیا گیا یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود سائنس کا کارواں مسلسل آگے بڑھتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس جاہلانہ معاشرے میں مذہب اور سائنس کے درمیان ایک گھمبیر جنگ چھڑ گئی (اور یہاں سے لوگ سمجھنے لگے کہ مذہب اور

سائنس ایک دوسرے کے متضاد ہیں)۔ لیکن قانون قدرت کے مطابق سائنسی حقیقتوں کو بالآخر فتح نصیب ہوئی اور مسخ شدہ عیسائیت اپنا سر پیٹ کر رہ گئی۔

سائنس کے غلبے کا دور آیا تو رد عمل (Reaction) کے طور پر سائنس دانوں نے بچے کھچے عیسائی مذہب اور مسخ شدہ بائبل کے خلاف بدلے کے طور پر ایک مہم چلائی جس کے تحت ایک بڑی تعداد میں کتابیں اور مضامین شائع کیے گئے۔ باقاعدہ علمی معرکے بپا ہوئے جن کے دوران عیسائی پادریوں کی کونسل کے اجلاس بھی ہوتے رہے جن وہ عیسائیت کے دفاع کی کوشش کرتے۔ چند سال بیشتر پوپ آف روم نے بعض اہل کلیسا کی طرف سے دیئے گئے کائنات کے متعلق غیر سائنسی اور جاہلانہ فتاویٰ کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا ہے اور اس پر معذرت بھی کی۔

عیسائیت کی شکست کے بعد اگرچہ یہ جنگ اب ختم ہو چکی ہے تاہم جدید ذہن اسلام سمیت دیگر تمام ادیان کو بھی عیسائیت کے پردے میں دیکھ رہا ہے اور انہیں بھی سائنسی تحقیقات پر پہرے بٹھانے والے اور باطل ادیان سمجھ رہا ہے حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ مذہب اور سائنس میں مغایرت اور تضاد کی بحث کبھی بھی اسلام کی بحث نہ تھی۔ یہ عیسائیت کے مسخ شدہ مذہب اور سائنس کی جنگ تھی۔ بدقسمتی سے ہمارے نوجوانوں نے سائنسی علوم کی ابتداء اور پیش رفت کے بارے میں جاننے کے لیے عالم اسلام کی زریں تاریخ کا مطالعہ کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ انہوں نے اندلس، بغداد، دمشق اور نیشا پور کی اسلامی سائنسی ترقی کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ آج بھی ہالینڈ کی لیڈن یونیورسٹی لائبریری کے ایشین سیکشن میں مسلم سائنس دانوں کی لکھی ہوئی صدیوں پرانی کتابیں موجود ہیں جو ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہیں کہ جب یورپ جہالت کی اتھاہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا اس وقت دنیائے اسلام میں سائنسی تحقیقات کی بدولت علم و حکمت اور فکر و دانش کا سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ قرون وسطیٰ میں اسلامی سائنس کے عروج کے دور میں سائنسی علوم پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں جن کی تعداد لاکھوں میں ہے چنانچہ مذہب اور سائنس کی یہ چپقلش اسلام کی پیدا کردہ نہیں بلکہ

یورپ کے دور جاہلیت کی پیداوار ہے اور ہماری نوجوان نسل کی یہ بد قسمتی ہے کہ انہوں نے آج تک اسلام کی تاریخ کو براہِ راست اپنے اسلامی ذرائع سے نہیں پڑھا اور فقط مغربی ذرائع علم پر ہی اکتفا کیا ہے۔ وہ اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ مذہب پر کی جانے والی تمام تنقیدیں اسلام کے خلاف نہیں بلکہ عیسائیت کی مسخ شدہ مذہبی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ مغربی سائنسدانوں کے سامنے تو اسلام کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں تھا لہٰذا کسی بھی سائنس دان کی طرف سے مذہب کے خلاف کی جانے والی تنقید کا ہدف اسلام نہیں۔ ایسی تنقید نام نہاد عیسائی مذہب کے مبنی بر جہالت و تعصب نظریات وعقائد کے خلاف متصور ہونی چاہیے۔ اسلام کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔

دوسرا سبب: علمائے اسلام کی سائنسی علوم میں عدم دلچسپی

دوسری اہم وجہ ہمارے علمائے کرام کے اذہان میں پایا جانے والا ایک غلط تصور ہے کہ ہمارے ہاں مدارس اسلامیہ کے نصاب "درس نظامی" میں صدیوں سے جو فلسفہ پڑھایا جا رہا ہے وہ اسلام سے ماخوذ ہے۔ یہ تصور ہی حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ وہ فلسفہ بنیادی طور پر اسلامی نہیں بلکہ یونانی فلسفہ ہے۔ ہمارے بعض علماء وہ کتابیں پڑھ کر یہ تمیز بھول گئے ہیں کہ وہ فلسفہ یونانی ہے قرآنی نہیں۔ اسی وجہ سے یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ بعض سائنسی تصورات ہمارے مذہب کے خلاف ہیں حالانکہ حقیقت اس سے یکسر مختلف ہے اور بدیہی طور پر اسلام اور سائنس میں کسی قسم کا کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں بلکہ یہ تضاد غلط سوچ اور حقائق سے لاعلمی کی پیداوار ہے۔ نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) کے خالق شہرہ آفاق سائنس دان آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ

> "Science without religion is lame and religion without science is blind".

"مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے"۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو مذہب اور سائنس دونوں کا نور عطا کرتا

ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسلام دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ دین ہے جو نہ صرف قدم قدم پر سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ چلتا نظر آتا ہے بلکہ تحقیق و جستجو کی راہوں میں سائنسی ذہن کی ہر مشکل میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔

واضح رہے کہ جو سائنسی تصورات اس وقت بنی نوع انسان کے سامنے آ چکے ہیں اور مستقبل کے تناظرات میں سائنس جس طرف بڑھ رہی ہے اس کے پیش کردہ بنیادی نظریات قرآن و حدیث کے تصورات کی تائید و تصدیق کرتے چلے جارہے ہیں۔ جوں جوں سائنس ترقی کر رہی ہے اسلام کی حقانیت ثابت ہوتی جارہی ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا اور مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ جدید سائنس کی ترقی سے مذہب کا نور مزید نکھرتا اور بکھرتا جارہا ہے اور ایک وقت آئے گا کہ جب سائنس اپنی تحقیقات کے نکتہ کمال کو پہنچے گی تو اللہ کے دین کا ہر ایمانی تصور سائنس کے ذریعے صحیح ثابت ہو جائے گا۔ قرآن مجید اور سائنس کا تقابلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس کے بے شمار نظریات قرآنی تصورات کو صد فی صد صحیح ثابت کرتے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب سائنس کلی طور پر دینی نظریات کی تائید و توثیق کرنے لگے گی۔[1]

خود آزمائی

سوال نمبر 1: سائنس کی تاریخ کے مختلف ادوار کو بیان کریں۔

سوال نمبر 2: حقیقی سائنس کی ابتدا مسلمانوں کے دور میں ہوئی، بحث کریں۔

سوال نمبر 3: کیا اسلام اور سائنس میں تضاد ہے؟ واضح کریں۔

سوال نمبر 4: مذہب اور سائنس میں تضاد کلیسا کی پیداوار ہے، ثابت کریں۔

سوال نمبر 5: اسلام کائنات میں غور و فکر کی تاکید کرتا ہے، دلائل سے واضح کریں۔

---

[1] یونٹ کے آخری حصہ کی تیاری میں کچھ تغیّر و تیسیر کے ساتھ استفادہ کیا گیا ہے ڈاکٹر طاہر القادری: اسلام اور جدید سائنس، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 2010، ص 71-57۔

سوال نمبر 6: مذہب اور سائنس میں مغالطہ کے اسباب پر بحث کریں۔

سوال نمبر 7: مذہب اور سائنس کا دائرہ کار بیان کریں۔

سوال نمبر 8: عصری سائنس قرآنی اصطلاح آفاق و انفس کے بارے میں تفصیل پر مشتمل ہے، بحث کریں۔

سوال نمبر 9: 19 ویں اور 20 ویں صدی عیسوی میں سائنس کے ارتقا پر نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر 10: سولہویں صدی کے کلیسائی مظالم اور غلط رویے کا انسانیت کو کیا نقصان ہوا؟ بحث کریں۔

یونٹ نمبر:03

سائنسی و تحقیقی جستجو کے اسلامی محرکات،

سائنسی نظریات اور اسلام کا نقطہ نظر

فہرست

یونٹ کا تعارف

سائنسی و تحقیقی جستجو کے اسلامی محرکات میں قرآن حکیم کی تعلیمات اور احادیث نبویہ سب سے اہم ہیں۔قرآن وحدیث میں تحقیق و جستجواور تعقل و تفکر کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔اس یونٹ میں ہم سائنسی و تحقیقی جستجو کے اسلامی محرکات پر تفصیلی بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ قرآن وحدیث اور ان کے زیر اثر ہمارے قدیم و جدید اسلامی دانشور قرآنی آیات اور آفاق و انفس میں غور و فکر کی اہمیت کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. سائنسی تحقیق و جستجو کے اسلامی محرّکات کی وضاحت کر سکیں۔
2. سائنسی تحقیق و جستجو کے اسلامی محرّکات میں قرآن حکیم کی اہمیّت بیان کر سکیں۔
3. سائنسی تحقیق و جستجو میں عقل کی اہمیّت اور مقام کو واضح کر سکیں۔
4. سائنس کی حدود(Limitations of Science) کی وضاحت کر سکیں۔
5. کائنات میں تعقّل و تفکّر اور تحقیق و جستجو کے بارے میں قرآنی آیات کو بیان کر سکیں۔

3.1- سائنسی و تحقیقی جستجو کے اسلامی محرکات

سائنسی و تحقیقی جستجو کے اسلامی محرکات میں سب سے اہم قرآن حکیم کی آیات بینات ہیں جن میں تحقیق و جستجواور تعقل و تفکر کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساری انسانیت کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ وہ تمام علوم کا بنیادی ماخذ و منبع ہی نہیں بلکہ ان کے حصول کی دعوت بھی دیتا ہے۔ ان علوم میں سے ایک علم کائنات اور اس کے اندر موجود اشیاء کا بھی ہے جس کو علوم الکون اور علم الاشیاء کہا جاتا ہے۔ جدید اصطلاح میں کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء اور مظاہر (Phenomena) کے مطالعہ کا نام سائنس ہے۔ قرآن حکیم اپنی آیاتِ بینات میں جہاں دوسرے علوم کی تحصیل کی دعوت دیتا ہے وہیں وہ کائنات اور اس کے اندر موجود مختلف اشیاء اور احوال کے مطالعہ اور غور و فکر کی پرزور ترغیب دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو صاحب عقل اور بصیرت (اولوالالباب) کہتا ہے جو زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں گویا قرآن اپنی کئی آیات میں مختلف انداز میں تحقیق و جستجو اور سائنس کے مطالعہ کی ترغیب و تشویق دیتا ہے۔ قرآن حکیم اپنی ایک ہزار سے زیادہ آیات میں کائنات اور اس میں موجود اشیاء اور مظاہر فطرت کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ قرآن حکیم جیسے اپنے تشریعی احکام کو آیات کہتا ہے ایسے ہی وہ کائنات اور اس کے اندر موجود تمام اشیاء و مظاہر کو آیات کہتا ہے۔ جیسے وہ اپنی شریعت کے احکام پر مشتمل آیات (تشریعی آیات) پر تدبر و تفکر کو مومنین کی صفت قرار دیتا ہے ایسے ہی وہ کائنات کے اندر پھیلی ہوئی تمام اشیاء اور مظاہر کو (تکوینی) آیات قرار دے کر ان میں غور و فکر کو صاحب عقل و بصیرت لوگوں کی بنیادی علامت قرار دیتا ہے اور ان دونوں قسم کی آیات کو اپنی نشانیاں قرار دے کر ان سے تذکیر و تنبیہ اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

قرآن حکیم کی اسی دعوت تفکر و تدبر کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے کائنات کے اندر پھیلی ہوئی نشانیوں (آیات) پر غور و فکر کو افضل ترین عبادت قرار دیا، خالق کائنات کی ذات میں غور و فکر سے منع کرتے ہوئے **تفکروا فی آیات اللہ ولاتتفکروا فی اللہ** کہہ کر اللہ تعالیٰ کی کائنات اور اس میں موجود تمام مخلوقات

میں غور وفکر کا نہ صرف حکم دیا بلکہ اس شخص کے لئے ہلاک ہونے کا کہا جو اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کائنات سے بغیر غور وفکر کے گزر جائے۔ آیاتِ کائنات پر غور وفکر اور تدبر و تعقل آپ ﷺ کے مبارک دور سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام بھی اسی تفکر وتدبر سے غافل نہیں رہے بلکہ علمی اور عملی دونوں طرح سے انہوں نے اس کائناتی صحیفہ کے مطالعے کو حرزِ جان بنائے رکھا، اس تفکر وتدبر کو ایمان کا نور اور بہترین عبادت قرار دیا اور ایک ساعت کے تفکر وتدبر کو پوری رات کے نفلی قیام سے افضل قرار دیا[1]۔

دنیا کی کسی آسمانی کتاب نے تحقیق و جستجو کے لئے عقل سے کام لینے پر اتنا زور نہیں دیا جتنا قرآن نے دیا ہے۔ قرآنِ مجید بار بار انسان کو تعقل و تفکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے اور متعدد آیات کے ذریعے

- اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ
- اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ
- اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ
- لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ
- لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ
- لِقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ

جیسے الفاظ استعمال کر کے اپنی آیات اور کائناتی آیات میں تعقل و تفکر کے لئے عقل کے استعمال پر اُبھارتا ہے اور اُن لوگوں پر حیرت کا اظہار کرتا ہے جو آیاتِ قرآنی پر غور وفکر نہیں کرتے اور اس کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

{أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا}[2]

کیا یہ لوگ قرآن پر غور وتدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

قرآن کی نظر میں مظاہرِ کائنات اور موجوداتِ عالم پر غور وفکر کرنا عقل مندوں کا کام ہے۔ قرآن نے توحید باللہ اور ایمانیات کے اثبات اور خالقِ کائنات کی حقیقی معرفت کے لئے بھی عقل کے استعمال پر بہت زور دیا

---

(1) مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، فرید بک ڈپو، نیو دہلی، ج 1، ص 266

(2) [محمد:24]

ہے تخلیق کائنات میں تفکّر وتدبّر والوں کو **اولوا لالباب** جیسے معزز القابات سے نوازا ہے۔[1] اسی طرح کی آیات اور عقلی استدلال کو دیکھ کر علامہ ابن رُشد نے کہا کہ ''پورا قرآن تدبر وعبرت پذیری کے طریقہ تدبر کے اشارات پر مشتمل ہے''[2]۔ احادیث رسول ﷺ میں بھی عقل کو بڑی نعمت کہا ہے اور عقل کی افضیلت کو ثابت کیا ہے۔ عبداللہ ابنِ عباس سے روایت ہے کہ وہ عائشہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ اُم المومنین ذرا بتایئے ایک شخص ہے جو شب بیداری کم اور آرام زیادہ کرتا ہے اور دوسرا شب بیداری زیادہ اور آرام کم کرتا ہے، آپ کو ان دونوں میں سے کون زیادہ پیارا ہے! جناب عائشہ نے فرمایا، جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے بالکل وہی سوال میں نے رسول ﷺ سے کیا تھا تو حضور ﷺ نے جواب دیا، ان دونوں میں جس کی عقل زیادہ ہو گی۔

(**فمن کان اعقل کان افضل فی الدنیا والآخرۃ**، اور وہی مجھے محبوب تر ہو گا جس کا فہم زیادہ ہو گا) میں (عائشہ) نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں تو ان دونوں کی عبادت کے بارے میں سوال کر رہی ہوں اور (حضور ﷺ جواب دے رہے ہیں عقل کے بارے میں) حضور ﷺ نے جواب دیا: اے عائشہ دونوں سے باز پرس تو عقل ہی کے بارے میں ہو گی پس جو زیادہ صاحبِ عقل ہو گا، وہی افضل ہو گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس ارشادِ نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ شب بیداری اور عبادت وریاضت کا مقصد محض چند کلمات وحرکات یا چند مراسم کو ادا کر لینا نہیں بلکہ اس کا مقصد عقل وشعور اور فقہ وبصیرت پیدا کرنا ہے۔

انما یُسئلان عن عقولھما [3] کے مقولہ میں بیان بڑا معنی خیز ہے یعنی باز پرس یہ نہ ہو گی کہ تم

---

(3) آل عمران: 190، اور مزید تفصیل ملاحظہ ہو پروفیسر عبد الماجد: اسلام اور سائنس، تصادم یا توثیق، HSSRD، مانسہرہ، ص 66-67

(4) فاطمہ اسماعیل مصری، ڈاکٹر، قرآن اور عقل، (مترجم: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی)، دارالتذکیر، اردو بازار، لاہور، 2003ء، ص 1

(3) مولانا جعفر شاہ پھلواڑی، تعقل وتدبر کے لئے قرآنِ حکیم کی تاکید، مرتب ڈاکٹر محمد میاں صدیقی۔ علوم القرآن، پروگریسو بکس لاہور بہ اشتراک ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، 1997ء، ص 207-208

نے کتنا تہجد پڑھا مگر یہ باز پرس ضرور ہو گی کہ اس تہجد اور شب زندہ داری سے اپنے اندر عقل و تفکر کی کتنی قوت و صلاحیت پیدا کی اور اس سے تمہاری سمجھ بوجھ میں کتنا اضافہ ہوا، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عبادات کے ذریعے اسلام لوگوں کو بے عقل نہیں بنانا چاہتا بلکہ بے انتہا ارتقاء پذیر عقل و دانائی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ کسی کے اسلام سے اس وقت تک خوش نہ ہو جب تک اس کی محکم عقل کو نہ جان لو گویا معاملہ محض عبادات تک محدود نہیں بلکہ پورے اسلام کا مقصد ہی عقل و دانش پیدا کرنا ہے اور کیوں نہ ہو اسلام تو سراپا عقل و حکمت ہے اور اپنے ماننے والوں کو بہرہ، گنگا، اندھا اور بے عقل نہیں بنانا چاہتا بلکہ عاقل و فرزانہ بنانا چاہتا ہے، ایسا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھے اور ہر بات عقل کے ترازو پر پوری اُترے۔ حضرت علی سے مروی ہے:

الا لا خیر فی قراۃ لیس فیھا تدبّر ولا عبادۃ لیس فیھا تفقّہ [1]

''یعنی سن لو کہ قرات میں تدبر اور جس عبادت میں تفقہ نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں''

یہ روایت حسن اتفاق سے اہلِ سنت اور اہلِ تشیع میں متفق علیہ ہے، اُصول کافی میں بھی تقریباً یہی الفاظ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا ''اس معاملہ کا سراغ کتاب و سنت میں نہ ملنے کی وجہ سے تمہارے دل میں خلجان پیدا ہو، وہاں عقل و فہم سے کام لو اور نظائر پر معاملات کو قیاس کرو''[2]۔

قرآنِ کریم نے مظاہرِ فطرت سے اسلامی عقائد پر شواہد پیش کئے ہیں اور انہیں ثابت کرنے کے لئے بے شمار عقلی دلیلیں دی ہیں۔ قرآن نے پہلے اس انداز سے استدلال کیا کہ دیکھو ہوائیں چلتی ہیں جو بادلوں کو ادھر سے

---

(1) سلیمان بن اشعث السجستانی: سنن ابوداود: کتاب الزھد، دار المشکاۃ للنشر والتوزیع، 1993 بیروت، ج 1، ص 115

(2) مولانا جعفر شاہ پھلواڑی، تعقل و تدبر کے لئے قرآنِ حکیم کی تاکید، مرتب ڈاکٹر محمد میاں صدیقی۔ علوم القرآن، ص 214

ادھر لے کر جاتی ہیں ار پھر پانی برستا ہے اور اس کی بدولت مردہ زمین زندہ ہو کر سبزہ زار بن جاتی ہے اور یہ سب کچھ اللہ کی قدرت و توفیق سے ہوتا ہے، اسی طرح اللہ مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ یہ آیات اس حقیقت کی ترجمان ہیں:

{ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذَلِكَ النُّشُورُ }[1]

اور اللہ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو، پس وہ ابھارتی ہے بادلوں کو، پھر ہم اس کو لے جاتے ہیں کسی خشک زمین کی طرف، پھر اس سے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرتے ہیں، اسی طرح لوگوں کا از سرِ نو زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔

{وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ}[2]

وہی ہے جو اپنے ابر رحمت سے پہلے ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادل کو اٹھا لیتی ہیں۔ ہم اس کو لے جاتے ہیں کسی بے آب و گیاہ زمین کی طرف اور وہاں پانی برساتے ہیں اور پھر ہم اس سے پیدا کرتے ہیں ہر قسم کے پھل۔ اسی طرح ہم مردوں کو اٹھا کر کھڑا کریں گے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔

قرآن کے اس اعلان پر منکرین قیامت و آخرت نے یہ اعتراض و شبہ پیدا کیا کہ جب ہم مر جائیں گے،

1[فاطر:9]

2[الأعراف:57]

ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جائیں گی تو یہ کیسے ممکن ہو گا کہ ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے۔ قرآن نے ان کے اس سوال کو ان الفاظ میں بیان کیا:

{قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ}[1]

اور کہتے ہیں کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک وہڈیاں بن جائیں گے تو پھر اٹھائے جائیں گے۔

{وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا}[2]

اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے اٹھائے جائیں گے۔

قرآن نے ان شکوک و شبہات کے ازالہ کے لئے ان کی عقل عامہ سے اپیل کی اور انہیں اس بات کی دعوت دی کہ وہ سوچیں اور جواب دیں کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں اولین وجود بخشا، وہ کچھ بھی نہیں تھے اور انہیں بہترین ساخت عطا کی اور ایک معمولی پانی سے انہیں لحیم و شحیم جسم والا انسان بنا دیا۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ موت کے بعد اسے پھر زندہ کرے یا اسے دوبارہ وجود بخشے؟ قرآن کی ان آیات میں اسی پہلو سے استدلال لیا گیا ہے:

{قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (78) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (79)}[3]

وہ کہتا ہے کہ کون ہے جو ہڈیوں کو زندگی بخشے گا جب کہ وہ گل کر خاک ہو چکی ہوں۔ کہہ دو ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسے ہر طرح کی تخلیق کا پورا علم ہے۔

1[المؤمنون:82]

2[الإسراء:49]

3[یس:78،79]

{وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا (66) أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (67)}[1]

اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا، کیا انسان اس پر نہیں دھیان دیتا کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا دراں حالیکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔

{وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ}[2]

وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے ااور وہی اس کا اعادہ فرمائے گا اور یہ اس کے لئے بہت ہی آسان ہے۔

عام طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ کسی نظریہ یا دعویٰ کے اثبات کے لئے تجربہ کی اہمیت سب سے پہلے سائنس نے واضح کی اور وہ کسی بھی چیز کی صحت و صداقت جانچنے کے لئے اسے بنیادی اہمیت دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ سائنس کے ظہور سے بہت پہلے قرآن کریم نے اپنے پیش کردہ حقائق و نظریات میں یقین پیدا کرنے کے لئے انسان کو تجربہ کی دعوت دی اور بعض اوقات خود تجربہ کرا کے دکھایا بھی۔ قرآن نے یہ طریقہ اثبات خاص طور سے اپنی باتوں پر قلبی اطمینان حاصل کرنے والوں یا ان کی قبولیت میں متردد رہنے والوں اور مسلسل انکار کرنے والوں کے لئے اختیار کیا۔ دوسرے قرآن میں جس تجربہ کا ذکر ہے اس کی نوعیت سائنسی تجربہ سے بالکل مختلف ہے۔ اس کا تعلق زیادہ تر مشاہداتی و عملی تجربہ سے ہے۔ یہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن کے برحق و منزل من اللہ ہونے کے سارے دلائل کے باوجود جو لوگ اس کا مسلسل انکار کر رہے تھے۔

{فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ}[3]

1[مریم:66،67]۔

2[الروم:27]

3[الإسراء:51]

وہ پوچھتے ہیں کہ کون پھر زندگی بخشے گا کہہ دو وہی اللہ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

{أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى (37) ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى (38) فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى (39) أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى (40)}[1]

کیا وہ ناپاک پانی کا ایک قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا جاتا ہے پھر وہ ایک لو تھڑا بنا اور (اللہ نے اس کا) پورا ڈھانچہ بنایا پھر اسے ہر اعتبار سے درست کیا، پھر اس کے دو جوڑے بنائے مرد اور عورت۔ کیا وہ (اللہ) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے۔

ظاہر ہے کہ عقل سلیم اس کا جواب یہی دے گی کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں اور یہ اس لئے کچھ مشکل نہیں۔ قرآن نے اسے دوٹوک انداز میں واضح بھی کر دیا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (38)[2]

کیا یہ لوگ کہتے ہیں اس نے اسے خود بنایا ہے، کہہ دو تم ایک ہی ایسی سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر تم کہتے ہو کہ یہ کتاب اس کی نازل کردہ نہیں بلکہ رسول یعنی انسان کی تیار کردہ ہے تو اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اپنے حمایتیوں کی بھی مدد لے لو اور اگر اتنا نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک ہی سورہ تیار کر کے دکھا دو۔

1[القیامۃ :37-40]

(2)القرآن، سورۃ یونس:38

اسی طرح (جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے) لوگوں کے ذہنوں میں توحید کا تصور جاگزیں کرنے اور اللہ کے ماسوا دوسروں کی عبادت کو بے عقلی و ناسمجھی قرار دینے کے لئے قرآن نے بت پرستوں سے یہ مطالبہ کیا کہ اچھا مشاہدہ کر لو اور تجربہ کر کے بتاؤ کہ یہ پتھر کی مورتیاں جن کی تم پوجا کرتے ہو تمہارے کچھ کام آسکتی ہیں، کیا یہ تمہیں کچھ نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتی ہیں، دوسروں کو چھوڑ دو یہ بھی تجربہ کرنے کی چیز ہے کہ یہ کیا کچھ اپنے کام آسکتی ہیں، کوئی انہیں نقصان پہنچائے تو کیا وہ اسے روک سکتی ہیں۔ مزید برآں آسمان و زمین اور دوسری چیزوں میں جو قدرتِ، کمالِ صناعی اور حسن کاریگری پنہاں ہے اسے واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بار بار دعوت دی ہے کہ وہ ان کا مشاہدہ کرے، ایک بار نہیں کئی بار وہ اپنی آنکھوں سے تجربہ کرے اس میں کہیں کوئی نقص، کوئی خرابی یا کوئی خلل نظر نہیں آئے گا۔ قرآن میں ایک جگہ آسمان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے انسانوں سے اس انداز میں خطاب فرمایا ہے کہ وہ آسمان پر نظر ڈالے اور بار بار ڈالے تو اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ اس میں ذرہ برابر کہیں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ہی کہیں کوئی شگاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ (2) الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ (3)} [1]

وہی ہے جس نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے۔ تم رحمان کی صنعت میں کوئی خلل نہیں پاؤ گے۔ تو نگاہ دوڑاؤ کیا تمہیں کوئی نقص نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ دوڑاؤ تو آخر کار تمہاری نگاہ ناکام تھک کر واپس آجائے گی۔

یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ دینی عقائد اور غیب کی باتوں کے اثبات کے لئے قرآن

1[الملک:2،3]

مشاہدہ کرانے یا تجربہ کرکے دکھانے کو ضروری نہیں سمجھتا اور نہ عام حالات میں اسے پسند کرتا ہے۔ لیکن قرآن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض مخصوص حالات میں اللہ تعالیٰ نے احیاء موتی یا بعث بعد الموت کے باب میں اطمینان قلب کے لئے تجربہ کرکے دکھایا ہے۔ مثال کے طور پر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اللہ مجھے دکھادیجئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے تو انہوں نے کہا ایمان ویقین تو رکھتا ہوں لیکن اطمینان قلب کے لئے یہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندے لے کر ان کو اپنے سے مانوس کرلو پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے الگ الگ پہاڑی پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دو۔ پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ قرآن کی متعلقہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

{وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَى وَلَكِن لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} [1]

اور (یاد کرو) جب کہ ابراہیم نے کہا۔ اے میرے رب مجھے دکھادے تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ فرمایا کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے۔ کہا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ فرمایا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے سے مانوس کر لو گ پھر ان کو (ٹکڑے ٹکڑے) کرکے ہر پہاڑی پر ان کا ایک حصہ رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

اسی طرح اسی سورۃ البقرۃ (آیت نمبر 259) میں اس سے قبل ایک شخص کا قصہ مذکور ہے کہ اس کا

1[البقرۃ:260]

گذر ایک تباہ حال بستی پر ہوا جو چھت کے بل گری ہوئی تھی اس کو تعجب ہوا کہ یہاں کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کیسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا مشاہدہ کرانا چاہا اور اس شخص کو وفات دے کر سو برس اسی حالت میں رکھا، اس کا ایک گدھا تھا وہ بھی اسی دوران مر کر سڑ گل گیا اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا البتہ اس شخص کا کھانا پانی اپنی اصل حالت میں برقرار رہا۔ سو برس بعد جب اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کیا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ بہ مشکل ایک دن یا اس کا کچھ حصہ موت کی حالت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو ابھی ہم اس گدھے کی ہڈیوں کے ڈھانچہ پر گوشت چڑھا دیتے ہیں اور اسے زندہ کر دیتے ہیں۔ اللہ کی قدرت سے ایسا ہی ظہور میں آیا۔ یہ دیکھ کر وہ شخص پکار اٹھا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قرآن کریم اپنے نظریات کی تائید اور دعووں کے اثرات کے اثبات کے لئے مختلف قسم کے دلائل و شواہد پیش کرتا ہے۔ اس سے قرآن کی نظر میں دلائل و شواہد کی اہمیت اچھی طرح آشکارا ہوتی ہے۔ اس پر مزید زور اس بات سے ملتا ہے کہ وہ اپنے منکرین، مخالفین اور معترضین سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے خیالات و مزعومات کی تائید میں دلائل و شواہد سامنے لائیں۔ قرآن کی متعدد آیات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ جو لوگ قرآن کا پیغام توحید قبول کرنے کے بجائے شرک پر جمے ہوئے تھے اور اسی کو صحیح سمجھتے تھے وہ ان سے ان الفاظ میں مخاطب ہوتا ہے:

{أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ} [1]

کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا رکھے ہیں ان سے کہو کہ اپنی دلیل لائیں

اسی طرح قرآن میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ذات جس نے تخلیق کی ابتدا کی اور دوبارہ اُسے عمل میں لائے گی اور جو تمہیں زمین و آسمان سے روزی بہم پہنچاتی ہے

1[الأنبياء:24]

اس کا شریک ٹھہرانا کہاں تک صحیح ہے اور اگر وہ ایسا گمان رکھتے ہیں تو اس کی دلیل لائیں۔

{أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ}[1]

(کیا تمہارے مزعومہ شفعاء لائق بندگی ہیں) یا وہ جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کرے گا اور تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ کہو کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو)۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی نگاہ میں عقلی استدلال کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ کسی بات کو سمجھنے و سمجھانے کے لئے وہ نہ صرف یہ کہ عقل کے استعمال کو روا سمجھتا ہے بلکہ وہ اس کی ترغیب دیتا ہے اور انسان کو بار بار اس کی دعوت دیتا ہے۔ درحقیقت وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس عطیہ خداوندی (عقل یا سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت) کے صحیح استعمال کا عادی بنائے۔ وہ اس کے لئے انسان سے اپیل بھی کرتا ہے۔ کبھی مظاہر فطرت و عجائبات قدرت میں غور و فکر پر ابھارتے ہوئے کبھی ماضی کے واقعات اور گذشتہ پیغمبروں کے زمانہ کے حالات سے نتائج اخذ کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے اور کبھی ایک سوال اٹھا کر اس کا جواب انسان سے طلب کرتے ہوئے اس کی عقل کو جھنجھوڑتے ہوئے لیکن خاص بات یہ ہے کہ ان تمام کاوشوں سے قرآن کا مقصود محض ذہنی مشق یا دماغ کی ایکسر سائز (Exercise) نہیں بلکہ اس کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کائنات میں غور کر کے صانع کی کارگری کے حسن و کمال کا اندازہ کرے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں پھیلی ہوئی اس کی قدرت کی نشانیوں پر نظر ڈالے، مختلف چیزوں کی تخلیق میں پوشیدہ اس کی حکمت و مصلحت کا ادراک کرے۔ حیوانات و نباتات کی نشو و نما اور ساخت و پرداخت کا مشاہدہ کر کے اللہ رب العالمین کی ربوبیت و پروردگاری کا کرشمہ دیکھے، زمین و آسمان، چاند و سورج، پہاڑ و سمندر اور رات و دن کے چلنے والے نظام

1[النمل:64]

میں تدبر و تفکر کرے اور اس کے توازن، تسلسل اور توافق میں دھیان دے اور پھر پکار اٹھے کہ بلاشبہ اللہ ہی انسان و کائنات کا خالق و مالک ہے وہی اس کے نظام کو چلانے والا ہے اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، وہی تمام مخلوقات کا پالنہار و پروردگار ہے، اس پاک و برتر ذات کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی ہمارا مولیٰ و ماویٰ ہے تو ہم اس کے در کو چھوڑ کر در در کی ٹھوکریں کیوں کھائیں۔ ہر ایرے غیرے کے سامنے اپنی جبین نیاز کیوں خم کریں اور ہر حجر و شجر کو اپنا معبود کیوں بنائیں۔

> عہد جدید کے ممتاز عرب اسکالر اور نامور فقیہ شیخ ابو زھرہ نے بجا فرمایا ہے: ''قرآن خود انسان کو کائنات میں غور کرنے اور اپنی فکر و نظر کو استعمال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام انسان کو اندھی تقلید اور لکیر کا فقیر بننے سے منع کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک اگر انسان اپنے تعصبات و تحفظات سے بالاتر ہو کر کائنات کی اشیاء اور اس کی حقیقت پر غور کرے گا تو وہ اس راستہ کو اپنانے کے لئے مجبور ہو گا جس کی طرف اسلام رہنمائی کرتا ہے۔''[1]

مسلمان علماء اور مفکرین کے ہاں سائنسی و تحقیقی جستجو کے لئے عقل کی کتنی اہمیت ہے، امام راغب اصفہانی کی عبارت کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔ اللہ کی مخلوق کی طرف دو رسول ہیں، ایک باطن کا رسول ہے اور وہ عقل ہے، دوسرا ظاہر کا رسول ہے اور وہ پیغمبر ہے۔ کوئی شخص رسولِ ظاہر سے اس وقت تک استفادہ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ رسول باطن سے استفادہ نہ کرے، رسول باطن ہی رسول ظاہر کے دعویٰ کی صحت و صداقت کو پرکھتا ہے اگر وہ نہ ہو تو ظاہر کے قول سے استدلال لازم نہ ٹھہرے۔ اس لئے جو لوگ اللہ کی وحدانیت اور نبوت کی صداقت میں شک کرتے ہیں اللہ نے ان کی عقل مار دی ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ ان امور کی صحت کے لئے عقل استعمال کریں۔ عقل قائد ہے اور دین مدد اور تعاون ہے اگر عقل نہ ہو دین باقی نہ رہے گا اور اگر دین نہ ہو تو

---

(1) ظفر الاسلام۔ قرآن کریم عقلی استدلال، قرآن اور سائنس، مشتاق بک کارنر لاہور، 2003، ص 96

عقل حیران و ششدر رہے گی اور ان دونوں کا اجتماعی نور علی نور (روشنی پر روشنی) ہوگا[(1)]۔

امام غزالی فرماتے ہیں'' جان لو کہ عقل شریعت کے بغیر ہدایت نہیں پاسکتی اور شرع عقل کے بغیر واضح نہیں ہوگی، عقل کی حیثیت بنیاد کی اور شرع کی حیثیت عمارت کی ہے، عمارت نہ ہو تو بنیاد کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے اور عمارت مستحکم نہیں ہوگی اگر بنیاد نہ ہو۔ یہ بات بھی ہے کہ عقل کی حیثیت نگاہ کی اور شرع کی حیثیت روشنی کی ہے، نگاہ بے سُود ہوگی اگر خارج سے روشنی نہ ہو اور روشنی بے کار ہوگی اگر نگاہ نہ ہو اس لئے اللہ نے فرمایا ہے:

{قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (15) يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ}[2]

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اُجالے کی طرف لاتا ہے۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ عقل کی حیثیت چراغ کی اور شریعت کی حیثیت اس کو طاقت دینے والے تیل کی ہے۔ تیل نہ ہو تو چراغ روشنی نہیں دے سکتا اور اگر چراغ نہ ہو تو تن تنہا تیل اس سلسلہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں اس بات کو بیان کیا ہے۔ شریعت خارج سے عقل ہے اور عقل داخل سے شریعت ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے معاون بلکہ باہم متحد ہیں۔ شریعت چونکہ خارج سے عقل کا نام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی متعدد آیات میں عقل سے کافروں کی محرومی کا تذکرہ کیا ہے:

---

(1)فاطمہ اسماعیل مصری، ڈاکٹر، قرآن اور عقل، (مترجم: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی)، دار التذکیر، اردو بازار، لاہور، ر2003ء، ص160

2[المائدۃ:15،16]

{صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ}[1]

یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں اس لئے کوئی بات ان کی عقل میں نہیں آتی۔

اور چونکہ عقل داخل سے شرع ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کی صفت یہ بیان کی ہے:

{فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ}[2]

قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی بالکل یہی راست اور درست دین ہے۔

اس آیت میں عقل اور فطرت کو قرآن نے دین سے تعبیر کیا ہے اور دونوں میں ہم آہنگی اور اتحاد کی وجہ سے نور علی نور قرار دیا ہے۔ {نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ}3

یعنی عقل و شریعت دونوں کی روشنی جمع ہو گئی۔ پھر اسی آیت میں آگے فرمایا کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے دونوں انوار کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے کیونکہ عقل غائب ہو جائے تو شریعت بے سود ہو جاتی ہے اور اسی طرح کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی جیسے نورِ بصارت سے محرومی کے بعد روشنی بے سود ہو جاتی ہے اور شریعت سے بے نیازی کے بعد عقل اکثر چیزوں تک رسائی میں اُسی طرح ناکام رہتی ہے جیسے نور کے فقدان سے آنکھ بے بس ہو جاتی ہے۔

ایک طویل حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

''اس کتاب کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے اور یہ بار بار پڑھنے کے باوجود پرانی نہیں ہو گی''(4)۔

1[البقرة:171]

2[الروم:30]

3[النور:35]

(4) جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضائل القرآن، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، جلد دوم، ص282-283

یہ ایک واضح بات ہے کہ جو کتاب پرانی ہو جاتی ہے اس کے معانی و مطالب بھی پرانے ہو جاتے ہیں، جس کتاب کے معانی و مطالب زندہ اور تر و تازہ ہوں وہی کتاب زندہ رہتی ہے۔ جو گلستاں زندہ و تابندہ ہو، جس کے گلہائے رنگ رنگ زندہ و تر و تازہ ہوں اسی گلستاں سے روزانہ نئے نئے گلدستے سج سج کر نکلتے ہیں اور قرآن تو وہ کتاب ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس کتاب کی حکمت تو ازل سے ابد تک جاری ہے اس لئے ہر نئی آنے والی صورتحال میں قرآنِ مجید کے احکام کو اس پر منطبق کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہر نئے سوال کا جواب دینے کے لئے قرآن مجید کی آیات کی تعبیر و تفسیر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جب تک عقلِ انسانی کام کرے گی نئے نئے سوالات و نکات اور افکار جنم لیں گے اور انسان کا فکری و علمی ارتقاء جاری رہے گا اس وقت تک قرآن انسانوں کی علمی و فکری راہنمائی کرتا رہے گا اور اس حوالے سے قرآن کبھی پرانا یا out- dated نہیں ہوگا۔ اور علامہ زرقانی کے مطابق قرآن نے کائنات کی نشانیوں کے بارے میں اظہارِ خیال کے لئے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ بہترین اسلوب ہے اس میں بیک وقت تفصیل بھی پائی جاتی ہے اور اجمال بھی، وہ ہر نسل اور قبیل کے انسانوں کو مخاطب کرتا ہے، ان کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ ہدایت اور اس کے دلائل واضح کرتا ہے اور جو کچھ بیان کرتا ہے لوگ اپنی صلاحیتوں، دستیاب وسائل اور علوم و فنون کے مطابق کم و بیش اس کی جزئیات و تفاصیل اور دقائق سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔[1]

تحقیق و جستجو اور تعقل و تفکر کے اسلامی محرکات میں قرآن حکیم اور اس کے معانی و مفاہیم کی اہمیت ابو حامد الغزالی، امام فخر الدین الرازی، علامہ سیوطی، امام زرکشی، علامہ ابوالفضل المرسی، علامہ ابنِ القیم، شیخ طاہر بن عاشور، علامہ طنطاوی وغیرہ کے ہاں مسلم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام غزالی کہتے ہیں کہ قرآن تمام علوم کا جامع ہے، فرماتے ہیں:

---

(1) عبدالتواب حامد، ڈاکٹر، قرآن کا سائنسی اعجاز، اسلامک بک فائونڈیشن نئی دہلی، 2011ء، ص24۔

''غور و فکر کرنے والے جن چیزوں کے سمجھنے میں دشواری محسوس کریں اور لوگ جن نظریات اور معقولات میں اختلاف کریں۔ ان کے سلسلہ میں قرآن میں رموز و اشارات موجود ہیں جنھیں صرف اہلِ دانش ہی سمجھ سکتے ہیں۔ قرآن تمام علوم کا جامع ہے اس کی تائید حضرت ابن مسعود کے اس قول سے ہوتی ہے: ''**من اراد علم الاوّلین و الآخرین فلیتدبّر القرآن**''(جو شخص پہلوں اور پچھلوں کے تمام علوم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے قرآن میں تدبّر کرنا چاہیے''۔[1]

اسی طرح امام غزالی اپنی کتاب ''الجواھر'' میں فرماتے ہیں:

''طب، نجوم، ہیّت، تشریح الاعضاء، سحر، طلسمات اور دوسرے علوم ان سب کی طرف اشارہ قرآن کی صرف اس آیت سے ملتا ہے۔ {**وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ**}[2] (اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے) اس سے اشارہ ملتا ہے اس علم کی طرف جس میں اسبابِ مرض اور وسائلِ شفا بیان کئے گئے ہوں۔ اسی طرح ارشاد باری {**الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ**}[3] (سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں) سے علم ہیئت (یعنی فلکیات) اور آسمان و زمین کی بناوٹ کی طرف اشارہ ملتا ہے''[4]۔

---

(1) الغزالی، ابو حامد محمد: احیاء علوم الدین ج 3 بحوالہ کارم سید غنیم: کائنات سے متعلق قرآنی آیات کی سائنسی تشریح، رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر، (مولف) اسلام، مسلمان اور سائنس، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، 2000، ص 67

2[الشعراء:80]

3[الرحمن:5]

4۔ کارم سید غنیم: کائنات سے متعلق قرآنی آیات کی سائنسی تشریح، ص 68-69

امام الرازی نے اپنی تفسیر میں ایسے لوگوں کے اعتراضات کے جواب دیئے ہیں جو علم ہیئت و نجوم کے حوالے سے قرآن پر تعقل و تفکر کی وجہ امام موصوف پر اعتراض کرتے ہیں۔ امام رازی لکھتے ہیں:

"کچھ جاہل اور احمق میرے پاس آکر کہتے ہیں کہ آپ نے کتاب اللہ کی تفسیر میں علم ہیئت و نجوم کا ذکر بہ کثرت کیا ہے اور یہ خلافِ عادت ہے[1]۔ اس کا جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر معترض اللہ کی کتاب کو بغور پڑھے تو اس پر خود اس اعتراض کی خرابی اور لغویت اچھی طرح واضح ہو جائے گی"[2]۔

پھر انہوں نے اس کا جواب کئی حیثیتوں سے دیا ہے، لکھتے ہیں:

1. اللہ تعالیٰ نے بار بار کے اعادہ و تکرار کے ساتھ اپنے علم، قدرت اور حکمت پر آسمان و زمین کے حالات، رات دن کے آمد و رفت، روشنی اور تاریکی کی کیفیت، چاند، سورج اور ستاروں کے حالات سے استدلال کیا ہے، اس لئے اگر ان حالات پر غور و فکر کرنا اور ان پر بحث کرنا جائز نہ ہوتا تو اپنی کتاب کو ان سے کیوں بھر دیتا۔
2. اللہ تعالیٰ نے غورِ و فکر کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

{أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ}[3]

یہ لوگ اپنے اوپر آسمان کو کیوں نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کو کیوں کر بنایا ہے اور ان کو کیوں کر سنوارا ہے اور ان کے اندر کوئی رخنہ نہیں۔

1۔ عبدالسلام ندوی، امام رازی، بک کارنر، جہلم، 2103ء، ص 191

2۔ ایضاً، ص:192

3۔ [ق:6]

علم ہئیت کے اس کے علاوہ اور کیا معنی ہیں کہ اللہ نے آسمانوں کو کیوں کر بنایا اور ہر ایک آسمان کو کیوں کر پیدا کیا۔

3. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[1]

آسمان زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے زیادہ عظیم الشان کام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تخلیق و ابداع کے عجائبات، اجرام سماویہ میں انسانوں کے اجسام سے زیادہ اور مکمل تر ہیں، لیکن اس کے ساتھ خدا نے اجسام انسانی میں غور و فکر کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے

{وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ}[2]

کہ تم خود اپنے اندر نہیں دیکھتے۔

اس بنا پر جو چیز از روئے استدلال اس سے اعلیٰ اور عظیم تر ہو گی، اس کے حالات پر غور کرنا اور اس کے عجائبات کا جاننا اور بھی زیادہ ضروری ہو گا۔

4. اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرنے والوں کے متعلق کہا ہے:

{وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا}[3]

اور آسمان اور زمین کی خلقت پر غور کرتے رہتے ہیں (ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ) خداوند تو نے

1۔[المومن:57]

2۔[الذاریات:21]

3۔[آل عمران:191]

یہ کارخانہ بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔

اگر غور واستدلال ممنوع ہوتا تو خدا ایسا کیوں کرتا؟

5. اگر کوئی شخص علوم عقلیہ ونقلیہ کے دقائق میں کوئی عمدہ اور بے نظیر کتاب لکھے تو اس کے شرف وفضیلت کے معترف دو قسم کے لوگ ہوں گے، ایک وہ لوگ ہوں گے جو اس پر اجمالی یقین کریں گے، تفصیلی طور پر اس کتاب کے دقائق و لطائف کا علم ان کو نہ ہوگا۔ دوسرے وہ لوگ ہوں گے جو ان دقائق و لطائف سے تفصیلی طور پر واقف ہوں گے۔ پہلے گروہ کا اعتقاد اگرچہ قوت و کمال کے انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہو گا لیکن دوسرے گروہ کا عقیدہ قوت و کمال میں اس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہو گا۔ اس کے علاوہ جس شخص کا علم اس کتاب کے دقائق و لطایف کے متعلق جس قدرت زیادہ ہو گا، اسی قدر اس کتاب کے مصنف کی عظمت و جلالت کے متعلق اس کا اعتقاد زیادہ کامل ہو گا۔ اس بنا پر جس شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ تمام عالم نو پیدا ہے اور ہر نو پیدا چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، اس کے نزدیک اس طریقہ سے خدا کا ثبوت ہو جائے گا اور وہ استدلال کرنے والوں کے زمرہ میں شامل ہو جائے گا، لیکن بعض لوگ اس درجہ کے ساتھ عالم علوی اور عالم سفلی کی بحث کو بھی تفصیل کے ساتھ شامل کر لیتے ہیں، اس لئے اس عالم کی ہر نوع میں ان کو خدا کی حکمت بالغہ اور اسرار عجیبہ کے مناظر نظر آتے ہیں اور یہ سب براہین متواترہ اور دلائل متوالیہ کے قائم مقام ہو جاتے ہیں، اس لئے وہ ہر لحظہ ایک برہان سے دوسرے برہان کی طرف اور ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور یقین کی تقویت اور شبہات کے ازالہ پر دلائل کی کثرت اور تواتر کا عظیم الشان اثر پڑتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اس کتاب کو ان ہی فوائد واسرار کے لئے نازل کیا ہے، نحو کے عجیب و غریب مسائل، لفظی اشتقاقات کے غیر مفید مباحث اور بے ہودہ قصص و حکایات کے لئے نازل نہیں کیا ہے۔[1]

1۔ عبدالسلام ندوی، امام رازی، ص192۔193

علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے کہ ابوالفضل المرسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے ''قرآن میں اولین وآخرین کے علوم جمع ہے۔ان کا علم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو تھا، پھر اس نے اپنے رسول کو ان سے باخبر کیا (سوائے کچھ چیزوں کے جن کا علم اس نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے) پھر ان سے کبارِ صحابہ مثلاً خلفائے اربعہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس وغیرہ نے اخذ کیا، پھر ان سے تابعین نے اخذ کیا، اس کے بعد ہمتیں پست ہو گئیں، عزائم میں فتور آگیا، اہل علم ان علوم وفنون کے حامل نہ رہے جن سے صحابہ وتابعین بہرہ ور تھے۔''[1]

خود امام سیوطی کے نقطہ نظر کی وضاحت ان کے اس اقتباس سے ہوتی ہے: ''اللہ کی کتاب عزیز میں ہر چیز پائی جاتی ہے۔ رہے مختلف علوم اور ان کے ہر باب اور ہر مسئلے کی اصل قرآن میں پائی جاتی ہے اس میں عجیب و غریب مخلوقات اور آسمان، زمین، افق اعلیٰ اور زیرِ زمین پائی جانے والی چیزوں کا بیان، ابتدائے تخلیق کی تفصیل، مشہور پیغمبروں اور فرشتوں کے نام اور گزشتہ قوموں کے حالات مذکور ہیں۔''[2]

علامہ امام ابن قیم نے بھی نے اپنی تصنیف کتاب الفوائد المشوّق الی علوم القرآن وعلم البیان کے مقدمے میں لکھا ہے: ''قرآن کے ایک ایک حرف سے حکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اس کی ہر سورت سے اوائل و اواخر کے علوم کا اظہار ہوتا ہے۔۔۔۔اور قرآن ہر علم وحکمت کا سرچشمہ ہے''[3]۔

اسی حوالے سے مولانا عبدالماجد دریاآبادی لکھتے ہیں: قرآن کا ایک ایجازی[4] وصف اس کی لچک داری ہے ہر ہر لفظ معنی و مفہوم کا ایک گنجینہ ہے اور الفاظ کی ترکیب متعدد پہلوؤں کی حامل، یہ وصف یوں تو بجز و احکام

---

(1) عبدالتواب حامد، ڈاکٹر، قرآن کا سائنسی اعجاز، ص 14

(2) ایضاً

(3) ابن القیم: الفوائد المشوّق الی علوم القرآن وعلم البیان، مطبعہ السعادہ، مصر، 1328ھ، ص 5

4۔ کسی موضوع (Content) کو کم سے کم ممکنہ حرفوں میں ادا کرنا "ایجاز" کہلاتا ہے۔

اور بنیادی عقائد کے اور ساری عبارتِ قرآنی میں نمایاں ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں: یہ بنیادی بات ذہن میں اتار لیجئے کہ قرآن کسی بھی صحیح فلسفہ، کسی بھی صحیح نظریہ، کسی بھی صحیح فارمولے کا مخالف نہیں [1]۔

ڈاکٹر اسرار احمد بھی جدید علوم اور سائنسی انکشافات سے علم انسانی میں حقائق فطرت کے بارے میں جو مزید آگاہی ہو رہی ہے، اس میں قرآن کو محرک اول قرار دیتے ہیں، اس سلسلے میں وہ رقمطراز ہیں: ''قرآن حکیم میں سائنسی علوم کے جو حوالہ جات آتے ہیں اور اس میں جو عملی ہدایات ملتی ہیں، ان کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہے کہ ایک اعتبار سے ہمیں آگے سے آگے بڑھنا ہے اور دوسرے اعتبار سے ہمیں پیچھے سے پیچھے جانا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے والے کا انداز (Attitude) دو اعتبار سے بالکل متضاد ہونا چاہیے۔ سائنسی حوالہ جات جو قرآن میں آئے ہیں ان کی تعبیر کرنے میں آگے سے آگے جایئے۔ آج انسان کو کیا معلومات حاصل ہو چکی ہیں، کون سے حقائق پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں، ان کے حوالے پیش نظر رہیں گے۔ ان میں پیچھے جانے کی ضرورت نہیں۔ امام رازی اور دیگر قدیم مفسرین کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا **(انتم اعلم بامردنیاکم)**[2] ''اپنے دنیاوی معاملات کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو''۔ تجرباتی علوم کے مطابق جو تمہیں علم حاصل ہے اس پر عمل کرو۔ لیکن دین کا جو عملی پہلو ہے اس میں پیچھے سے پیچھے جایئے۔ یہاں یہ دلیل نہیں چلے گی کہ جدید دور کے تقاضے کچھ اور ہیں، جب کہ یہ دیکھنا ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے صحابہ نے کیا کیا۔ اس حوالے سے قرآن کے طالب علم کا رُخ پیچھے کی طرف ہونا چاہیے اسلاف نے کیا سمجھا۔ متاخرین کو چھوڑ کر متقدمین کی طرف جایئے۔ جبکہ سائنسی حوالہ جات جو قرآن میں

---

(1) عبدالماجد دریاآبادی، مولانا، تفسیرِ قرآن مجید کے جدید تقاضے، سہ ماہی المعارف، انڈیا، جولائی تا ستمبر 2007، ص30-31

(2) صحیح مسلم، کتاب الفضائل بحوالہ المستند الصحیح المختصر (محقق فواد عبد الباقی)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 4، ص1836۔ حدیث2363

آئے ہیں ان کی تعبیر کرنے میں آگے سے آگے جایئے۔[1]

چونکہ قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے سائنس کی کتاب نہیں البتہ اس میں سائنسی علوم کی طرف اشارے موجود ہیں۔ قرآن مجید کائناتی حقائق کو آیاتِ الٰہی قرار دیتا ہے سورۃ البقرہ میں ارشاد ربانی ہے:

{إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ} [2]

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات اور دن کے بدلنے میں، اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کی نفع دینے والی چیزیں لے کر چلتے ہیں، اور اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے، اور ہواؤں کے بدلنے میں، اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کا تابع ہے، البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اس طرح کی اور کئی آیات میں اللہ کی نشانیوں کو بیان کیا ہے، ان میں اللہ کی قدرت، اللہ کی عظمت، اللہ کا علم، اللہ کی حکمت بالغہ سب کچھ شامل ہے۔ تو یہ جو مظاہر طبعی (Physical phenomena) ہیں، قرآن حکیم ان کا جابجا حوالہ دیتا ہے۔ بعض کائناتی حقائق وہ ہیں جن کا تعلق فلکیات (Astronomy) سے ہے۔

---

(1) اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن ج 1، ص 70

2[البقرۃ:164]

فرمایا: {كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ}[1] یعنی یہ تمام اجرام سماویہ اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہر شے حرکت میں ہے۔ انسان پر ایک دور ایسا گزرا ہے جب وہ یہ سمجھتا تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد حرکت کر رہا ہے۔ پھر ایک دور آیا جس میں کہا گیا کہ نہیں، سورج ساکن ہے، زمین حرکت کرتی ہے، زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے، اور آج ہمیں معلوم ہوا کہ ہر شے حرکت میں ہے۔ سورج کا بھی اپنا ایک مدار ہے، اس میں وہ اپنے پورے کنبے سمیت حرکت کر رہا ہے۔ یہ نظام شمسی اس کا کنبہ ہے، اس پورے کنبے کو لے کر وہ بھی ایک مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ الفاظ قرآنی {كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ}[2] میں ''کل'' کا لفظ جس طرح منقح اور مبرہن ہو کر، جس شان سے آج ہویدا ہوا ہے، آج سے پہلے انسان کو معلوم نہیں تھا۔ قرآن مجید میں کائناتی مظاہر کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ حقیقت ہے جو اس دور میں آ کر پوری طرح واضح ہوئی ہے۔[(3)]

قرآن حکیم نے جن سائنسی حقائق یا سائنسی مظاہر کا حوالہ دیا ہے وہ یقیناً حق ہے چاہے تاحال ہم ان کی حقانیت کو نہ سمجھ پائے ہوں۔ مثلاً آج بھی ہمیں معلوم نہیں کہ قرآن جو ''سات آسمان'' کہتا ہے تو ان سے کیا مراد ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک وقت آئے گا جب انسان سمجھے گا کہ ''سات آسمان'' کے یہ الفاظ ٹھیک ٹھیک اس حقیقت پر منطبق ہوتے ہیں جو آج ہمارے علم میں آئی ہے، پہلے نہیں آئی تھی[(4)]

اسی حوالے سے مولانا حنیف ندوی نے کیا خوب بات کی ہے:

1۔[یس:40]

2۔[یس:40]

3۔اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن ج1، ص۵6

4۔ایضاً، ص71۔72

"ابھی متعدد نجوم و کواکب ایسے ہیں جنہیں اس کتاب ھدیٰ کے مطلع روشن سے ابھرنا اور طلوع ہونا ہے اور بے شمار نکات و معانی ہیں جنہیں زبان وار تقاء کی مناسبتوں کے ساتھ نکھرنا اور واضح ہونا ہے"۔[1]

اسی تناظر میں یہ قول کتنا درست معلوم ہوتا ہے کہ "**القرآن یفسرہ الزمان**"[2] یعنی زمانہ قرآن حکیم کی تفسیر کرتا ہے اور کرتا رہے گا، مطلب یہ ہے کہ جوں جوں علوم انسانی اور سائنس ترقی کریں گے، قرآنی آیات کی حکمتیں انسان پر مزید کھلیں گی اور اس کے نہ ختم ہونے والے عجائبات اور نشانیاں انسانوں پر آشکارا ہوتی رہیں گی اور قرآنی باتیں کبھی پرانی نہ ہوں گی۔

ڈاکٹر رفیع الدین کا موقف بھی مبنی بر اعتدال ہے۔ وہ علمِ جدید کی اصطلاح میں آفاق و انفس سے مراد طبیعات، فلکیات، حیاتیات اور نفسیات لیتے ہیں، اور طبیعات، فلکیات، حیاتیات اور نفسیات میں جو ترقی ہوئی ہے اور جو دریافتیں ہونا باقی ہیں وہ کہتے ہیں وہ سب قرآن کا لفظی نہیں تو معنوی حصہ ضرور ہیں اور ہوں گی، یہ دریافتیں دراصل قرآنِ حکیم کی تعبیر و تشریح میں معاون ہیں۔ قرآن حکیم کے اندر علم کا خزانہ ہے، یہ علم وقت کے ساتھ نمودار ہو کر قرآنِ حکیم کا سچا علم ہونے پر دلیل بنتا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم کے اندر ایک معنوی سمندر موجود ہے جو لا متناہی ہے[3]

ڈاکٹر رفیع الدین لکھتے ہیں کہ انفس و آفاق میں نمودار ہونے والی آیات (نشانیاں) بظاہر قرآن سے باہر ہوں گی لیکن اس کے باوجود وہ قرآن کی تشریح اس طرح کریں گی کہ قرآن کی صداقت پر شبہ ناممکن ہو جائے

1۔ حنیف ندوی، مولانا، مطالعہ قرآن، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع سوم، 1988ء۔ ص152

(2) قول ابن عباس بحوالہ سید صفدر حسین نجفی: تفسیر نمونہ، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، 2013، ج1، ص27

(3) محمد عارف خان، پروفیسر ڈاکٹر، مطالعہ قرآن کی نئی جہتیں، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ص536-537

گا۔[1] ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے علم کو علم دین اور دین کو قرآن اور حدیث کے الفاظ تک محدود کر دیا، حالانکہ اس وقت جس قدر صحیح اور سچا علم دنیا میں موجود ہے یا آئندہ زمانوں میں انسان کی ذہنی کاوش سے پیدا ہونے والا ہے وہ علم دین کے سوا کچھ نہیں۔ اس زمانہ میں علوم کی ترقی قرآن کے علم کو بہت آگے لے گئی ہے، لیکن ہم وہیں کے وہیں ہیں، بلکہ قرآن آگے جا رہا ہے اور ہمارا رُخ پیچھے کی طرف ہے۔ ہم قرآن کے تازہ علم سے، جو انسان کے قلم کی بدولت صدیوں میں جمع ہو کر اس معیار پر پہنچا ہے، بے اعتنائی برت رہے ہیں، حالانکہ یہ اُسی خدا نے انسان کو دیا ہے جس نے قرآن نازل کیا تھا اور جس نے خود قرآن میں اس علم کو ایک بخشش اور عنایت کے طور پر یاد کیا ہے۔[2]

علم جدید ہو یا قدیم، قرآن ان کے مطالعہ سے نہیں روکتا، مطالعہ قرآن ہر دور کے تقاضوں کے مطابق روا ہے۔ علم نے ہر دور میں اس موقف کی تائید کی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ

كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ[3]

کتاب اللہ میں تم سے قبل کی سر گزشت اور تم سے مابعد کی خبر اور جو چیز تمھارے مابین ہے، اس کا حکم موجود ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا کہ قرآن کی ہر ایک آیت کے لیے ساٹھ ہزار فہم ہیں، لہذا یہ قول صاف دلالت کرتا

---

(1) ایضاً، ص 47

(2) ایضاً، ص 25

3۔ محمد بن عیسیٰ بن سَوْرة بن موسیٰ بن الضحاک: سنن الترمذي، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ القُرْآنِ، جزء 5، ص 22، حدیث 2906۔

ہے کہ قرآن کے معنی سمجھنے کے بارے میں ایک بے حد وسیع میدان اور بے حد کشادہ جولان گاہ موجود ہے۔[1]

یہ قول اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجید کے جلی یا خفی معنی بتدریج زماں و مکاں کی مناسبت سے کھلتے جائیں گے۔ قرآن کتاب ہدایت ہے اور انسان ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے ہدایت کا طالب ہے اور یہ وظیفہ سوائے قرآن مجید کے اور کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ صداقتیں در حقیقت تعلیم نبوت کی رونق اور زینت کے لیے ظہور میں آئی ہیں۔ جدید علمی دریافتوں میں صداقتیں موجود ہیں۔ صداقتوں کی پہچان ضروری ہے۔ صداقتوں کی علم جدید کی دریافت کو غلط سمجھ کر ترک کرنا درست نہیں ہے۔ یہ بات صداقتوں کو صداقتوں سے دور کرنے کا باعث بنتی ہے۔[2]

3.2-سائنسی نظریات و حقائق اور اسلام کا نقطہ نظر

عام طور پر مذہبی حلقوں میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ موجودہ سائنسی علوم محض چند بدلتے ہوئے نظریات یا ''افکار پریشاں'' انام ہے، جن کی بنیاد پر کتاب اللہ کی تفسیر کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اسلامی تعلیمات اور قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح میں اس قسم کے علوم کو داخل نہ کیا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے جا کر یہ نظریات بدل جائیں اور کتاب اللہ کی ابدیت پر کوئی حرف آجائے۔

یہ خیال بادی النظر میں تو بہت معقول اور وزنی معلوم ہوتا ہے مگر دراصل یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے، کیا عالِم اور کیا عامی ہر ایک اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے بغیر محض قلت فکر کی بنا پر اور بے سوچے سمجھے رائے چلائے جا رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طرح وہ بذات خود بہت بڑی دانش مندی کا ثبوت دے رہا ہے۔ حالانکہ یہ

---

(1) سیوطی، علامہ جلال الدین: الاتقان فی علوم القرآن، ج2، ص417 بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان، مطالعہ قرآن کی نئی جہتیں، ص538

(2) ایضاً، اور مزید تفصیل کے لیے ڈاکٹر محمد عارف خان کی کتاب قرآن کی نئی جہتیں دیکھیں ص558-560 اور 597-598

طرز فکر دراصل حقائق سے چشم پوشی اور سہل انگاری کو ظاہر کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں نظام کائنات سے متعلق تقریباً ساڑھے سات سو آیات موجود ہیں جن کا بنیادی مقصد انسان، خدا اور کائنات کے باہمی تعلقات کو واضح کرنا اور اس سلسلے میں منکرین و معاندین اور خدا بیزار لوگوں کے غلط اور بے بنیاد نظریات و مفروضات کی اصلاح کرنی ہے۔ اس لئے جگہ جگہ مظاہر کائنات اور ان کے حیرت انگیز نظاموں میں غور و فکر کر کے منکرین خدا کے خلاف سائنٹفک دلائل و شواہد کا استنباط کرنے کی تاکید کی گئی ہے، جن کو قرآن کی زبان میں دلائلِ آفاق (جو انسان کے چاروں طرف مختلف مظاہر کے روپ میں پھیلے ہوئے ہیں) اور دلائل انفس (خود انسان کے اپنے جسمانی و نفسیاتی احوال سے متعلق) کا نام دیا گیا ہے۔ ان دلائل و بینات یا آفاقی و انفسی شواہد سے عبرت و بصیرت حاصل نہ کرنے والوں کو بہائم اور چوپاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آفاقی و انفسی دلائل و شواہد کا یہ استنباط کس کے ذمے ہے؟ قرآن حکیم کے بنیاد مقصد اور اس کی روح کے مطابق منکرین حق پر یہ اتمام حجت کون کرے گا؟ اقوام عالم کی فکری و نظریاتی گمراہیاں کیسے دور ہو سکیں گی؟ کیا قرآن حکیم کا پیغام پورے عالم انسانی کو پہنچانا ضروری نہیں ہے؟ کیا اس کا پیغام قیامت تک تمام ادوار اور تمام خطہ ہائے ارض کے لئے عام نہیں ہے؟ کیا اس کے ابدی دلائل و براہین جدید ذہن و فکر کو مطمئن نہیں کر سکتے؟ بالفاظ دیگر قرآن حکیم کے دلائل آیا صرف عوام کے لئے ہیں یا خاصان علم کے لئے؟ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان دلائل و شواہد کا استنباط جدید علوم و فنون کی مدد کے بغیر ممکن ہو بھی سکتا ہے؟ نیز کیا موجودہ علوم و فنون سے مدد لئے بغیر ہم موجودہ ارباب فن پر اتمام حجت کر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب تک علوم و فنون کی گہرائیوں میں غوطہ زنی نہ کی جائے جدید ذہن و دماغ کی تسلی کا سامان فراہم نہیں ہو سکتا اور موجودہ استدلالی اور عقل پرست ذہن کو مطمئن کر کے ان کے قلوب کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اور جب تک یہ فکری معرکہ سر نہ کیا جائے عملی حیثیت سے کوئی صالح انقلاب برپا نہیں کیا جا سکے گا۔ کیونکہ کوئی بھی ہمہ گیر فکری انقلاب اس وقت تک برپا نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اربابِ دانش اور اہلِ فن کو علمی و استدلالی حیثیت سے زیر نہ کر لیا جائے اور وہ ''حق'' کے سامنے ہتھیار نہ ڈال دیں۔ ظاہر ہے کہ دانشور طبقے کا اپنے اپنے حلقوں میں عوامی ذہن و فکر پر

بہت گہرا اثر رہتا ہے۔ لہذا دانش ور طبقے کو زیر کر لینا گویا کہ علمی حیثیت سے میدان سر کر لینا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کو جدید سے جدید تر ہر قسم کے ''ہتھیاروں'' سے پوری طرح مسلح کر دیا گیا ہے۔ تا کہ اہل اسلام ہر دور میں حسبِ ضرورت ان سے کام لیں اور صحیح سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کریں۔ مگر جب ہمارے ''اسلحہ خانے'' میں ہر قسم کے جدید ترین ہتھیار موجود ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ موجودہ راکٹوں اور میزائلوں کا مقابلہ تیروں اور تلواروں سے کرنا عقل ودانائی سے بعید ہوگا۔

بنیادی سوال پھر بھی باقی رہ گیا، وہ یہ کہ سائنسی علوم و مسائل کی مبینہ ''تغیر پذیری'' کا حل کیا ہے؟ تو یہ کوئی ایسا مشکل اور پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے جس سے ہم اس قدر پریشان اور ہراساں ہو جائیں کہ محض ایک مفروضے کی بنیاد پر کتاب اللہ کی ساڑھے سات سو آیات کی تفسیر کرنا ''شجر ممنوعہ'' سمجھ کر چھوڑ دیں۔ اصل بات یہ ہے جیسا کہ سائنسی علوم اور ان کے ایجادات واکتشافات کی تاریخ شاہد ہے کسی چیز کے متعلق انسانی علم ابتداً محدود ہوتا ہے۔ پھر جیسے جیسے مشاہدات و تجربات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اس کے متعدد پہلو واضح اور تفصیلی معلومات کے باعث سابقہ معلومات کلیتاً یکسر باطل نہیں ہو جاتیں۔ (خصوصاً جبکہ وہ نظریاتی امور سے متعلق نہ ہوں بلکہ ان کا تعلق تجرباتی و مشاہداتی امور سے ہو) بلکہ ان معلومات و مسائل کے چند نئے پہلو یا نئے اجزا و عوامل اور ان کی کارکردگیوں کا مزید علم حاصل ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر تحقیق و تجربے سے سب سے پہلے صرف چند عناصر (elements) کا علم ہوا۔ پھر مزید تجربے کے بعد چند مزید عناصر معلوم ہوئے، حتیٰ کہ ان کی تعداد 92 تک جا پہنچی۔ شروع میں یہ خیال تھا کہ وہ ناقابل تقسیم ہیں مگر بعد میں مزید تجربات سے معلوم ہوا کہ ہر ایٹم (ہائیڈروجن سے لے کر یورینیم تک تمام کے تمام تین قسم کے اجزائے سے مرکب ہیں، جن کو الیکٹرون، پروٹان اور نیوٹران کا نام دیا گیا، پھر معلوم ہوا کہ پروٹان اور نیوٹران باہم ایک مرکزے کی شکل میں ملے ہوئے ہیں اور الیکٹران ان کے گرد بڑی تیزی کے ساتھ گردش کرتے ہیں۔ ایٹم کے اس مرکزے (پروٹان اور نیوٹران کے مجموعے) کے متعلق ابتداً خیال تھا کہ وہ ناقابل تحلیل ہے۔ مگر مختلف ترکیبوں کو آزمانے کے بعد بالآخر عمل فشن (Fission) ایٹم کے مرکزے کو توڑنے کا ایک بہت ہی پیچیدہ عمل ہے) کے ذریعے جب اس کو توڑا گیا تو

اس سے ایک ایسی ہیبت ناک اور دیو پیکر توانائی خارج ہوئی جو آج ایٹمی قوت یا جوہری توانائی کے نام سے مشہور ہے۔ایٹم بم ایٹم کے مرکزے میں چھپی ہوئی اس دل ہلا دینے والی قوت کو مجتمع کرنے کا نام ہے۔

اب یہاں پر یہ قابل غور بات ہے کہ نئے نئے عناصر کی دریافت کے باعث سابق میں دریافت شدہ عناصر کا وجود باطل نہیں ہو گیا۔ جس طرح کہ خود ایٹم کے اندرونی اجزا کی دریافت سے ان عناصر کے وجود پر کوئی حرف نہیں آ سکا۔ پھر اسی طرح الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران کی کارکردگیوں اور ان کی تفصیلات کے منکشف ہونے کے باعث سابقہ معلومات و تفصیلات کسی بھی طرح باطل نہیں ہو گئیں۔ بلکہ صرف اتنا ہی کہا جائے گا کہ پہلے ان اجزا و عناصر سے متعلق انسانی علم اجمالی و مختصر تھا مگر اب کی تحقیقات و تجربات کی وجہ سے وہ مفصل اور وسیع ہو گیا۔اسی پر دوسرے تمام تجرباتی علوم کو بھی قیاس کر لیجئے۔

اس سے یہ کلیہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ علم انسانی یا علوم سائنس کی وہ بنیادی معلومات کبھی نہیں بدلتیں جو تجربے و مشاہدے میں ایک بار پوری طرح ثابت ہو جائیں اور بار بار کے تجربوں سے ہمیشہ اُن سے یکساں نتائج برآمد ہوتے ہوں۔ مثلاً ہائیڈروجن کے دو ایٹموں اور آکسیجن کے ایک ایٹم کو کیمیاوی طور پر ملانے سے پانی کا ایک سالمہ وجود میں آتا ہے اور پانی کے سالمے کی کیمیائی تحلیل سے پھر وہی مفرد عناصر برآمد ہوتے ہیں۔ یہ ایک قانون(Law of nature) یا قانون ربوبیت ہے جو آج بھی صحیح ہے اور آئندہ بھی ہر دور میں قیامت تک صحیح رہے گا۔یہی حال دیگر تمام قوانین قدرت یا ربانی ضوابط کا ہے۔[1]

{خَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهُ تقدیرا}[2]

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک طبعی ضابطہ مقرر کر دیا۔

ایک سادہ سی مثال لیجئے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آگ جلاتی ہے اور پانی آگ بجھاتا ہے۔ یہ وہ

---

(1)مولانا شہاب الدین ندوی: اسلام کی نشاۃ ثانیہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی،، ص260۔264

2[الفرقان:2]

حقیقت ہے جس میں ایک لمحے کے لئے بھی ہمیں شک نہیں ہوتا۔ اسی قسم کے حقائق کو قوانین قدرت کہا جاتا ہے۔ اور اس قسم کے قوانین کا دائرہ بہت وسیع ہے جیسا کہ پیہم تجربات و مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً حیوانی زندگی کا انحصار آکسیجن پر ہے۔ کوئی جاندار پانی کے بغیر زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ تمام جاندار ایک حیاتیاتی مادے (پروٹوپلازم یا نخرمایہ) سے مرکب ہیں۔ پروٹوپلازم کا تقریباً ستر فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء متعدد عناصر سے مرکب ہیں مثلاً آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن اور کاربن وغیرہ۔ غرض یہ پوری کائنات نہایت درجہ منضبط قوانین کے مجموعے کا نام ہے اور یہاں پر انتشار، بدنظمی اور لاقانونیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ {هَلۡ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ}[1]

سائنسی نظریات میں ردوبدل یا تبدیلی جو کچھ بھی ہوتی ہے وہ ان ثابت شدہ طبعی قوانین اور بنیادی اصولوں میں نہیں بلکہ ان مفروضات میں ہوتی ہے جو یا تو ابھی زیر مشاہدہ ہوں یا جن میں کسی رکاوٹ کے باعث سرے سے کوئی تجربہ و مشاہدہ ہی ممکن نہ ہو۔ اصل میں کوئی بھی سائنسدان اور کوئی بھی عالم طبیعیات مختلف اشیائے عالم میں ربط و تعلق اور توجیہہ و تاویل کے لحاظ سے بعض نظریات و مفروضات قائم کرنے پر مجبور ہوتا ہے خواہ ان کے متعلق اُس کو تفصیلی علم حاصل ہو یا نہ ہو۔ دنیائے سائنس میں تغیر و تبدل جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ عموماً اسی قسم کے نظریات و مفروضات میں ہوتا ہے۔ فلکیات (اس میں خصوصاً آغاز کائنات سے متعلق نظریات) ارضیات (جیالوجی) اور نظریہ ارتقاء وغیرہ کے اکثر مسائل و مباحث اسی باب سے متعلق ہیں۔ اس کے بالمقابل طبیعیات، کیمیا اور حیاتیات (سوائے آغاز حیات اور روح اور اس کے مظاہر سے متعلق معموں کے) اکثر مباحث تجرباتی و مشاہداتی ہونے کی بنا پر قابل استدلال ہیں۔ ان علوم اور ان کے مباحث میں غور و فکر کرنے اور ان کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انسان کے اندر اتنی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی بنیاد پر وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ اُسے کن امور سے استدلال کرنا چاہیے۔

1[الملک:3]

قرآن حکیم میں مختلف علوم و فنون کے حقائق یا فکری نتائج۔ جو اصل مغز اور جوہر کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ بالکل معجزانہ انداز میں مذکور ہیں۔ جو موجودہ دور کی عقلیت کے مطابق ذہن سازی کے لئے مثبت اور بنیادی رول ادا کر سکتے ہیں۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لئے لازمی طور پر جدید سے جدید متعلقہ علوم کی جزئیات کو بھی زیر بحث لانا پڑے گا، جس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ مثلاً قرآن میں مذکور ہے کہ نباتات میں بھی قانون زوجیت پایا جاتا ہے۔ یعنی حیوانات کی طرح پودوں میں بھی نر مادہ پائے جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو علی وجہ البصیرت سمجھنے اور متعلقہ مسائل کی تنقیح کے لئے حیاتیات (بیالوجی) کے بہت سے مباحث بھی چھیڑنے پڑتے ہیں۔ اب ممکن ہے کہ بعض جزئیات ہیں، جو نظری حیثیت رکھتے ہوں۔ آئندہ چل کر کوئی تبدیلی واقع ہو جائے۔ مگر یہ حقیقت کہ تمام نباتات زوج زوج ہوتے ہیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ یہی حال دیگر تمام حقائق و معارف کو بھی ہے۔ اب یہ کتنی بڑی نادانی ہو گی کہ ہم ایک موہوم سے خدشے کی بناء پر اس قسم کی آیات کی سائنٹفک نقطۂ نظر سے تفسیر کرنا ہی چھوڑ دیں۔ گویا کہ قرآن مجید کے پانچویں حصے کو مہمل قرار دیدیں۔ (العیاذ باللہ!)[1]

علم الاسماء یا سائنس کی تحصیل کو وہ فرض کفایہ قرار دے کر اُس میں ترقی کو وہ ضروری قرار دیتے ہیں اور سائنس سے نظام ربوبیت کے لئے بہترین دلائل کے مہیا ہونے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

غرض انہی تمام مسائل مباحث کے جاننے کا نام "علم اسماء" ہے اور اس کی تحصیل علمائے اسلام کے لئے فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں ان تمام علوم و فنون کی تحصیل کو فرض کفایہ قرار دیا ہے جن کے عدمِ وجود کے باعث اجتماعی حیثیت سے کوئی خرابی لازم آتی ہو جیسے طب اور حساب، اسی طرح مختلف قسم کی صنعتیں مثلاً کاشتکاری، کپڑے کی صنعت اور سیاست بلکہ نشتر زنی وغیرہ بھی فرض کفایہ میں داخل ہیں۔

---

(1) شہاب الدین ندوی، ص 265-266

مولاناشہاب الدین کے بقول:

''اگرامام غزالی آج زندہ ہوتے تو عجب نہیں کہ موجودہ دور کے ان تمام سائنسی اور صنعتی علوم کو جن سے آج اقوام عالم کا عروج وزوال وابستہ ہو گیا ہے، ہماری ملت کی جان کنی اور زبوں حالی کے پیشِ نظر فرض کفایہ بلکہ فرض عین قرار دے دیتے۔''(1)

اس لئے علماء کی ایک جماعت ہمیشہ اور ہر دور میں بلکہ ہر ملک و قوم میں اس فرض کفایہ کی ادائیگی کے لئے تیار رہنی چاہیے۔ ورنہ وہ عنداللہ قابل مواخذہ ہوں گے اور ان کا کوئی بھی عذر قیامت کے دن مسموع نہیں ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کے تمام امور اور تمام مسائل کو کھول کھول کر اپنی آخری اور ابدی صحیفے میں بیان کر دیئے ہیں۔

ہمارے علماء کا فرض ہے کہ وہ ان علوم کی تحصیل کر کے قرآنی منشاء و مقصد کے مطابق عالم انسانی کی ہدایت ور ہنمائی کا سامان فراہم کریں۔ قرآن حکیم میں ان علوم و مسائل کا تذکرہ بھی دراصل قرآن عظیم کی وسیع ہدایت ور ہنمائی ہی کے ایک حصے کے طور پر ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ان علوم سے خدا پرستی کے اثبات کے لئے سائنٹفک دلائل و شواہد فراہم کرنا مقصد ہے۔ یعنی مادہ پرست اور خدا بیزار لوگ نظام کائنات سے متعلق جن حقائق اور واضح نتائج سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے جن منطقی دلائل کا سامنا کرنے سے جی چراتے ہیں ایسے تمام مواقع پر انہیں متبنہ کرتے ہوئے متعلقہ شواہد کی نشاندہی کرنا اور منکرین حق کی علمی کمزوریوں کو واضح کرنا۔ یہ بھی ''معروف و منکر'' کے مقتضاء کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ {يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ}[2] وہ معروف کا حکم کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں، کے وسیع مفہوم میں یہ شق بھی داخل سمجھی جائے گی۔

---

(1) شہاب الدین ندوی، ص265۔266

2[التوبة:71]

غرض قرآن حکیم میں ان علوم کا تذکرہ بھی دراصل اس کی ابدی اور عالمگیری رہنمائی ہی کا ایک حصہ ہے اس سے الگ نہیں۔ ظاہر بینوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کو بھلا انسانی علوم سے کیا واسطہ! وہ سمجھتے ہیں کہ سائنس علوم نظام شریعت کے مغائر ہیں، حالانکہ یہ سائنسی علوم جو بادی النظر میں انسانی علوم معلوم ہوتے ہیں دراصل محض انسانی علوم نہیں ہیں، بلکہ نظامِ کائنات اور نظامِ ربوبیت کی کل توضیح و تفصیل کرنے والے ہیں۔ کائنات میں جتنی بھی اشیاء ہیں سب کی سب خداوند کریم ہی کی پیدا کردہ ہیں اور انسانی علوم کی بنیاد یہی مخلوقاتِ الٰہی ہیں۔ لہذا ان علوم کی تحقیق و تفتیش سے مخلوقاتِ الٰہی کا تفصیلی علم حاصل ہوتا ہے جو نظام ربوبیت کو سمجھنے کی بنیاد ہے۔ اور جب تک انسان نظام ربوبیت کو صحیح طور پر سمجھ نہ لے وہ "رب العٰلمین" (تمام جہانوں کے رب اور پروردگار) کی صحیح معرفت بھی حاصل نہیں کر سکتا جو اصل مقصود ہے۔

یہ ایک بعید از قیاس بات ہو گی اگر ہم یوں تصور کر لیں کہ مظاہر کائنات اور ان کے نظامات کسی بھی درجہ نظام شریعت کے مخالف واقع ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نصوص قرآنی کے مطابق مظاہر کائنات کے تمام ضوابط بنانے والا خالق عالم جل شانہ ہی ہے۔ اُسی نے ایک ایٹم سے لے کر ایک نظام شمسی تک تمام مظاہر کی تخلیق کی اور ان کے طبعی ضوابط مقرر کئے۔ اور اسی علیم و خبیر اور ہمہ دان و ہمہ بیں ہستی نے نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اپنا کلام بھی نازل فرمایا۔ لہذا دونوں میں تعارض و تضاد کس طرح ہو سکتا ہے

امام شاہ ولی اللہ دہلوی (1114-1176ھ) نے قرآن حکیم کے تمام مضامین و مندرجات کو بنیادی طور پر پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ایک "التذکیر بآلآء اللہ" بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو مظاہر کائنات یا مخلوقاتِ الٰہی (حیوانات و نباتات اور جمادات و افلاک) کی شکل میں صفحہ ارض و سما میں بکھری ہوئی ہیں، اُن کے ذریعہ یاد دہانی اور سبق آموزی۔ اس تصریح کے مطابق غور فرمایئے یہ موضوع قرآن حکیم کا ایک مستقل موضوع اور اس کے علوم و معارف کا پانچواں حصہ ہے۔ کیا ہم اتنے بڑے حصے کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔

حاصل یہ کہ نظام کائنات اور نظامِ ربوبیت سے متعلق ہر نیا انکشاف قرآن حکیم کی ابدی صداقتوں کو اُجاگر کرنے والا اور اس کے لافانی نقش و اسرار کو بے نقاب کرنے والا ہوگا، جب کہ ہم لغت، نحو اور تمام صحیح تفسیری اصولوں سے کام لے کر آیات الٰہی کی صحیح تفسیر کریں۔ اس طرح تمام صحیح اصولوں کو کام میں لا کر جب پوری ذمہ داری کے ساتھ اُس کی تفسیر کی جائے گی تو پھر اُس کے غلط ہو جانے یا کتاب اللہ پر حرف آ جانے کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ یہ کوشش محمود و مستحسن ہوگی اور عند اللہ قابلِ اجر بھی۔[1]

قرآنِ حکیم کی سائنسی تفسیر ایک حوالے سے اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کو سمجھنے کے مترادف ہے کیونکہ جتنا جدید سائنس کی روشنی میں آفاق و انفس میں غور کیا جائے گا اتنا ہی اُس کے نظام ربوبیت کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور یہی لاالٰہ الا اللہ کی تفسیر ہوگی اس حوالے سے مولانا شہاب الدین ندوی لکھتے ہیں: اس لحاظ سے لا الٰہ الا اللہ کے معنی یہ ہوئے کہ اس پوری کائنات اور کل عالمِ رنگ و بو میں ایک ایسی ہستی پائی جاتی ہے جس کے افعال حد درجہ نرالے اور حیرت ناک ہیں اور جن کی اصل حقیقت و ماہیت کو سمجھنے سے عہد قدیم کے نہیں بلکہ عہد جدید کے تمام انسان۔ اپنی ہمہ جہتی تمام علمی ترقیوں کے باوجود۔ عاجز اور درماندہ ہیں۔ آپ مظاہر عالمی طبعی(Physical) ، کیمیائی(Chemical) ، عضویاتی(Morphological) ، فعلیاتی (Physiological)، تشریحی (Anatomical) ، طبّی (Medical) اور نفسیاتی (Psychological) کسی بھی حیثیت سے جائزہ لیجئے آپ کو ایک اٹوٹ کلیہ نظر آئے گا۔ گویا کہ ہر حیثیت سے یہ اس عالم آب و گل کی ایک مسلمہ اور ناقابل تردید حقیقت ہے جس میں دورائے نہیں ہو سکتیں (کہ یہ تمام مظاہر کائنات آیات الٰہی ہیں)۔ اسی طرح تمام صفات الہیٰہ کا جب اس قدر تفصیلی طور پر مطالعہ کیا جائے تو مجموعی اعتبار سے ان صفات کمالیہ کا ایک واضح تصور مجسم شکل میں ہماری آنکھوں کے سامنے آ جائے گا پھر ہماری نظریں

---

(1) نشاۃ ثانیہ، ص 267-270

جس چیز پر بھی پڑیں گی اس کی ظاہریت کے خول کو توڑتے ہوئے ان صفاتِ عالیہ پر مرکوز ہو جائیں گی۔ گویا کہ ان ظاہری مظاہر کو نہیں بلکہ ان مظاہر میں پیوستہ کمالاتِ الہیٰ کے جمالِ نیرانی کو دیکھ رہے ہیں اور اس کے آفاقی جلووں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس مطالعے اور مشاہدے سے جو ایمان حاصل ہوتا ہے وہ محض علمی اور نظریاتی نہیں رہتا بلکہ وہ مشاہداتی ہونے کی بناپر وجدانی اور جذباتی بن جاتا ہے، گویا کہ بندہ عین الیقین اور حق الیقین کی منزل تک پہنچ جاتا ہے، یہ بندے کی منزل مقصود اور اس کی معراج ہے جس کے حصول کے بعد اس کو کارزارِ حیات میں بھکنے یا مظاہرِ فطرت کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کا موقع ہی باقی نہیں رہتا، بلکہ وہ زندگی کی ہر منزل اور تمام نشیب و فراز میں برہانِ الٰہی کی روشنی میں چلتا اور نورِ الٰہی اُس پر سایہ فگن رہتا ہے، بشرطیکہ یہ مطالعہ مشاہدہ صحیح اور خدا پرستانہ نکتہ نظر سے اور قرآنِ حکیم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے،(ورنہ) دنیا میں کتنے ایسے سائنسدان اور ماہرینِ علوم طبیعی موجود ہیں جو ان علوم میں ماہر ہونے کے باوجود بالکل کورے اور اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں۔[1]

صحیفہ فطرت میں جدھر بھی نظر ڈالیے آپ کو اُس کے خالق و صانع ہی کی صفاتِ کمالیہ کے نقوش دکھائی دیں گے اور اس کی ربوبیت والوہیت تمام مظاہر پر محیط نظر آئے گی۔ گویا کہ اوراقِ فطرت کی حیثیت محض کٹھ پتلیوں جیسی ہے اور ان کے پسِ پردہ وہ حقیقی ذات جلوہ افروز ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ خالق کا ظہور نمایاں اور مخلوقات کا ظہور غیر نمایاں اور دھندلا سا ہے، گویا کہ یہ سب کسی ڈرامے کے عارضی اور غیر مستقل کرداروں کی طرح پردہ سیمیں پر تھوڑی دیر کے لئے نظر آتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔[2]

---

(1) ص280۔281

(2) ایضاً، ص282۔

خندہ شبنم، بہارِ گل، فروغِ مہر وماہ   واہ کیا اشعار ہیں دیوانِ فطرت کے لئے [1]

اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ صحیفہ فطرت ایک دیوان ہے اللہ کا، جہاں ہر طرف رنگین، وجد آور، حسین شعر بکھرے ہوئے ہیں اور ایک ایک پتےّ اور ایک ایک بوٹے پر خلاق فطرت کی صنعت وکاری گری کے نقوش ثبت ہیں۔ شاید قول باری تعالیٰ {هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ} [2] کا یہی مفہوم ہو کہ وہ اپنے حیرت انگیز صفات و کمالات کے باعث ہر چیز میں ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے نمایاں نظر آتا ہے، وہ ایٹم سے لے کر نظامِ شمسی اور فلکیاتی کروں میں بھی قدرت، آیات اور صناہی کے اعتبار سے ظاہر ہے۔

جدید سائنسی تحقیقات کی اہمیت مسلم ہے اور اس کی بدولت جہاں ایک طرف یونانی سائنس اور فلسفے کے نظریات مردود قرار پاتے ہیں تو دوسری طرف قرآنی بیانات وتفصیلات پوری طرح اُجاگر ہو جاتی ہیں اور اس کی صداقت و حقانیت اور اس کا علمی وتاریخی اعجاز کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ اُس نے یہ تمام انکشافات اس دور میں کیئے تھے جبکہ عوام تو عوام اس دور کے عقلاء اور دانشور تک تہ بہ تہ جہالتوں میں مبتلا تھے مثلاً قرآنِ عظیم نے اپنی مختلف آیات میں جب فلک کا لفظ استعمال کیا تو اُس سے مراد یونانی نظریے کے مطابق ٹھوس، مجسم اور دوہری حرکت کرنے والا مستدیر فلک نہیں بلکہ ایک فرضی دائرہ ہے، جیسا کہ جدید سائنس کا نظریہ ہے ورنہ پھر تیرنے کا مفہوم بالکل بے معنی ہو جائے گا اور تیرنے یا گردش کرنے والے ان اجرام میں خود ہمارا کرہ ارض بھی شامل ہے جس کا تذکرہ سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر 33 میں انتہائی بلیغ اسلوب میں کیا گیا ہے { وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ} [3]۔ زمین کی حرکت کے حوالے سے اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں:

---

[1](جوشِ ملیح آبادی)

2[الحدید:3]

3[الأنبیاء:33]

{وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ}[1]

اور تم پہاڑوں کو ٹھہرے ہوئے گمان کرتے ہو حالانکہ وہ بادلوں کی سی تیزی سے گزر رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی سند ہے جس نے ہر چیز کو استحکام بخشا

جدید تحقیقات کے مطابق جتنے بھی ستارے، سیارے اور کہکشائیں دریافت ہوتی جارہی ہے وہ سب سمائے دنیا یا آسمانِ اول کا حصہ ہیں۔ ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح۔ اور ہم نے قریبی آسمان اول کو چراغوں سے آراستہ کردیا۔ {وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ}[2] چراغوں سے مراد ہر قسم کے ستارے اور سیارے ہیں جو دور سے روشن چراغوں یا قندیلوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

{إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ}[3]

ہم نے قریبی آسمان کو ستاروں سے رونق بخشی۔

دور بینوں (Telescope) کے ذریعے وسیع اور بے کراں خلاؤں میں لاکھوں کروڑوں اور اربوں نوری سال کے فاصلے پر نظر آنے والی کہکشائیں بھی دراصل ستاروں ہی کے مجموعے ہیں اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک ایک کہکشاں میں کم از کم ایک ایک کھرب Trillion ستارے (ہمارے سورج جیسے) ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی تشریح کے مطابق یہ تمام کہکشائیں بھی سمائے دنیا ہی کا حصہ ہیں۔ کیونکہ ستاروں کے ان جھرمٹوں کو وہ

1[النمل:88]

2۔[الملک:5]

3۔[الصافات:6]

بروج سے تعبیر کرتا ہے۔

{وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ}[1]

اور یقیناً ہم نے آسمان میں بہت سے بروج بنا دیئے ہیں اور انہیں بنظرِ غایر دیکھنے والوں کے لئے سنوار دیا ہے۔

بروج سے مراد جس طرح مشہور بارہ بروج ہو سکتے ہیں (بروج برج کی جمع ہے جس کے معنی محل کے ہیں اس وجہ سے ستاروں کے مجموعے کو بروج کہا گیا ہے کیونکہ یہ ان کی مخصوص منزلیں ہوتی ہیں [(2)]۔ اسی طرح ان سے مراد کہکشائیں بھی ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ سب ستاروں ہی کے جھرمٹ اور ان کے مجموعے ہیں۔ یہاں پر قابل غور بات یہ ہے اس آیت کریمہ کے شروع میں لفظ لقد کے ذریعے تاکیدی بیان ہے اور پھر الناظرین۔ کا لفظ لایا گیا ہے'' نظر کے معنی محض دیکھنا نہیں بلکہ بنظر غائر یا بنظر تامل دیکھنا اور آنکھ کے ذریعے غور و فکر کرنا بھی ہے، لہذا کوئی وجہ نہیں کہ دوربینوں سے نظر آنے والے ستاروں کے ان شہروں یا کائناتی جزیروں پر بروج کا اطلاق نہ ہو سکے۔ پھر دوسری حقیقت یہ ہے کہ ان تمام آیات میں ''**السماء**'' اور ''**السماء الدنیا**'' کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ سبع سماوات (سات آسمانوں) کے الفاظ نہیں لائے گئے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دوربینوں سے نظر آنے والے یہ تمام بروج اور کہکشائیں محض سمائے دنیا یا آسمان اول کا حصہ ہیں اور اس قسم کے چھ آسمان اور ہیں جو سمائے دنیا سے پرے واقع ہیں اور وہ چونکہ انسانی آنکھوں سے مستور ہیں اس لئے ان کی اصل حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے۔ (یہ تصور بھی یونانی تصور سے مختلف ہے جو فلک الافلاک کے اُس پار کسی قسم

1۔[الحجر:16]

2۔المفردات فی غریب القرآن۔ ص:41 بحوالہ نشاۃ ثانیہ، ص309

کے خلاء یاملاء (خالی یا بھری جگہ) کے ناممکن ہونے کا مدعی ہے اور اس بے بنیاد نظریہ کی صحت پر کوئی دلیل نہیں) ۔ مگر جہاں تک اُن کے وجود کا سوال ہے اُس سے کم از کم اہلِ ایمان کو انکار نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ معراج سے متعلق حدیثیں اس مسئلے پر بخوبی روشنی ڈال رہی ہیں، چنانچہ معراج کے موقع پر حضرت جبرائیل سرور کونین، حضرت محمد ﷺ کو لے کر ایک ایک کر کے ساتوں آسمانوں تک پہنچے اور ہر ایک کا دروازہ کھلوایا[1] اس موقع پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ جبرائیل سے ہر جگہ یہی پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ اس مکالمے سے بھی یونانی نظریے کے مطابق افلاک کے شفاف ہونے کا نظریہ غلط ثابت ہو جاتا ہے جن کا نظریہ ہے آٹھویں فلک کے ستارے بقیہ افلاک سے گزرتے اور انہیں پار کرتے ہوئے ہمیں پہلے فلک پر دکھائی دیتے ہیں، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمان شفاف نہیں بلکہ غیر شفاف (Opaque) ہے جس کے آر پار دیکھنا ممکن نہیں۔

{وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا}[2]

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا ہے

{وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ}[3]

اور ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور اس کو ہر طرح سے محفوظ کر دیا۔

اس طرح اسلامی نظریہ سموات اور یونانی نظریہ افلاک میں کھلا ہوا تناقض و تضاد موجود ہے اور ان دونوں میں تطبیق کیسے ممکن ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے علماء اور بعض متکلمین نے (جو فلسفہ یونان سے متاثر و

1۔ ایضاً۔ ص309۔310

2۔[الانبیاء:32]

3۔[فصلت:12]

مرعوب تھے) ان واضح براہین کو نظر انداز کر کے تمام یونانی نظریات کو اسلامی نظریات ثابت کر دینے میں اپنا سارازور صرف کر دیا۔ حالانکہ قرآنِ حکیم نے مظاہر کائنات میں غور و فکر اور مشاہدہ کی دعوت اس بنیاد پر دی تھی کہ رویت و مشاہدہ کے صحیح اصولوں کے باعث یونانی نظریات کی غلطیاں بھی واضح ہو جائیں جو بلا سند و بلا دلیل فرض کر لیئے گئے تھے اور دوسری حیثیت سے نظام کائنات کے وہ حقائق منظر عام پر آئیں جن سے دین کی ابدی صداقتوں کا اثبات ہوتا ہے۔(1)

وہ مزید لکھتے ہیں: اُن آیات کے حوالے سے جو کائنات سے متعلق ہیں شرعی آیات واحکام کے برعکس تکوینی (Natural) امور کا بیان زیادہ تر اشاروں کنایوں کی زبان میں ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شرعی امور میں تو ہر دور میں وضاحت و تفصیل کی یکساں ضرورت رہتی ہے تاکہ لوگوں کو اپنے معاملات زندگی کے سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔ اس کے برعکس تکوینی یا نیچرل اُمور و معاملات کا حال مختلف ہے۔ کیونکہ ان امور کا تعلق دین کے بنیادی احکام و مسائل سے نہ ہونے کی بنا پر ہر زمانے میں ان حالات میں تبدیلی پیش آتی ہے۔ اس لئے ایسے معاملات ذرا مبہم طور پر بیان کئے جاتے ہیں تاکہ وقت آنے پر ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔ اس طرح قیامت تک ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اس کتاب حکمت کے نئے نئے پہلو اُجاگر ہوتے رہیں گے۔ دوسری بات یہ کہ ان تکوینی (Natural) اُمور و مسائل کا ہر دور کے علوم سے نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے اور یہ معمولی اور سطحی غور و فکر کے ذریعے واضح نہیں ہو سکتے۔ بلکہ علوم و فنون کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے، تب کہیں جا کر ٹھوس اور پائیدار نتائج برآمد ہوتے ہیں۔(2)

1۔ نشاۃ ثانیہ، ص 311

2۔ ایضاً۔ ص 314

درجہ بالا صفحات میں جن حقائق کا انکشاف کیا گیا ہے وہ خدائی منصوبے کے مطابق اشاروں کنایوں کی زبان میں مذکور ہیں تاکہ چودہ سو سال قبل کے سائنسی حقائق سے نابلد معاشرے کو قرآنی آیات کے مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری بھی نہ رہے اور وقت آنے پر یہ اشارات وقیع اور معنی خیز بھی بن جائیں، یہی وجہ ہے قدیم زمانے میں قرآنِ حکیم نے نظامِ کائنات سے متعلق غلط خیالات و نظریات کی پوری طرح کھل کر تردید نہیں کی بلکہ ایک حکیمانہ اور دانشمندانہ اسلوب اختیار کیا تاکہ لوگوں کو کسی قسم کی دشواری نہ پیش آئے، یا وہ کسی اور قسم کی غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم کے یہ اشارے اور کنایے اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک متعلقہ علوم کی ترقی نہ ہو جائے، مگر اس حقیقت سے ناواقف لوگ یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ مسلمان تو علوم کی ترقی ہو چکنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس کا ذکر ہمارے قرآن میں موجود ہے، یہ بات وہ پہلے نہیں کہتے۔ اصل میں یہ حکیمانہ اور دنیا کی تاریخ میں حد درجہ انوکھا طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا کہ خدائی منصوبے کے مطابق علوم و فنون کی ترقی ہو جانے کے بعد نوع انسانی کی رہنمائی متعلقہ علوم میں بھی ہو جائے اور اس کے سامنے متعلقہ مسائل میں قرآنی نقطہِ نظر خدا پرستانہ حیثیت سے واضح ہو جائے تاکہ وہ کسی بھی حیثیت سے بھٹکنے اور غلط راہوں پر نکلنے نہ پائیں۔ گویا کہ قرآنِ عظیم انسانوں کو ہر طرح سے اپنی کامل ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے، یہی اس کی اصل رہنمائی اور سب سے بڑا کمال ہے۔ اس بات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہم صرف اپنے دور کے احوال و کوائف، اصول و نظریات اور تحقیقات و انکشافات کے پابند ہیں، ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ قرآن موجودہ دور کے علوم و فنون اور تحقیقات سے متعلق کیا کہتا ہے، پھر ہمیں تمام صحیح اصولوں سے کام لے کر اس کے عظیم ترین وصف ''فرقان'' ہونے کی حیثیت سے اُن علوم و فنون کے کھرے کھوٹے کو چھان چھان کر الگ کر دینا ہے۔ [1]

1۔ ایضاً: ص317

کائنات کی تمام جزئیات کی تفصیل کے حوالے سے وہ بالکل واضح نقطۂ نظر رکھتے ہیں کہ اللہ کو تمام جزئیات و کلیات اور موجودات و معدومات کا علم با کمال درجہ حاصل ہے اس حوالے سے وہ قدیم فلاسفہ اور روافض و فرقہ قدریہ کا جہاں رد کرتے ہیں وہیں وہ جدید سائنس کی روشنی میں اُس کی صحت کو بیان کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں: اس بات کا قطعی ثبوت قرآنِ مجید میں موجود ہے اور اس کا آفاقی نظارہ ہمیں قرآنِ حکیم کو سائنٹفک نقطۂ نظر سے (سائنسی علوم کی روشنی میں) سمجھنے کے بعد یقینی طور پر ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوقات عالم کا خالق ہے اور اس نے اپنے کلامِ برحق کی صداقت و حقانیت کے ثبوت کے طور پر اپنی مخلوقات کے تمام احوال اور کائنات کی مشنری (Machinery) کے ایک ایک پرزے کی ساخت و پرداخت سے متعلق تفصیلی معلومات محض اپنے علم ازلی کی بنا پر پہلے ہی سے ایک منصوبے کے مطابق اپنے کلام میں درج کر دی ہیں۔ قرآن اور سائنسی علوم کے تقابلی مطالعے سے یہ تمام صداقتیں اور سچائیاں ایک ایک کر کے ظاہر و باہر ہو جاتی ہیں اور علم الٰہی کی ازلیت اور اس احاطہ جزئیات کا حال پوری طرح روشن اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ مباحث میں اس قسم کے جتنے بھی حقائق منکشف کئے گئے ہیں ان سب سے بنیادی طور پر یہ ہمہ گیر اور عالمگیر سچائی پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔[1]

اسی طرح کتب عقائد و کلام میں اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات ازلیہ اور صفات کمالیہ سے متعلق جو اصل بحثیں، فلسفیانہ موشگافیوں سے ہٹ کر موجود ہیں ان سب کا اثبات بھی آج قرآن حکیم کے ذریعہ اور سائنسی علوم کی روشنی میں بہت بہتر بلکہ مشاہدہ کے طور پر کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہمارے علماء کو سائنسی علوم کی یہ افادیت اور قرآن

1۔ایضاً۔ص326

حکیم کا یہ اہم اور حیرت انگیز پہلو بھی مد نظر رکھنا چاہیے تا کہ عالم انسانی کو قرآن حکیم کی ابدی و سرمدی صداقتوں سے آگاہ کر کے اس کو اس سرچشمۂ ہدایت کی طرف لایا جاسکے۔

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (1)

کیا وہی بے خبر رہ سکتا ہے جس نے (تمام مخلوقات کو) پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بڑا ہی باخبر ہے۔

وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (2)

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جانتا ہے جو کچھ زمین میں اور دریا میں ہے، اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز ہے مگر یہ سب کچھ کتاب روشن میں ہیں۔

یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ (3)

1۔[الملک:14]

2۔[الانعام:59]

3۔[سبا:2]

وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس میں سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے، اور وہ نہایت رحم والا بخشنے والا ہے۔

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [1]

وہ غیب (تمام پوشیدہ چیزوں) کا جاننے والا ہے۔ اُس (کی نظروں) سے زمین اور اجرام سماوی میں موجود کوئی رتی سی چیز (جیسے ایک ایٹم) یا اس سے چھوٹی (ایٹمی ذرات اور شعاعیں وغیرہ) یا اس سے بڑی (جیسے سالمات، غرض کوئی بھی چیز اُس کے علم سے) غائب نہیں ہو سکتی۔ (بلکہ ان تمام مظاہر کا حال) ایک کھلی کتاب میں مندرج ہے۔

ترمذی کی ایک حدیث میں قرآن حکیم کی جو جامع اور حیرت انگیز صفات بیان کی گئی ہیں وہ آج بالکل مطابق واقعہ نظر آتی ہیں:

فيه نبا ما كان قبلكم، وخبر مابعدكم اوحكم ما بينكم هوالفصل ليس بالهزل، من تركه من جبار قصمه الله، من ابتغىٰ الهدى فى غيره اضل الله، وهو جبل الله المتين، وهو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم، والذى لاتزيغ به الا هوا۔ لا تلبس به الالسنة ولا يشبع منه العلماء، ولا يخلق عن كشرة الرد، ولا تنقضى عجائبه، هوالذى لم تنته الجن اذسمعته حتى قالو اانا سمعنا قرآنا عجبا يهدى الى الرشد، من قال به

1۔[سبا:3]

صدق، ومن عمل به أُجر، ومن حكم به عدل، ومن دعا اليه هُدی الی صراط مستقسيم۔[1]

قرآن میں تمہارے دور سے پہلے دور کی خبریں بھی ہیں اور تمہارے دور کے بعد کے واقعات بھی۔ وہ تمہارے تمام، باہمی معاملات (واختلافات) میں حاکم ہے۔ وہ (ہر معاملے میں) قول فیصل ہے۔ کوئی ہنسی مذاق نہیں جس نے تکبر کی بناپر قرآن کو چھوڑا اللہ نے اس کو ہلاک کیا اور جس نے اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا ذریعۂ ہدایت اختیار کرنا چاہا تو اللہ نے اس کو گمراہ کیا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ وہ حکمت والا تذکرہ ہے۔ وہ سیدھا راستہ ہے۔ وہ ایسا کلام ہے کہ خواہشات کو بے قابو ہونے نہیں دیتا۔ وہ ایسا کلام ہے کہ انسانی زبانیں اس سے میل نہیں کھاتیں۔ علماء کی طبیعت اس سے سیر نہیں ہوتی۔ وہ کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو انہیں یہ کہے بغیر چارہ نہ رہا کہ ''ہم نے ایک نہایت ہی عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے (اب) جس نے بھی قرآن کے مطابق کہا سچ کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا ثواب پایا جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف لوگوں کو بلایا اس نے صراطِ مستقیم کی دعوت دی۔

اس حدیث شریف کے مطابق قرآن حکیم کی جو علمی خبریں آج علومِ جدیدہ کی روشنی میں ہم پر منکشف ہو رہی ہیں وہ نہ صرف قرآن کی بلکہ خود اس حدیث شریف کی حقانیت کا بھی ایک ثبوت بہم پہنچا رہی ہیں۔ ان علمی خبروں کے ملاحظے سے بالکل یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم قرآن حکیم کے روپ میں علمِ الٰہی کی ازلیت وافاقیت کی

---

(1) جامع ترمذی، باب ماجافی فضائل القرآن، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، جلد دوم، ص 282-283۔

ایک ''ٹیلی وژن فلم'' دیکھ رہے ہیں جس میں صحیفۂ فطرت کے نقش و نگار، اس کی رنگا رنگیاں اور اس کے تمام چھوٹے بڑے مظاہر ایک خاص انداز میں درج ہیں۔ اور ان کی ''سیر توں'' کے تمام بنیادی نکات کا اصولی طور پر احاطہ کر لیا گیا ہے۔ اس طرح کہ کوئی معمولی سے معمولی چیز اور کوئی ادنی سا مظہر قدرت بھی درج ہونے سے چھوٹ نہیں سکا ہے مگر اس کی ایک خاص زبان اور ایک خاص اسلوب ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے جیسا کہ خود اس حدیث میں اشارہ موجود ہے(**ولا تلتبس به الالسنة**،انسانی زبانیں اس سے میل نہیں کھاتیں)اس اسلوب کو سمجھ لینا ہی دراصل قرآن کی ''شاہ کلید'' یا master key کو پالینا ہے جس کے ذریعہ اس کے تمام بند دروازے کھل جاتے ہیں اور اسرار و معارف کی بارش ہونے لگ جاتی ہے۔ قرآن کی اسی جامعیت کو مختلف آیات میں بیان کیا ہے مثلاً:

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ[(1)]

اس کتاب میں ہر چیز کا بیان ہے

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ0[(2)]

بلا شبہ ہم نے تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے کیا تم نہیں سمجھتے

اس آیت کی تفسیر میں مفسر ابوالسعود نے بہت بہترین بات تحریر فرمائی ہے کہ اس سے مراد چند شکلیں یہ ہو سکتی ہیں

اس میں تمہاری عزت و شہرت کا بیان موجود ہے جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے: **وانه لذ کر**

---

(1)القرآن، النحل:89

(2)القرآن، الانبیاء:10

لك ولقومك: اس میں تمہارا اور تمہاری قوم کے لئے شرف کا باعث ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تمہارے دینی اور دنیوی امور کا بیان موجود ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس میں ان تمام چیزوں کا بیان موجود ہے جو تمہارے مکارمِ اخلاق کے لئے ضروری ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ اس میں وعظ و نصیحت (اور تنبیہ و انتباہ) کا سامان موجود ہے۔ [1]

3.3۔ سائنس کی حدود

سائنس کوئی حتمی اور یقینی علم نہیں ہے بلکہ یہ ایک محدود علم ہے جو صرف چند جزئیات ہی کے متعلق انکشافات کر سکتا ہے۔ کائنات میں ایسے سوالات بھی موجود ہیں جو سائنس کے موجودہ بلکہ آئندہ فہم سے بھی ماوراء ہیں۔ سائنس نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ خود کو خاص طرح کے استفسار تک محدود رکھنے سے حاصل کی ہے اور اس محدود میدان عمل میں بھی آج کا سائنس دان یہ جانتا ہے کہ وہ کب اور کہاں محض فکر کا سہارا لے رہا ہے۔

یونانی سائنس دانوں سے لے کر موجودہ دور کے سائنس دانوں تک جو نظریات پیش کرتے رہے ہیں ان میں سے کوئی نظریہ بھی ایسا نہیں جو حتمی اور قطعی ہو۔ سائنس محض مفروضات پر مبنی ہے اور مختلف اوقات میں یہ مفروضے بدلتے رہے ہیں۔ ایک سائنس دان نے اپنے وقت میں کوئی مفروضہ قائم کیا تو دوسرے سائنس دان نے اسے اپنے وقت میں جھٹلا دیا اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ دوسرے سائنس دان کے مفروضہ کو تیسرے سائنس دان نے غلط قرار دیا۔ مثلاً زمان و مکان اور فطرت وغیرہ سے متعلقہ نظریات مختلف اوقات میں مختلف رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایک نظریہ ایسا نہیں جس پر تمام سائنس دان متفق ہوئے ہوں۔ کبھی ''اصول تعین'' سامنے آیا تو کبھی ''اصول لا تعین''۔ ہائزن برگ نے

---

1 تفسیر ابو السعود، بر حاشیہ تفسیر کبیر جلد 7 ص 73-74، بحوالہ نشاۃ ثانیہ: ص 318۔

''اصول لاتعین'' پیش کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر ایسے تجربات کیے جا سکتے ہیں کہ جن سے یہ اندازہ ہو کہ الیکٹران کہاں ہے مگر ان تجربات کے باعث یہ امکان ختم ہو جاتا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا الیکٹران حرکت میں تھا؟ اور اگر حرکت میں تھا تو کس رفتار سے تھا؟ گویا حتمی طور پر چیزوں کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

میسن کا کہنا ہے کہ

> ''مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ سائنس کا محقق قطعاً اس قابل نہیں کہ وہ مادی کائنات کی ابتداء کے متعلق کچھ بھی کہہ سکے۔ جونہی وہ مادی علل و معلول سے آگے قدم رکھتا ہے اس کا ضابطہ قانون غائب ہو جاتا ہے''۔

بقول ہیکل:

> ''ہمیں اس امر کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ ہم جس قدر اس جوہر کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے یہ کائنات مرکب ہے اور مادہ اور توانائی جس کے خصائص ہیں وہ اور معمہ بنتا جا رہا ہے۔ ہم اس کی محسوس شکلوں کا اور ان کی ارتقائی منازل کا علم تو حاصل کر سکتے ہیں، لیکن محسوس شکلوں کے پیچھے جو اصل حقیقت ہے اس کے متعلق ہم کچھ بھی نہیں جان سکتے''۔

سر جیمز جینز کا کہنا ہے کہ

> ''جو کچھ کہا گیا ہے اور جو نتائج تجرباتاً پیش کیے گئے ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ تمام محض قیاسی اور غیر یقینی ہیں''۔

سائنس دانوں کو یہ یقین ہو چلا ہے کہ سائنس محض سطح کائنات کی کتاب خوانی ہے۔ اس کی حقیقت کا علم اس کے اندر رہے ہی نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ بقول جیمز آرنلڈ کروتھر:

''نظام فطرت اپنی گہری بنیادی سادگی میں اس قدر تحیر انگیز ہے کہ دنیائے سائنس میں کسی موضوع پر حرف آخر آخری انسان کے لیے ہی چھوڑ دینا پڑتا ہے''۔

اسی طرح سر فرانسس کا کہنا ہے کہ:

''ہم سائنس سے جو کچھ معلوم کر سکے ہیں وہ اتنا ہی ہے کہ فطرت کے متعلق ہم کبھی بھی سب کچھ نہیں جان سکتے''۔

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

''سائنس حقیقت کے مختلف گوشوں کے مطالعہ کا نام ہے لیکن یہ علم محدود ہے اور ساتھ ہی غیر یقینی بھی''۔[1]

فطرت اور سائنس: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان فطرت کو سمجھ سکتا ہے؟ اور اگر سمجھ سکتا ہے تو کس حد تک؟ سائنس دانوں نے اگرچہ فطرت کے مضمرات سے پردہ اٹھانے کی حتی الوسع کوشش کی ہے لیکن وہ مکمل طور پر فطرت کو نہیں جان سکے۔ بقول ہیکل:

''ہمیں اس امر کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ فطرت کی کنہ و حقیقت سے ہم آج بھی اسی قدر بے خبر ہیں جس قدر آج سے دو ہزار چار سو سال بیشتر حکمائے یونان یا دو سو سال پہلے نیوٹن اور اسپنوزا (Spinoza) یا سو سال پہلے کانٹ اور گوئٹے بے خبر تھے، ہمیں اس امر کا اعتراف بھی کر لینا چاہیے کہ ہم جس قدر اس جوہر کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے یہ کائنات مرکب ہے اور مادہ اور توانائی جس کے خصائص ہیں وہ اور معمہ بنتا جا رہا ہے۔ ہم اس کی محسوس شکلوں کا اور ان کی ارتقائی منازل کا علم تو حاصل کر سکتے ہیں لیکن ان محسوس شکلوں کے پیچھے جو اصل حقیقت ہے

1(تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص12۔13)

اس کے متعلق ہم کچھ بھی نہیں جان سکتے۔''

ہکسلے(Huxley)کا کہنا ہے کہ

''مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ سائنس کا محقق قطعاًاس قابل نہیں کہ وہ مادی کائنات کی ابتداء کے متعلق کچھ بھی کہہ سکے۔ جونہی وہ مادی علت و معلول سے آگے قدم رکھتا ہے اس کا ضابطہ قانون غائب ہو جاتا ہے''۔

سر جیمز جینز کا کہنا ہے کہ

''جو کچھ کہا گیا ہے اور جو نتائج تجرباتاً پیش کیے گئے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ وہ تمام محض قیاسی اور غیر یقینی ہیں۔ ہم نے اس مسئلے پر بحث کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیا عہد حاضر کے سائنس دان ان مشکل مسائل کے متعلق جو ہمیشہ کے لیے ماورائے سرحد ادراک رکھے گئے ہیں کچھ کہہ سکتی ہے؟ ہم زیادہ سے زیادہ روشنی کی ایک مدہم کرن دیکھ پائے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے اور ہو سکتا ہے کہ یہ کرن بھی فریب نظر ہی ہو۔ اس لیے کہ اس باب میں ہمیں کچھ دیکھنے کے لیے اپنی آنکھوں پر بہت بوجھ ڈالنا پڑا ہے۔ سو آج یہ دعویٰ قطعاً نہیں ہو سکتا کہ دور حاضر کی سائنس کوئی یقینی اعلان کر سکتی ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ سائنس کو چاہیے کی اس قسم کے اعلان کرنا چھوڑ دے''۔

بقول فرانسس ہسبینڈ (Francis Husband)

''ہم سائنس سے جو کچھ معلوم کر سکے ہیں وہ اتنا ہی ہے کہ علم کا سمندر بے کنار ہے۔ ہم یہی معلوم کر سکتے ہیں کہ فطرت کے متعلق ہم کبھی بھی سب کچھ جان نہیں سکتے۔''

یہ وہی بات ہے جو فرشتوں نے خدا کے حضور کہی تھی

{لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا}[1]

(ہم کچھ نہیں جانتے مگر جو کچھ ہمیں سکھایا گیا۔)

عمر خیام کے فلسفہ کے مطابق:

''معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد''(معلوم ہوا کہ کچھ بھی معلوم نہیں)

بقول پروفیسر سلیوان(W.N.Sillivan)

''سائنس کو اب اپنی حقیقت کا احساس ہو گیا ہے، اس لیے اب اس میں فروتنی اور انکسار بھی آگیا ہے۔ اب ہمیں یہ نہیں پڑھایا جاتا کہ حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لیے سائنس کا طریقہ ہی واحد طریقہ ہے۔ اب تو دنیائے سائنس کے مشاہیر اس امر پر مصر ہیں کہ جہاں تک ادراک حقیقت کا تعلق ہے سائنس صرف جزوی سا علم بہم پہنچا سکتی ہے''۔[2]

خود آزمائی

سوال نمبر 1: سائنسی تحقیق و جستجو کے اسلامی محرّکات سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

سوال نمبر 2: سائنسی تحقیق و جستجو کے اسلامی محرّکات میں قرآن حکیم کی اہمیّت بیان کریں۔

سوال نمبر 3: سائنسی تحقیق و جستجو میں تفکّر کی اہمیّت کو قرآن حکیم کی روشنی میں واضح کریں۔

سوال نمبر 4: عقل کی اہمیّت اور مقام کو سائنسی تحقیق و جستجو میں تفصیل سے بیان کریں۔

1[البقرۃ:32]

2(تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص32-34)

سوال نمبر5: مسلم مفکّرین کے ہاں اسلامی تعلیمات کو سمجھنے میں عقل کی اہمیّت کو واضح کریں۔

سوال نمبر6: سائنسی نظریات کے بارے میں ایک مسلم محقّق کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟

سوال نمبر7: جدید سائنسی حقائق کی روشنی میں قرآنی آیات کی تشریح و توضیح کے بارے میں بہتر نقطہ نظر کیا ہے؟

سوال نمبر8: جدید سائنسی حقائق کی روشنی میں ایک غیر مسلم کو اسلام کی طرف کیسے دعوت دی جاسکتی ہے؟

سوال نمبر9: سائنس کی حدود(limitations of science) سے کیا مراد ہے؟ مثالوں سے واضح کریں۔

سوال نمبر10: کائنات میں تعقّل و تفکّر اور تحقیق و جستجو اور کے بارے میں دس آیات مع ترجمہ تحریر کریں۔

یونٹ نمبر:04

اسلام کا تصوّر کائنات و فطرت،

حیات کا آغاز و حقیقت

فہرست

یونٹ کا تعارف

تفکّر کائنات میں غور و فکر کو کہا جاتا ہے یعنی پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کی جو نشانیاں (آیات) پھیلی ہوئی ہیں ان میں سوچ اور فکر کر کے رب ذوالجلال کی معرفت حاصل کرنا۔ تفکر معرفت کا سبب ہونے کی وجہ سے افضل عبادت ہے۔ اسی تناظر میں اس یونٹ میں کائنات، علم کائنات، کائنات کے جدید تصور اور کائنات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے قرآنی اور سائنسی استشہاد پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ سائنس کی روشنی میں زندگی کی آغاز کے مختلف نظریات اور کائنات اور حیات کی تخلیق کے اسلامی تصور کو واضح کیا ہے اور آخر میں حیات اور کائنات کا آغاز اور ارتقاء ایک حادثہ ہے یا منصوبہ (Chance or Design) کو سائنسدانوں کے اقوال کی روشنی میں بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ حیات اور کائنات کا آغاز و ارتقاء محض اتفاق سے کسی ہستی کے ارادہ کے بغیر ممکن نہیں۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. کائنات اور علم کائنات کی تعریف اور اس کی اہم شاخیں بیان کر سکیں۔
2. کائنات کے جدید تصوّر کی وضاحت کر سکیں۔
3. کائنات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے قرآنی استشہاد پر نوٹ لکھ سکیں۔
4. سائنس کی روشنی میں زندگی کی ابتداء کے مختلف نظریات پر بحث کر سکیں۔
5. کائنات اور حیات کی تخلیق کے اسلامی تصور کو واضح کر سکیں۔
6. ''حیات کا آغاز'' ایک حادثہ یا منصوبہ؟ سائنسدانوں کے اقوال کی روشنی میں واضح کر سکیں۔
7. قرآن کے ستۃ ایام یعنی چھ دنوں کی جدید سائنس کی روشنی میں تشریح کر سکیں۔
8. کیا محض اتفاق وارتقاء (Chance & Evolution) کے ذریعے حیات و کائنات کا آغاز و ارتقاء ممکن ہے، تفصیل سے بحث کر سکیں۔

1۔اسلام کا تصوّر کائنات وفطرت

1.1:کائنات کا تصوّر

''کائنات'' کے مفہوم میں زمین و آسمان میں موجود تمام اشیاء مثلاً انسان، حیوانات، نباتات، معدنیات، سورج، چاند، ستارے، تمام جاندار اور بے جان اشیاء شامل ہیں۔ انگریزی زبان میں ''کائنات'' کو ''یونیورس''(Universe) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

علم الکائنات

کائنات کے علم کو کئی شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بے جان چیزوں پر مشتمل کائنات کو ''طبعی کائنات'' کہا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں طبعی کائنات یا کونیات کا علم (Cosmology) کہلاتا ہے جس کی تین بڑی شاخیں ہیں۔

تکوینیات

اس میں کائنات کی ابتداء اور تخلیق کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ یہ علم انگریزی میں (Cosmogony) کہلاتا ہے۔

کائنائیت

طبعی کائنات کے ارتقائی مراحل کا مطالعہ کائنائیت (Cosmogony) کہلاتا ہے۔ جس میں سورج، سیاروں، چانداور زمین کے معرض وجود میں آنے سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

کائنات نگاری

کائنات نگاری(Cosmography) میں طبعی کائنات کی ساخت اور عام خصوصیات کا علم شامل

ہے۔اس مقصد کے لیے زیادہ تر نقشوں سے کام لیا جاتا ہے۔

عالم

مسلم فلاسفہ کے ہاں "کائنات" کی بجائے "عالم" کا لفظ مستعمل ہے جو انگریزی لفظ یونیورس (Universe) ہی کا مترادف ہے۔ "عالم" سے مراد ہے وہ چیز جس کے ذریعے کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے دنیا کی کسی ایک چیز کو بھی "عالم" کہا جا سکتا ہے اور تمام مجموعہ اشیاء کو بھی "عالم" کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مسلمان فلاسفہ نے آسمان اور اس میں موجود تمام اشیاء کو "**العالم الکبیر**" (یعنی بڑا عالم) کہا ہے اور انسان کو "**العالم الصغیر**" (چھوٹا عالم) کا نام دیا ہے۔ بعض نے "**عالم**" کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ اجسام و اعراض میں سے جس کسی سے خالق کا علم حاصل ہو وہ "**عالم**" ہے۔

ابن رشد کا کہنا ہے کہ ذات الہیہ سے جب عقل اول کا ظہور ہوا تو اس عقل اور مادی عالم کا نشو و نما بغیر کسی ابتدا یا مثال کے درجہ بدرجہ ہوتا رہتا ہے۔ اللہ صرف علت اولی ہے جس کی فعالیت اور اس عالم کے درمیان متعدد واسطے موجود ہیں۔

مسلم فلاسفہ نے عالم اور خالق عالم سے متعلق دو اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ایک قدیم اور دوسری حادث۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ باقی پوری کائنات جو اللہ کی تخلیق ہے "**حادث**" ہے۔ جو کسی بھی لمحہ پیدا ہو سکتی ہے، متغیر ہو سکتی ہے اور فنا ہو سکتی ہے اور اس کو دوام حاصل نہیں۔

اخوان الصفاء کے نزدیک خدا اور کائنات کا ربط یوں ہے کہ اس عالم کی تمام اشیاء کسی نہ کسی طریقے سے خدا سے تعلق رکھتی ہے۔ خواہ وہ کروں کی صورت میں ہوں، جانداروں کی شکل میں یا ارواح کی صورت میں لیکن اس تعلق کے باوجود خدا ایک علیحدہ وجود رکھتا ہے۔

البیرونی کے نزدیک عالم عدم محض سے وجود میں آیا۔اس کا عقیدہ ہے کہ خدا کو عالم پر مکمل دسترس حاصل ہے اور اسے کائنات کی جزئیات کے ظاہر و باطن کا علم ہے۔اس کے نزدیک عالم حادث ہے اور ذات باری تعالیٰ قدیم۔اس کے نزدیک زمان کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا بھی جسے خالق حقیقی نے مقرر کیا ہے۔

امام غزالی: امام غزالی "قدیم عالم کا ابطال" کے زیرِ عنوان مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ مبدا فیض قدیم ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کے فیضان کا یہ عمل بھی قدیم ہو۔عالم کو حادث ماننے سے لازم آتا ہے کہ ہم تخلیق و آفرینش کے فعل کو بھی حادث تسلیم کریں جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ اس تماشا گاہ عالم کا وجود پہلے نہیں تھا اور پھر کسی خاص مرحلہ میں یہ عدم سے ابھرا اور اثبات و یقین کی سطح پر فائز ہوا۔

سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ عالم کیوں وجود میں نہیں آسکا۔اس سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ اس کی تخلیق پر قادر نہ تھا اور اسے ایک خاص مرحلہ میں قدرت حاصل ہوئی۔یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے پہلے اس عالم کا حدث محال تھا اور اب ممکن ہوا۔

غزالی کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ مرید یا ارادہ کناں ہے اس لیے اس نے جب چاہا اور ارادہ کیا اس عالم کو ہویدا کر دیا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ارادہ اس سے پہلے کیوں حرکت میں نہیں آیا اور اس ارادے کا محرک کون ہے۔؟ اگر اس ارادہ کا کوئی محرک موجود ہے تو خود اس محرک کا محرک کون ہے؟ اس طرح محرکات کا سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا جائے گا۔مادہ سے متعلق غزالی کا کہنا ہے کہ مادہ ہمیشہ کسی نہ کسی صورت اور کیفیت کے ساتھ وجود پر فائز رہا اور تغیر و تبدل جب بھی واقع ہوا صورت و کیفیت میں واقع ہوا۔نفس مادہ میں نہیں۔

"ارادہ" کی توضیح کرتے ہوئے غزالی کہتا ہے کہ "ارادہ" سے مقصود انسانی ارادہ نہیں بلکہ اس سے مراد صرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ علم الٰہی میں تخلیق و آفرینش کا ایک خاص نقشہ ازل سے موجود ہے اور یہ بات اس نقشہ میں شامل ہے کہ اس میں وجود و تحقیق کا رنگ وقت و زمان کی کن کن نسبتوں سے بھرا جائے گا۔اور اللہ

تعالیٰ اس نقشہ کی تکمیل کا کب اہتمام کرے گا۔اور پھر جب وہ وقت آجاتا ہے یا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، مرتبہ علمی سے نکل کر فعل و تحقیق کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ وقت و زمان میں یہ موڑ جس حقیقت کے سبب آتا ہے اسے شریعت میں "ارادہ" کہتے ہیں۔ غزالی کے نزدیک ارادہ الٰہی ازلی ہے۔ وہ اشیاء عالم کے تحقق و تخلیق کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس عالم میں جو کچھ مستقبل میں ہونے والا ہے وہ ازل سے علم الٰہی میں متعین و مرتب ہے۔اس کے نزدیک تخلیق و آفرینش کے عمل کا مفہوم یہ ہے کہ علم الٰہی میں جو چیز جس ترتیب و اسلوب سے متعین و مرتب ہے اس کی تکمیل ہوئی ہے۔اس علم الٰہی میں کوئی تجدد اور کوئی نئی صورتحال پیدا نہیں ہوئی کہ جس کے لیے ارادہ کے علاوہ کسی اور مرجع کو تسلیم کیا جائے۔ گویا غزالی کے نکتہ نگاہ سے ارادہ الٰہی کو ازلی مانتے ہوئے بھی جملہ تغیرات عالم کی ارادہ کی روشنی میں توجیہہ ممکن ہے۔

غزالی کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض تخلیق و ایجاد کا تعلق اس کے ارادہ سے ہے۔ جب اس نے چاہا عالم کو پیدا کیا اور جب چاہے گا اس کو ختم کردے گا۔ موجودہ تحقیقات نے غزالی کے موقف کی تائید کردی ہے۔اور یہ ثابت کردیا ہے کہ افلاک و نجوم و کواکب کا یہ نظام اپنی محکمی و استواری کے باوجود روبہ زوال ہے۔ آفتاب میں آہستہ آہستہ گرمی کی مقدار کم ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے غار اور گڑھے ابھر رہے ہیں اور اس کی ضو فشانیوں کا دائرہ بتدریج سکڑ رہا ہے۔

1.2: کائنات کا جدید تصور

موجودہ دور میں کائنات کا تصور سمیریوں، کلدانیوں، مصریوں، ہندیوں اور یونانیوں کے تصور کائنات سے یکسر مختلف ہے۔ بیسویں صدی میں سائنس کی رفتار حیرت انگیز حد تک اتنی تیز ہوگئی کہ اس نے جتنا کام گزشتہ چار ہزار سال میں نظریاتی طور پر کیا تھا اتنا ہی ایک سو سال میں عملی طور پر ہو گیا۔اس صدی میں سائنسی نقطہ نظر اور سائنسی طرز عمل میں ایسی بنیادی تبدیلیاں ہوئیں کہ اس سے پہلے تاریخ کے کسی دور میں نہ ہوئی تھیں۔ تمام سابقہ

نظریوں کا اجتماع و استحکام اسی صدی میں ہوا۔ اس صدی میں کائنات اور اس سے متعلق مختلف علوم سامنے آئے۔ مثلاً میکانیات، ذراتی طبیعات، ریڈیائی فلکیات، طبعی فلکیات، عجمی فلکیات، فزکس، کیمسٹری، ارضیات، نباتیات، حیوانیات، طب، ریاضیات، جغرافیہ، زراعت وغیرہ وغیرہ۔[1]

1.3: کائنات میں تفکّر اور غور و فکر: معرفت الٰہی ہی کا ذریعہ

تفکّر کائنات میں غور و فکر کو کہا جاتا ہے یعنی پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کی جو نشانیاں (آیات) پھیلی ہوئی ہیں ان میں سوچ اور فکر کر کے رب ذوالجلال کی معرفت حاصل کرنا۔ تفکر معرفت کا سبب ہونے کی وجہ سے افضل عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسن بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنا کہ ایمان کا نور اور روشنی تفکر ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے تفکرساعة خير من قيام ليلة یعنی تھوڑی دیر کا غور و فکر کرنا پوری رات کے قیام (عبادت) سے افضل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آیات قدرت میں غور و فکر کرنے کے برابر کوئی عبادت نہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے تفکر کو افضل ترین عبادت قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کون سا عمل افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدائے پاک کا علم۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کون سا علم مراد لے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدائے پاک کا علم۔ صحابہ نے عرض کیا ہم عمل کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں اور آپ ﷺ علم کے متعلق جواب دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع دیتا ہے اور جہالت کے ساتھ زیادہ عمل بھی فائدہ نہیں دیتا۔

---

[1] (تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ص 37۔۔۔۔52، تغیّر و تبدّل و اختصار کے ساتھ)

اس حدیث پاک میں جس چیز پر زور دیا گیا ہے وہ خدائے پاک کا علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جاننا۔اس کے اعمال اور صفات کا علم حاصل کرنا اور اس کے مختلف تخلیقی کارناموں اور کرشمہ سازیوں سے واقف ہونا اور اس کی کبریائی و عظمتوں سے واقفیت حاصل کرنا اصل میں اللہ تعالیٰ کا علم حاصل کرنا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کہ کنہ و حقیقت سے کوئی انسان واقف نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ انسانی حواس و عقل سے **"وراء الوراء ثم وراء الوراء"** ہے اس لئے اس کی ذات میں غور و فکر سے منع کیا ہے اور کائنات میں غور و فکر کا حکم دیا ہے۔ جیسے کہ اکابرین معرفت کی وصیت ہے:

تفکروا فی ایات اللّٰہ ولا تتفکروا فی اللّٰہ۔[1]

بلکہ ایک روایت میں ہے **تفکروا فی خلق اللہ ولا تتفکروا فی اللہ** یعنی اللہ کی آیات میں غور و فکر کرو لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔

اس کے لئے قرآن عظیم کی کئی آیات میں تفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ سورۃ آل عمران کے آخری رکوع میں اولوا الالباب (عقل مندوں) کی ایک اہم صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ زمین وآسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ لیکن وہاں تفکر سے پہلے ذکر اللہ کو بیان کیا ہے کیونکہ تنہا فکر کافی نہیں بلکہ گمراہی کا سبب بھی ہو سکتا ہے۔اس لئے اس کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کی عظمت کا استحضار انتہائی ضروری ہے۔

کافر بھی کائنات میں غور و فکر کرتا ہے لیکن وہ اسباب و علل سے آگے نہیں جا سکتا جبکہ مومن آفاق و انفس میں غور و فکر سے رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا علم حاصل کر کے خدا تعالیٰ کا تعارف حاصل کرتا ہے۔ کائنات میں غور و فکر سے مراد تمام مخلوقات عالم کے عجائبات میں سوچ بچار اور ان کا علم (مراد) ہے۔ صرف

---

[1](بحوالہ معارف القرآن ج 2، ص 266)

زمین پر نباتات وحیوانات کی 15 لاکھ (پندرہ لاکھ) سے زیادہ اقسام (Species) ہیں۔ مثلاً تمام انسان ایک قسم ہے۔ تمام چیونٹیاں اربوں کھربوں کی تعداد ایک قسم ہے تمام کوے ایک نوع (Species) ہے وغیرہ وغیرہ۔

پھر ایک ایک قسم کے اندر رب تعالیٰ کی بے شمار قدرتیں اور نشانیاں ہیں جن کے لکھنے کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں مثلاً صرف پودوں کے پتوں کے اندر خوراک تیار کرنے کے نظام کو سمجھنے اور بیان کرنے کے لئے ہزاروں صفحات پر مشتمل کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ابھی تک ماہرین نباتیات (Botanists) یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اس حوالہ سے سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے شیخ سعدی رحمہ اللہ آج سے سینکڑوں سال قبل یہ بات مومنانہ فراست سے کہہ چکے ہیں کہ

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار

ہر ورقے دفتر ایست معرفت کردگار

یعنی ایک ہوشیار اور عقل مند آدمی کی نظر میں درختوں کے پتوں میں پروردگار کی معرفت کے دفتر موجود ہیں۔ یعنی یہ سبز پتے کیسے اور کس انداز سے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرکے فضا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرتے ہیں زمین سے پانی اور نمکیات کو ملا کر گلوکوز اور شکر تیار کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کی گلوکوز اور شکر بنانے کی یہ فیکٹریاں ایسی ہیں جو باقی تمام حیوانات اور انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں لگی ہوئی ہیں اور کبھی بند نہیں ہوتیں۔ ایک اور شاعر نے کیا پیاری بات کہی ہے کہ

ہر گیاہے کہ از زمین روید

وحدہ لاشریک لہ گوید

یعنی زمین سے جو گھاس اور جو پودا بھی نکلتا ہے وہ گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں وہ اکیلا ہے۔ یعنی سامنے شکل کے لحاظ سے بھی کہ صرف سنگل شاخ کے طور پر نکل کر بھی اور پھر اپنے اندر پورے

پیچیدہ نظام کو لیتے ہوئے پیدا ہو کر بھی، جس کا ذکر ابھی ہوا ہے۔

علاوہ ازیں جدید سائنس (خصوصاً فلکیات جدیدہ) نے تفکر کی مزید راہیں کھولی ہیں اور جس زمین، چاند اور سورج کو ہم کل کائنات سمجھتے تھے وہ سارا نظام شمسی کل کائنات کے مقابلے میں ایک ذرہ کے برابر نکلا۔ انسان نے جب تحقیق کی اور زمین سے آسمان تک کی وسعتوں کا مشاہدہ کیا تو خدا کی عظمت کے بے شمار نشان نظر آئے۔ مثلاً:

ہماری زمین کا قطر بارہ ہزار سات سو چون کلو میٹر (12754) ہے۔ جبکہ جیوپیٹر (Jupitar) کا قطر ایک لاکھ بیالیس ہزار سات سو چون کلو میٹر (142754) ہے اور نظام شمسی کے مرکز یعنی سورج کا قطر (Diameter) چودہ لاکھ کلو میٹر (1400000) ہے یعنی زمین سے 109 گنا بڑا۔ قطر کی یہ وسعت کم نظر آنے لگتی ہے جب ہم اپنی کہکشاؤں کا قطر معلوم کرتے ہیں جو کہ ایک لاکھ کو جب 95 کھرب سے ضرب دی جائے اس کے حاصل ضرب کے برابر کلو میٹر کا قطر ہماری کہکشاں (Milky ways) کا ہے۔ جس کا عرض 20 ہزار x95 کھرب کلو میٹر ہے۔ اسی کہکشاں میں ہمارا نظام شمسی بھی ہے اور اس میں ایک سو ارب سے زیادہ ستارے (100,000000000) پائے جاتے ہیں۔ ہمارا پورا نظام شمسی اس کہکشاں کے ایک کونے میں چھوٹا سا ٹکڑا نظر آتا ہے اور سائنسی تحقیق سے ایسی ہی مزید ایک سو ارب کہکشاؤں کا سراغ لگایا جا چکا ہے۔ یہ تو جسامت کے لحاظ سے کائنات کی وسعت کا اندازہ تھا اب فاصلوں کے حوالہ سے اندازہ کیجئے۔ زمین سورج سے صرف 15 کروڑ کلو میٹر دور ہے جبکہ نیپچون (Naptune) کا سورج سے فاصلہ چار ارب 49 کروڑ 50 لاکھ کلو میٹر دور ہے۔ (4495000000)۔ پلوٹو (Pluto) کا سورج سے فاصلہ 5 ارب 91 کروڑ کلو میٹر ہے۔ یہ فاصلے اس وقت بہت معمولی رہ جاتے ہیں جب ملکی وے (Milky way) کا فاصلہ 92 ہزار xایک ہزار xایک ارب کلو میٹر کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ مزید کہکشاؤں کے فاصلے جو کہ اب متعین ہو رہے ہیں۔ وہ ہندسوں یا لفظوں میں پورے نہیں لکھے جا سکتے۔

اب ذرا آگے بڑھئے اور وقت کے حوالہ سے کائنات کی وسعت کا اندازہ لگایئے جدید زمانے کی ریڈیائی ہیت دانوں نے ایک کہکشانی نظام کا مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق اندازہ ہے کہ اس کی وہ شعاعیں جو اس سے چار ارب نوری سال سے بھی پہلے روانہ ہوئی تھیں وہ آج ہم تک پہنچی ہیں۔ ستاروں کا فاصلہ ماپنے کے لئے ہمارے اعداو شمار ناکافی ہیں اس لئے نوری سال کی اصطلاح وضع کی گئی ہے ، نور یعنی روشنی ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلو میٹر سے زیادہ سفر طے کرتی ہے اس طرح ایک سال میں اس کا سفر تقریباً 95 کھرب کلو میٹر ہوا۔ یہ فاصلہ ایک نوری سال کا ہے اب 4 ارب کو 95 کھرب سے ضرب دیجئے تو کہکشاں کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا فاصلہ یا وقت معلوم ہو گا۔

ایک روشنی جو ایک کہکشاں سے چلی ہے وہ ہمارے کرہ (زمین) تک کتنے وقت میں پہنچتی ہے۔ تازہ ترین مشاہدے میں ایسی کہکشاں بھی دیکھی گئی ہیں جن کی روشنی ہم تک دس ارب نوری سال میں پہنچتی ہے یعنی اس نے دس ارب x95 کھرب کلو میٹر کا فاصلہ طے کیا ہے۔

ہماری کہکشاں (جو کہ ایک سو ارب ستاروں پر مشتمل ہے) سے قریب ترین کہکشاں 20 لاکھ نوری سال کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تمام کہکشائیں بڑی دوربین (Telescope) سے نظر آتی ہیں۔ ہم اپنی آنکھ سے صرف چار کہکشاں دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری کہکشاں انیس (19) دیگر کہکشاؤں کے ساتھ مل کر ایک گروپ بناتی ہیں۔ اس گروپ کا قطر پچیس لاکھ نوری سال ہے۔

یہ تمام کہکشائیں ہم سے نیز ایک دوسرے سے دور جا رہی ہیں اور کائنات میں زبردست توسیع ہو رہی ہے۔ ماہرین فلکیات کا یہ متفقہ فیصلہ کہ

All the galaxies are racing away from us and from each other .... this suggests that the whole universe is expanding.

تمام کہکشائیں ہم سے نیز ایک دوسرے سے دور بھاگ رہی...... معلوم ہوتا ہے کہ کائنات
پھیل رہی ہے۔[1]

سورج صرف آگ کا کرہ ہی نہیں بلکہ قدرت نے اس کو برقی قوت کا منبع بھی بنایا ہے۔اس سے جو توانائی (Energy) خارج ہوتی ہے وہ فی سیکنڈ چالیس لاکھ ٹن ہوتی ہے اور وہ اس حساب سے 24 گھنٹوں میں 3 کھرب 45 ارب 60 کروڑ ٹن قوت خارج کرتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ سورج کیا ہے ایک عظیم ترین آگ کا الاؤ۔اور ساتھ ساتھ یہ سوچئے کہ یہ پیدائش سے لے کر اب تک کتنے ٹن قوت خارج کر چکا ہوگا اس میں نہ کمی ہوئی اور نہ ہوگی۔ سورج کے خالق نے اس میں ایسا نظام کیا ہے کہ طاقت خود بخود بنتی رہتی ہے۔ سورج کی سطح کی حدت 5 ہزار 5 سو سینٹی گریڈ ہے اور مرکزی حصے کا درجہ حرارت کا اندازہ 5 کروڑ سینٹی گریڈ کیا گیا ہے۔آفاق و کائنات کا یہ مختصر ساخاکہ رب العالمین کی کائنات میں سے ایک چھوٹی سی جھلک ہے ورنہ ابھی تک سائنسدان یہ تاکید سے نہ کہتے کہ جو کائنات ہم نے دریافت کی ہے اس سے کہیں زیادہ کائنات کا وہ حصہ ہے جو ابھی تک دریافت نہیں ہوا۔ کائنات کے اس مختصر سے خاکے کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ انسان کائنات کی ان تمام وسعتوں پر غور وفکر کرے اور اس غور وفکر کے نتیجے میں خالق کائنات کی عظمت و قدرت کا جو احساس وادراک حاصل ہو اور جو کیفیت قلب میں پیدا ہو اس کے نتیجے میں رب تعالیٰ کی حکمت وقدرت کے ظہور کے بعد علی وجہ البصیرت ایمان حقیقی کی بنیاد بنے اور آج کا جدید انسان تمام وسعتوں کے مطالعہ کے بعد دل کی گہرائیوں سے یہ آواز سنے:

"ہاں اے کائنات کے خالق و مالک آپ نے یہ وسیع و عریض کائنات بے کار اور عبث تو پیدا

---

[1] (بحوالہ میری آخری کتاب۔از ڈاکٹر غلام جیلانی برق،ص 20)

نہیں کی بلکہ ایک عظیم منصوبے کے تحت ایک مقصد کے لئے پیدا کی ہے۔اور اس مقصد کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ (رب العالمین) نے اس زمین پر اپنے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نمائندے (رسول و نبی) بھیجے اور آخر میں اپنے سب سے بڑے نمائندے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا کہ وہ قرآن کی آیات بینات سے تمام انسانیت کو سمجھائیں کہ کائنات اور اس میں انسان صرف طبعی قوانین (Physical Laws) کے تحت ارتقائی عمل (Evolutionary Process) کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ رب کائنات کی تخلیق کا نتیجہ ہیں تاکہ انسان رب تعالیٰ کی تشریعی قوانین کی پابندی کرتے ہوئے اس کی رضا کا طالب ہو اور یوں وہ یہاں بھی اور مرنے کے بعد والی حقیقی زندگی یعنی آخرت میں کامیاب ہو"۔[1]

2۔حیات کا آغاز و تخلیق۔اسلام و سائنس کی روشنی میں

مذاہب عالم اور جملہ نظریات جدیدہ میں اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو انسان کی تمام شعبہ ہائے حیات کے ساتھ سائنس کے میدان میں بھی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا رہے گا۔یہ بات کیوں نہ ہو آخر اسلام کا منزل و معطی جس طرح تمام زمان و مکان سے ماوراء ہے اسی طرح اس کا نازل کردہ دین بھی کسی خاص زمان و مکان (Time and Space) کا پابند نہیں بلکہ ہر زمان و مکان کے لئے مکمل اور اپ ٹو ڈیٹ (Up-to-date) ہے۔

---

[1](پروفیسر عبدالماجد: اسلام اور سائنس، تصادم یا توثیق ، SIRST, مانسہرہ، 2008، ص10۔15)

اس سے پیشتر کہ راقم السطور تخلیق کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کرے، یہ ضروری ہے کہ سائنس کی رائے پیش کرے اور مغربی ماہرین سائنس کی زبانی یہ معلوم کیا جائے کہ ابھی تک سائنس نے زندگی کی ابتداء کے بارے میں جو نظریات پیش کئے ہیں کیا وہ عقلی و منطقی طور پر درست ہیں یا کچھ ایسی کڑیاں ہیں جو کہ ابھی تک ماہرین سائنس کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ بعد ازاں ابتدائے حیات و کائنات کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بیان کر دی جائیں اور سائنس اور اسلام کا عنوان مذکورہ کے بارے میں تقابل (Comparison) پیش کر دیا جائے اور آخر میں یہ بتا دیا جائے کہ سائنس کے اصل حقائق اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں بلکہ تضاد تو سائنس کی شکل میں لادینی نظریات سے ہے کیونکہ کائنات اللہ کا فعل ہے (سائنس کائنات اور جو کچھ اس میں موجود ہے ان کے بارے میں مشاہدات و تجربات کا نام ہے) اور قرآن خدا کا قول ہے اس لئے ایسی علم و خبیر ہستی کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہو سکتا۔

2.1 سائنس کی روشنی میں زندگی کی ابتداء

زندگی کی ابتداء کے بارے میں بہت سے نظریات پیش کئے گئے ہیں لیکن ان میں کوئی نظریہ بھی مکمل طور پر مسئلہ مذکورہ کو حل نہیں کرتا۔ ان نظریات میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

1. از خود اچانک پیدا ہونے کا نظریہ (Theory of Spontaneous Generation)

اس کے مطابق ماضی بعید میں کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس کے دوران غیر ذی حیات مادہ سے اچانک ذی حیات چیز وجود میں آگئی۔ ارکیو بائیوسس (Archeobiosis) اور ارکیو گونی (Archeogony) اسی

نظریہ کی تشریح ہیں [1] اے بائیو جینیسس (Abiogenesis) بھی اس نظریہ کی ایک شکل ہے۔

2. زندگی کی ہمیشگی کا نظریہ (Theory of Eternity of Life)

اس کے مطابق زندگی ہمیشہ سے کائنات میں موجود ہے اور یہ کہ زمین پر زندگی کسی شہاب ثاقب (Meteorite) یا کسی اور ذریعے سے کسی دوسرے سیارے سے پہنچ آئی ہے۔

پان سپرمیہ اور کوسموزوا (Pansperimia & Cosmozoa) بھی اس نظریہ کی مختلف قسمیں ہیں جن کے مطابق زندگی کے بیج اس کائنات میں ہمیشہ سے موجود ہیں۔ [2]

3. کیمیائی ارتقاء کا نظریہ (Theory of Chemical Evolution)

مذکورہ بالا دونوں نظریات بیسویں صدی کی سائنس نے غلط ثابت کر دیئے البتہ یہ نظریہ اس وقت سائنسدانوں کے اکثر حلقوں میں مقبول ہے اس کے مطابق زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب "موت کیا ہے انہی اجزء کا پریشان ہونا" کے مصداق کسی مافوق الفطرت طاقت کی مرضی اور ارادہ کے بغیر مادہ کے مختلف ذرات میں لاکھوں سالوں کے دوران آہستہ آہستہ کیمیائی تبدیلیوں کے نتیجے میں پہلے غیر نامیاتی مرکبات (Inorganic Compounds) بنے۔ پھر نامیاتی مرکبات (Organic Compounds) وجود میں آئے۔ آخر میں نامیاتی مرکبات خصوصاً امائنو ایسڈز (Amino Acids) کے آپس میں جوڑ سے لاکھوں سال بعد ایک زندہ سیل (Living Cell) وجود میں آگیا۔

---

[1] Oparin, A.I. The Origin of Life. (Dover Publications Inc. 1953.) pp. 45-47

[2] Ibid. p.34

2.2: کائنات اور حیات کی تخلیق

ماہرین فلکیات کے خیال کے مطابق یہ کائنات آج سے کوئی 15 سے 20 بلین سال پہلے وجود میں آئی۔ وقت کا یہ اندازہ ستاروں کے جھرمٹوں کے ایک دوسرے سے دور ہٹنے کی رفتار سے معلوم کیا گیا۔ شروع میں تمام سیارے اور ستارے ایک بڑے گولے کی شکل میں اکٹھے تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس گولے کا اندرونی درجہ حرارت اور دباؤ اتنا بڑھا کہ وہ ایک بڑے دھماکہ (Big Bang) پر منتج ہوا اور موجودہ کائنات وجود میں آئی۔[1]

دورِ حاضر کے عظیم ماہر طبعیات سٹیون وائن برگ کے مطابق دھماکہ کے بعد اس کرہ نے ایک ایسی "نار" کی شکل اختیار کر لی تھی جو نہایت چھوٹے ذرات (Electrons, Protons and Neutrons) پر مشتمل تھی جن کا درجہ حرارت ناقابل تصور حد تک بلند یعنی (One hundred thousand million degrees centigrade) تھا اور جو نہایت سرعت رفتار سے ایک دوسرے سے دور بھاگ رہے تھے۔ جس کے نتیجے میں یہ آتشینی گولہ حجم میں تیزی سے بڑھتا چلا گیا اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ان ذرات کی حرارت اور ان کے باہمی کشش ثقل کی قوت وشدت میں کمی آگئی۔

ایک نظریہ کے مطابق یہ گولہ مختلف گیسوں کا مجموعہ تھا جب وہ اندرونی حرات کی وجہ سے پھٹا تو مختلف ٹکڑوں کی شکل اختیار کر لی۔ ابتداء میں ہماری زمین بھی (ہمارے) سورج کا ایک ٹکڑا تھا جو کسی بڑے ستارے کی کشش سے ٹوٹ کر فضا میں گردش کرنے لگا۔ اس وقت زمین سورج کی مانند ایک مجسم مشعل تھی (4 سے 5

---

[1]Encyclopedia Britanica, (Chicago: William Benton Publishers, 1975) Vol; 7, p.17

ارب سال پہلے) پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہو کر منجمد (Solidify) ہوئی اس انجماد کے بعد ہی یہ امکان پیدا ہوتا ہے کیا اس میں زندگی کا آغاز ہوا۔ (تقریباً 2.7 ارب سال قبل)۔ کیمیائی ارتقاء کے مطابق پہلی زندہ چیز کے بننے میں کروڑوں سال صرف ہوئے ہوں گے لیکن بنیادی کیمیائی تبدیلیاں فضا کے سازگار ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھیں۔ شروع میں زمین کی فضا میں کاربن مانو آکسائیڈ (CO)، کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2)، امونیا اور آکسیجن موجود نہ تھی۔ بادوباراں، سورج کی حرارت، گرج چمک اور بنفشی شعاعوں (Ultraviolet radiations) کی کثرت نے کیمیائی تعاملات کے لئے حالات سازگار کر دیئے۔ چونکہ پانی کافی مقدار میں موجود تھا اس لئے کیمیائی تبدیلیوں نے ان مرکبات کو آپس میں ملایا۔ مزید جوڑ توڑ (Floculation and disintegration) کے بعد ان مرکبات نے ایسے قطروں (Droplets) کی شکل اختیار کی جن کے گرد بہت کمزور جھلی (Membrane) کی طرح ایک سطح بن گئی جنہیں اوپرن (A.I. Oparin) نے کوزرویٹس (Coazervates) کا نام دیا۔ ان کوزرویٹس نے چانس (Chance) سے نچلے درجہ کے جانداروں (Procaryotes) کو جنم دیا جو کہ مزید ارتقائی تبدیلیوں سے لاکھوں سال بعد پیچیدہ سیلز پر مشتمل جانداروں میں تبدیل ہو گئے جنہیں Eucaryotes کہا جاتا ہے۔ انہی جانداروں سے پھر لاکھوں کی تعداد میں کثیر الخلوی (Multicellular) نباتات اور حیوانات وجود میں آئے۔[1] چارلس ڈارون (Charles Darwin) کے خیال کے مطابق زندگی کی ابتداء سمندروں میں ہوئی۔ جہاں مختلف قسم کے نمکیات وافر مقدار میں موجود تھے۔ 1947ء میں جے۔ڈی برنل (J.D. Bernel) نے کہا کہ سمندروں کی وسعت کی وجہ سے نامیاتی مرکبات (Organic Compounds) ایک جگہ جمع ہو کر اتنے گاڑھے نہیں ہو سکتے جو

---

[1] Oparin, A.I; Origin of Life. P.152

کہ (Hot Dilute Soup) بن سکیں جو کہ زندگی کی ابتداء کے لئے ناگزیر تھے۔ چنانچہ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ سمندروں کے قریب پائی جانے والے کم گہرے جوہڑوں کی مٹی ہی ایک ایسا مکمل میڈیم (Perfect Medium) ہو سکتا ہے جہاں نامیاتی مرکبات زندگی کی ابتداء کر سکتے ہیں۔[1]

2.3: حادثہ یا منصوبہ: سائنسدانوں کے اقوال کی روشنی میں

آیئے اب سائنسدانوں ہی کے اقوال و تجزیات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ کیاامائنوایسڈز اور ان سے ایک بڑی منظم مشین (Cell) خود بخود ارتقاء کے ذریعے محض چانس (Mere Chance) یا حادثہ (Accident) سے پیدا ہو سکتی ہے اس کا جواب اے آئی اوپرن (A.I. Oparin) نے یوں دیا ہے۔

"اگر کسی انسان سے کہا جائے کہ غیر نامیاتی مادہ کے ڈھیر کے درمیان ایک بڑی فیکٹری جس میں بڑے بڑے بائلر، پائپ لائن، تاریں، مشینیں، روشن دان اور بجلی کی تاروں کی فٹنگ درجہ بدرجہ خود بخود وجود میں آگئی تو اسے ایک احمقانہ مزاح (Silly Joke) تصور کیا جائے گا۔" آگے وہ لکھتا ہے:

"Yet, even the simplest micro-organism has a more complex structure than any factory and therefore its fortuitous creation is very much less improbable..... it is in the highest degree improbable that this adaption, this purposefulnessof inner structure

---

[1]Ibid.

could result from the action of some blind external physical forces".

وہ مزید لکھتا ہے۔ایک فیکٹری کسی قدرتی مظہر سے انسانی مداخلت کے بغیر کبھی وجود میں نہیں آسکتی کیونکہ:

"Every factory is constructed in accordance with some set, previously worked out plan".[1]

آگے وہ لکھتا ہے کہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر پروٹوپلازم کے اندر اتنی تنظیم کیسے وجود میں آسکتی ہے۔ اس کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"It is inconceivable that such a preconceived plan of protoplasmic structure could exist unless one assumes a creative divine will and a plan of creation."[2]

ایک لمحہ یہ اقرار کرکے دوسرے لمحہ یہ کہہ کر خود تضاد کا شکار ہو جاتا ہے کہ "ارتقاء کے ذریعے پروٹوپلازم کے اندر یہ تنظیم اور افعال کی صحت ممکن ہے"۔

But a definite protoplasmic organization and fitness of its inner structure to carry out definite

---

[1]Ibid. p.60.

[2]Ibid. p.61

funcitons could easily be formed in the course of evolution of organic matter.[(1)]

جی۔ایس کارٹر جانداروں کے اندر اس قسم کی پیچیدگی اور تنظیم کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ

"No one can look at the immensely complicated organization of an insect or a vertebrate without doubting that our relatively simple theories can completely explain the origin of such complexity.[(2)]

ایڈون کاکلن (Edwin Coklin) کے الفاظ میں:

"زندگی کا بذریعہ حادثہ (Accident) وقوع پذیر ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی پریس میں دھماکہ ہو جانے سے ایک ضخیم لغت کا تیار ہو جانا۔"[3]

اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ مادہ کسی خام حالت میں خود کائنات میں وجود میں آ گیا اور پھر اس میں عمل رد عمل کا سلسلہ بھی اپنے آپ شروع ہو گیا اگرچہ ان مفروضات کے لئے کوئی بنیاد نہیں جب بھی کائنات اور

---

[1]Ibid. p.61

[2]Did man Get Here by Evolution or Creation. (Watch Tower Bible and Tract Society, New York, U.S.A), 1967., p. 36

[3]ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک، وجود باری تعالیٰ اور توحید (تعلیمی ٹرسٹ۔ گلبرگ 111۔لاہور) ص۔27۔

زندگی کی ابتداء اور ارتقاء کی توجیہہ نہیں ہوتی۔ ایک پروٹینی سالمہ کے اتفاقاً وجود میں آنے کے لئے موجودہ مادہ سے کروڑوں گنا زیادہ مقدار مطلوب ہو گی جسے یکجا کرکے ہلایا (Shake) جائے اور اس عمل سے کوئی نتیجہ برآمد ہونے کا امکان 10*234 سال بعد ہو گا۔

لی کامٹے دوانوائے (Le Comte Du Nouy) نے اس سلسلے میں بہت عمدہ اور مفصل بحث کی ہے جس خلاصہ یہ ہے:

"اس طرح کے امکان کے ظہور میں آنے کے لئے جس وقت، جس مقدار مادہ اور جس پہنائی کی ضرورت ہو گی وہ ہمارے تمام اندازوں سے ناقابل یقین حد تک زیادہ ہے اس کے لئے ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے جس کا دائرہ اتنا بڑا ہو جس میں روشنی 1082 سال نور (دس کے آگے 82 صفر) کرکے پار کر سکتی ہے۔ یہ حجم موجودہ کائنات سے بہت زیادہ ہے کیونکہ بعید ترین کہکشاؤں کی روشنی چند ملین سال نور (Light Year) میں ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئن سٹائن نے کائنات کی وسعت کا جو اندازہ کیا ہے وہ اس عمل کے لئے قطعاً ناکافی ہے۔ پھر اس مفروضہ کے مطابق کائنات میں پانچ ٹریلین حرکت فی سیکنڈ کی رفتار سے مادہ کی مفروضہ مقدار کو ہلایا جائے تب کہیں اس امر کا امکان پیدا ہو گا کہ پروٹین (Protein) کا ایک سالمہ (Molecule) وجود میں آئے جو زندگی کے لئے ضروری اور مفید ہے۔ اس سارے عمل کے لئے جس مدت کی ضرورت ہے وہ 10*234 (دس کے آگے 243 صفر) سال ہے۔ مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہماری کائنات کی عمر 15 سے 20 بلین سال ہے (15,000,000,000 یا 109 ارب سال) اور زمین کی عمر 4 سے 5 بلین سال ہے۔ اور پہلی دفعہ زمین پر زندگی کا ظہور 2 سے 3 ارب سال پرانا ہے"۔[1]

---

[1] مولانا وحید الدین خان: علم جدید کا چیلنج۔ (مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد۔ کراچی) 1984ء، ص۔ 108

اس بحث سے ظاہر ہوا کہ صرف ایک غیر ذی روح پروٹینی مالیکیول کو اتفاقاً وجود میں آنے کے لئے سنکھ مہاسنکھ (Trillion of years) سے زیادہ مدت درکار ہے تو صرف 2 سے 3 ارب سال میں زمین کی سطح پر زندہ اور مکمل جسم رکھنے والے حیوانات اور نباتات کی 20 لاکھ سے زیادہ اقسام (Species) پیدا ہو کر خشکی اور تری میں کیسے پھیل گئیں [1] اور پھر ان ادنیٰ درجہ کی ذی حیات اشیاء سے اتنی قلیل مدت میں انسان جیسی اعلیٰ اور ذہین مخلوق اتفاقاً کیسے وجود میں آگئی جبکہ نظریہ ارتقاء انواع (Species) میں جن اتفاقی تبدیلیوں پر اپنی بنیاد کھڑی کرتا ہے ان میں ہر تبدیلی کا حال یہ ہے کہ ماہر ریاضی دان پاچو (Patau) نے حساب لگایا کہ کسی ذی حیات میں نئی تبدیلی مکمل ہوتے ہوتے دس لاکھ پشتوں (Generations) کے گذر جانے کا امکان ہے۔[2]

اسی طرح امیبا سے ایک کیڑا (Insect) بننے کے لئے جینی کوڈ (Genetic Code) میں 3×10^{209} تبدیلیاں (Alterations) چاہئیں جو ایک سیکنڈ میں ایک تبدیلی شرح سے ایک سو کھرب سالوں میں ممکن ہو سکتی ہے دوسرے الفاظ میں نظر آنے والی کائنات کی زندگی کے پانچ سو گنا وقت میں۔[3]

بندر سے انسان (Homo Sapiens) بننے تک کے ارتقائی عمل کے لئے 3×10^{520} تبدیلیاں چاہیں جو کہ ناقابل بیان وقت کی مدت میں ہی ممکن ہے۔[4] جبکہ دنیا میں پہلے بندر کا ظہور 35 ملین

---

[1] The New Book of Knowledge: (Groller Incorporated, U.S.A 1982), Vol. 5, p.338

[2] مولانا وحید الدین خان: علم جدید کا چیلنج۔ (مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد۔ کراچی) 1984ء، ص۔108

[3] ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ، (چیف ایڈیٹر، خواجہ شمس الدین عظیمی۔ ناظم آباد۔ کراچی)۔ ستمبر 1998ء۔ ص۔33

[4] ایضاً

سال قبل ہوااور پہلی سیدھا چلنے والی مخلوق (Homo Erectus)3 ملین سال قبل ظہور پذیر ہوئی اور جدید انسان (Homo Sapiens Sapiens) کا ظہور تقریباً 35 ہزار سال قبل ہوا۔[1]

اس تفصیل کے بعد امریکی عالم عضویات (Anatomist) ایم بی کریڈر (M.B.Kreider) کے الفاظ کس قدر صحیح ہیں۔

> "The mathematical probability of a chance occurance of all the necessary factors in the right proportion is almost nil".[2]
>
> یعنی تخلیق کے تمام ضروری اسباب کا صحیح تناسب کے ساتھ (اتفاق سے) اکٹھا ہونے کا امکان ریاضیاتی طور پر قریب قریب نفی کے برابر ہے۔

یہ تمام تفصیل محض اتفاقی پیدائش کے نظریہ ارتقاء کی لغویت (Absurdity) واضح کرنے کے لئے دی گئی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اتفاق سے نہ کوئی ایٹم یا مالیکیول وجود میں آسکتا ہے اور نہ انسان جیسی ذہین اور مکمل زندہ مخلوق پیدا ہو سکتی ہے خواہ اس کے لئے کتنی بھی مدت فرض کی جائے۔ یہ نظریہ نہ صرف ریاضیاتی طور پر محال ہے بلکہ منطقی طور بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ایک گلاس پانی فرش پر گرنے سے دنیا کا نقشہ (World Map) مرتب ہو سکتا ہے یا کسی چھاپہ خانہ میں دھماکہ ہونے سے ایک بڑی ڈکشنری تیار ہو سکتی ہے۔

---

[1]Ritchie and Carolla: Biology-(Addison-Wesley Publishing Company, London), 1984. p.642.

[2]مولانا وحیدالدین خان۔ علم جدید کا چیلنج۔ ص۔111

2.4: خالق کے بغیر زندگی کی ابتداء اور تسلسل ناممکن ہے

سائنس کی بحث و تحقیق کا تعلق تمام تر فطرت کے ان واقعات و مشاہدات سے ہے جو ہمارے زیر تجربہ آ سکیں لیکن جو چیزیں ہمارے احساس، حواس اور مشاہدہ کے دائرہ سے خارج ہیں سائنس کو ان کے انکار واقرار سے کچھ بحث نہیں۔ پروفیسر لیتر جو فرانس کا مشہور سائنسدان ہے لکھتا ہے:

"کائنات (حیات) کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے اس لئے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ کسی ازلی و ابدی وجود کا انکار کریں جس طرح ہمارا یہ بھی کام نہیں کہ اس کو ثابت کریں۔ ہمارا کام نفی اور اثبات دونوں سے الگ ہے"۔ [1]

اسی طرح ایک اور حیات دان (Biologist) اپنی نارسائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے۔

"Life itself is mysterious and its origin still remains shrouded in mystery.[2]

"زندگی بجائے خود پر اسرار ہے جس طرح اس کی ابتداء کا راز اب تک پردہ اخفاء میں ہے"۔

مشہور عالم حیاتیات پی ایل ڈوانوے سے کائنات اور زندگی کی ابتداء کے بارے میں کئی سالوں تک سوچ وبچار اور مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ:

"ہم باصرار کہتے ہیں کہ کوئی نظریہ اب تک پیش نہیں کیا گیا جو کائنات میں تخلیق یا قدرتی ارتقاء کی توجیہہ پیش کرتا ہو۔ جہاں تک تخلیق حیات کا تعلق ہے تو ہم چار و ناچار یہ کہنے پر

---

[1] علامہ سید مناظر احسن گیلانی۔ الدین القیم۔ (نفیس اکیڈمی۔ اردو بازار۔ کراچی)، ص۔20۔22

[2] مولانا شہاب الدین ندوی۔ یہ تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء، (المکتبہ الارشرفیہ۔ جامعہ اشرفیہ۔ لاہور) 1987ء، ص115

مجبور ہیں کہ یا تو کسی مافوق الفطرت ہستی کی مداخلت کو تسلیم کریں جسے سائنسدان خدا کہیں یا اینٹی چانس (Anti-Chance) یا ہم اعتراف کریں کہ چند میکانکی اشکال کے علاوہ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ یہ کوئی خوش اعتقادی کی بات نہیں ناقابل تردید حقیقت ہے"۔[(1)]

ڈارون جیسا عقل پرست اور نظریہ ارتقاء کا امام بھی اپنے آپ کو آغاز حیات کے معاملے میں یہ کہنے پر مجبور پاتا ہے۔

"The 'Creator' orginally breathed life into few forms or into one. From so simple a begning endless forms most beautiful and most wonderful have been and are being evolved.[(2)]"

ڈارون کی کتاب (Origin of Species) کا مذکورہ حوالہ ذکر کرکے (Scientific American) کا ایک مقالہ نگار ڈاکٹر ایل ای اورجل L.E.Orgel پھر یہ لکھتا ہے کہ ڈارون اپنے نجی خط وکتابت میں اس نظریہ کا قائل تھا کہ زندگی محض کیمیائی تعاملات سے بھی وجود میں نہیں آسکتی ہے۔ اس کے الفاظ میں

"In private correspondence, however, he suggested

---

[1] علامہ سید محمد اسماعیل۔ رسول عربی اور عصر جدید۔ (مکتبہ قریش۔ اردو بازار، لاہور) 1988ء، ص 382-383

[2] Scientific American (Special Issue) October 1994, U.S.A, p.53

life could have arisen through Chemistry, in some warm little pond, with all sorts of ammonia and phosphoric salts, light, heat, electricity, etc, present.[1]"

اس کے بعد ڈاکٹر اور جل لکھتا ہے کہ بیسویں صدی میں زندگی کی ابتداء پر تحقیق کا بڑا مقصد یہی رہا ہے کہ ڈارون کے آغاز حیات کے بارے میں اس نجی مفروضہ (Private Hypothesis) کو کسی مافوق الفطرت طاقت (اللہ رب العالمین) کی مداخلت کے بغیر کسی طرح ثابت کیا جائے۔[2]

یعنی کس طرح سادہ مالیکیولوں سے جو ہڑوں کے اندر تمام زندہ چیزوں کی مشترکہ بنیاد "سیل" وجود میں آ گیا۔[3]

لیکن اب حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ آغاز حیات اور تسلسل حیات دو ایسے مسائل ہیں جن کا جواب مجرد سائنس کے پاس نہیں کیونکہ سائنس مشاہدات و تجربات کا نام ہے جبکہ آغاز حیات اور تخلیق حیات و انسان کے

---

[1]Ibid

[2]Ibid

[3]اصل میں نظریہ ارتقاء کے پاس "کس طرح" یا "کیوں" کا جواب نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ اپنی بنیاد صرف طبعی قوانین (Physical Law) پر رکھتا ہے جو کہ کسی چیز کے مقصد کو بیان نہیں کرتے اور یہ قوانین اتنے منظم انداز میں خود بخود چل بھی نہیں سکتے بلکہ آخر کار ایک "علت العلل" یعنی خدا کو مانے بغیر کیوں کا جواب نہیں دیا جاسکتا بقول امجد: [امجد ہر بات میں کہاں تک کیوں کیوں۔ہر کیوں کی ہے انتہا، خدا کی مرضی] (اس موضوع پر مزید تفصیل الدین القیم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہی)

لئے سائنس کے پاس کوئی ڈیٹا(Data) نہیں۔

بقول عالم(لارڈ کلون۔Lord Kelvin)

"یہ خیال سراسر باطل ہے کہ زندگی کا آغاز اور تسلسل بغیر کسی خالق کے ہو سکتا ہے۔ فطرت کے یہ حیرت انگیز مناظر جس سے تکمیل ورحمت برستی ہے الٰہی تخلیق و تعمیر پر مبہوت کن دلائل ہیں جو ہمیں صاف بتارہے ہیں کہ تمام زندہ اشیاء کا انحصار ایک حی و قیوم فرمانروا کی مشیت پر ہے"۔

اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"It is impossible to conceive either the beginning or continuity of life without an over rulling creative power. Overpowering strong proofs of benevolence and intelligent design are to be found around us, teaching that all living things depend on one overlasting Creator and Ruler.[(1)]"

ایک اور سائنسدان یوں رقمطراز ہے:

"So highly intricate are the organic and biochemical processes functioning in the animal organisms, that it is not surprising that malfunction and disease

---

[1] ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ دو قرآن۔ (شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ انار کلی، لاہور۔) 1981، ص 218۔219

occasionally intervene. One is rather amazed that mechanism of such intricacy could never function properly at all. All this demands a planner and sustainer of infinite intelligence.... The simplest man made mechanism requires a planner and a maker. How a mechanism ten thousand times more evolved and intricate can be conceived of as self-constructed and self-developed is completely beyond me.[1]"

یہاں پر بے اختیار عرب کے ایک بدو کا وہ قول نقل کرنے کو جی چاہتا ہے جو اس نے اللہ تعالی کی ہستی پر دلیل دیتے ہوئے کہا تھا جو ہے تو نہایت سادہ لیکن ہے نہایت جامع۔ وہ کہتا ہے۔

البعرة تدل على البعير و اثار الاقدام لتدل على المسير والسماء ذات ابراج والارض ذات فجاج و بخار ذات امواج كيف لا تدل على وجود اللطيف الخبير۔

یعنی مینگنی (Faeces) اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ (یعنی مینگنی کا نظر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ضرور اونٹ یہاں سے گزرا ہے)۔ قدموں کے نشان کسی چلنے والے کا پتہ دیتے ہیں۔ پھر کیا بات ہوئی کہ بڑے بڑے برجوں والا آسمان اور بڑی بڑی گھاٹیوں والی زمین اور موجوں والے سمندر لطیف و خبیر ذات کے وجود

[1]Did Man Get Here by Creation or Evolution, P.41

پر دلالت نہ کریں۔[1] اور زبور کے الفاظ میں:

When I look at your heavens,
the work of your fingers
the moon and the stars that you have established;
what are human beings,
that you are mindful of them
mortal that you care for them?
Yet you have made them a little lower than God
and crowned them with the glory and honour. [2]

2.5: چھ دنوں میں کائنات کی تخلیق-اسلام اور سائنس کی روشنی میں

اسلام کا اصل موضوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی ہے۔ اس کی تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا میں آکر اس کے ظاہری نقشوں میں نہ کھو جائے اور یہ نہ سمجھنے لگے کہ یہ تمام کارخانہ قدرت ویسے ہی پیدا ہو گیا اور خود بخود چل رہا ہے۔ بلکہ آکر وہ (اسلام) انسان کو بتاتا ہے کہ یہ کائنات نہ ہمیشہ سے ہے، نہ ہمیشہ رہے گی اس کا ایک آغاز اور انجام ہے۔ اسی طرح انسان یا دوسرے نباتات و حیوانات ارتقائی منازل طے کر کے محض حادثہ یا اتفاق (Chance) سے وجود میں نہیں آئے بلکہ ایک ہستی وحدہٗ لاشریک کی ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا اور یہ

---

[1] ڈاکٹر غلام مرتضیٰ۔ وجود باری تعالیٰ اور توحید۔ ص۔ 43

[2] (Book of Psalm. 8.3-5

کہ زندگی صرف مادہ کے ذرات میں ظہور ترتیب سے کبھی وجود میں نہیں آسکتی بلکہ ایک مدبر و حکیم ہستی رب العالمین کی ہے جس کا مادہ کے پیچھے غیر مرئی دست قدرت کار فرما ہے جس کی خلاقی (Creative Force) سے زندگی اور اس کی لاکھوں اقسام وجود میں آئی ہیں۔ارشاد رب العالمین ہے:

{اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ}(1)

اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کا نگہبان اور کارساز ہے۔

اس طرح کی تقریباً ساڑھے سات سو آیات میں آفاق و انفس سے مختلف اسالیب سے متعدد مثالیں بیان کر کے اسلام انسان کو اسی ایک ہستی کے سامنے تکوینی اور تشریعی طور پر سر تسلیم خم کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ

{سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ}(2)

"عنقریب ہم منکروں کو آفاق و انفس میں اپنی آیات (نشانیاں) دکھلائیں گے یہاں تک ان پر واضح ہو جائے کہ وہ (قرآن اور اللہ کی ذات) حق اور سچ ہے"۔

اس سلسلے میں قرآن کائنات اور حیات کی ابتداء اور تکمیل کا ذکر کرتا ہے:

{خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ}(3)

دو دنوں یا عصروں (Periods) میں وہ آسمانوں کی پیدائش کا ذکر کرتا ہے اور چار دنوں میں زمین اور

---

[1] [الزمر:62]

[2] [فصلت:53]

[3] [فصلت:9]

اس میں تمام چیزوں کے پیدا کرنے کا بیان کرتا ہے۔[1]

قرآن عظیم کی مختلف آیات میں تمام کائنات کی پیدائش کا ذکر چھ دنوں (ستہ ایام) میں ہے اس سے ہمارے چوبیس (24) گھنٹوں کے دن مراد نہیں بلکہ اللہ کا ایک دن ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔اس لئے بعض مفسرین نے "یوم" سے مراد "عصر" یا" پیریڈ"(Period) لیا ہے اور چھ ایام سے تخلیق کائنات کے چھ اُدوار(Six Periods Of Creation) مراد لئے ہیں۔علامہ ابو سعود العمادی نے لکھا ہے۔

فی ستة ایام ۔ ای فی ستة اوقات فان النفس الیوم الذی هولاارض و لا سماء عبارة عن زمان کون الشمس فوق الارض ممالا یتصور تحققه حین لاارض ولاسماء۔[2]

چھ دنوں میں یعنی چھ اوقات وادوار میں کیونکہ جو سورج کے زمین پر طلوع ہونے سے عبارت ہے اس کا تحقق ہی ممکن نہیں کیونکہ اس وقت زمین وآسمان موجود ہی نہ تھے (اور سورج بھی موجود نہ تھا)۔

امام راغب اصفہانیؒ نے "یوم" کی تصریح یوں کی ہے۔

الیوم یعبربه عن وقت طلو ع الشمس الی غروبها و قد یعبربه عن مدة من الزمان ای مدة کانت۔[3]

---

[1] حٰم السجدہ۔آیات 9۔11، النازعات۔27۔ 33

[2] ڈاکٹر طاہر القادری۔انسان اور کائنات کی تخلیق وارتقاء۔(ادارہ منہاج القرآن۔ماڈل ٹاؤن لاہور)۔ص 6۴

[3] ایضاً

یعنی یوم سے مراد ایک تو سورج کے طلوع سے غروب تک کا وقت ہے اور دوسرے اس سے مراد کسی بھی زمانے پر مشتمل مدت ہے خواہ وہ جتنی بھی ہو۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ سورۃ یونس کی آیت میں "ستۃ ایام" کے تحت لکھتے ہیں۔

عبارہ عن کون الشمس فوق الارض و ھو ممالا یتصور تحققه حین لارض ولاسماء۔[1]

یعنی یہاں یوم سے مراد معروف معنی میں دن نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جیسا کہا جاتا ہے زمین پر سورج کے طلوع ہونے سے عبارت ہے اور وہ ممکن ہی نہیں کیونکہ اس وقت نہ زمین تھی نہ آسمان۔

حضرت ابن عباس رحمہ اللہ کا ایک قول بھی تفسیر روح المعانی والوں نے سورۃ الاعراف کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ان ایام سے مراد ایام دنیا نہیں بلکہ ایام آخرت کی مدت مراد ہے۔[2]

مولانا عبدالماجد دریاآبادی بھی اپنی انگلش تفسیر میں سورۃ الاعراف آیت نمبر 54 کے تحت لکھتے ہیں۔

These pe-creation 'days'are obviously not the 'days' of a few hours duration such as we know them in our experience caused by movements of the sun and the earth, both of which were till then[3]

---

[1] ایضاً

[2] ڈاکٹر طاہر القادری۔ انسان اور کائنات کی تخلیق وارتقاء۔ (ادارہ منہاج القرآن۔ ماڈل ٹاؤن لاہور)۔ ص64

[3] مولانا عبدالماجد دریاآبادی، تفسیر ماجدی (انگلش)۔ تاج کمپنی، کراچی۔ جلد 1۔ ص B-146

ڈاکٹر موریس بکائے بھی "ایام" سے (Long lenght of time) مراد لیتے ہیں[1] اور عبداللہ یوسف علی (1934) کی تفسیر کے حوالہ سے بھی لکھتے ہیں کہ قرآن نے جہاں تخلیق کائنات کے حوالے سے چھ دنوں کا ذکر کیا ہے وہاں مراد لمبی مدت یا لمبا زمانہ ہوتا ہے۔

"Days" mean in reality, very long periods or Ages or Aeons[2]

جدید سائنس میں فلکیات (Astronomy) اور کاسمالوجی (Modern Cosmology) کا نقطہ نظر قرآن حکیم کی صداقتوں کے قریب قریب ہے اگرچہ جدید سائنس نے ابھی تک واضح طور پر چھ ادوار میں تخلیق کائنات کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کی تحقیق کا حاصل یہی ہے کہ کافی لمبے عرصے اور وقت کے بعد مختلف ارتقائی ادوار سے گزر کر زمین و آسمان وجود میں آئے اور کئی "Eras" کے گذرنے کے بعد یہ کائنات اور حیات وجود میں آئے لیکن ایک وقت بہر حال آنا ہے جب جدید سائنس قرآنی صداقتوں کی تائید کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔اسی حوالہ سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ الزمان یفسر القرآن...یعنی زمانہ (اور اس میں وقوع پذیر واقعات اور تحقیقات) قرآن کی تفسیر کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

اسی طرح اسلام تخلیق کائنات کے بارے میں اس حقیقت کا قائل ہے کہ ابتداء میں تمام کائنات ایک تخلیقی وحدت (Singular mass) تھی پھر اس کے بعد اس کو تقسیم کر کے آسمان و زمین بنائے۔

قرآن حکیم میں ارشاد خالق کائنات ہے:

---

[1] ڈاکٹر موریس بکائے کی کتاب The Bible, the Quran and Science, (Doha Qatar : Presidency of Sharia Courts and Islamic Affairs) p.135

[2] ایضاً۔ ص۔132۔

{أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا}[1]

کیا کافروں نے اس پر غور و فکر نہیں کیا کہ (شروع میں) آسمان اور زمین آپس میں باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں الگ الگ کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ شروع میں زمین وآسمان باہم ملے ہوئے تھے آیت میں "رتق" کا مفہوم ہے "**ضم و التحام**" یعنی کسی چیز کا باہم و گرپیوست ہونا اور ایک دوسرے سے ملا ہوا ہونا اور فتق کا معنی ہے "**الفصل بين المتصلين**"۔ یعنی دو جڑی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کر دینا۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر علمائے مفسرین نے اس آیات کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

قال ابن عباس رضی الله عنه والضحاك وعطاء وقتادہ كانتا شيئا واحدا ملتزقين ففسر الله بينهما بالهوا[3]

یعنی زمین وآسمان شے واحد کی طرح تھے اور ان کے اجزاء ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور ہوئے تھے پھر اللہ نے ہوا کے ذریعے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

ڈاکٹر موریس بکائے لکھتے ہیں

"The reference is to a separation process (fatq) of a primary single mass whose elements were initially

---

[1] [الأنبياء:30]

[2] پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ ضیاء القرآن (تفسیر)۔ (ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔ گنج بخش روڈ، لاہور)۔ جلد۔ 3، ص۔ 2162

[3] ایضاً۔ اور اسی طرح تفسیر خازن۔ ج 3 میں سورۃ الانبیاء کی آیت مذکورہ کے تحت تفسیر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

fused together."[1]

قرآن حکیم نے تخلیق کائنات کی نسبت اس اصولی تصور کو چودہ سو سال قبل بیان کر دیا تھا اور اہل فکر و دانش کو اس تخلیق کائنات میں غور وخوض کی دعوت بھی دے دی تھی بمطابق **یتفکرون فی خلق السموت والارض**۔[2]

قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کی جدید فلکیات نے بھی بھرپور تائید کی ہے اور ایڈون ہبل (Edwin Hubble) نے پہلی بار 1953ء میں یہ سائنسی تحقیق پیش کی کائنات غیر متغیر نہیں بلکہ مسلسل وسعت پذیر (Expanding) ہے۔ اس تحقیق نے نظریہ فتق (Big Bang Theory) کو جنم دیا ہے۔[3]

1965ء میں آرنو پینزیاز (Arno Panzias) اور رابرٹ ولسن (Robert Wilson) نامی دو امریکی سائنسدانوں نے (Cosmic Background Radiation) کی دریافت کر کے یہ ثابت کر دیا کہ طبعی کائنات کی ابتداء ایک تخلیقی وحدت (رتق) سے ہوئی جسے (Minute Cosmic Egg) کا نام دیا گیا جو غیر معمولی توانائی کا حامل ایک وجود تھا وہ اچانک پھٹا تو اس "**فتق**"(Explosion) سے کائنات پست و بالا کے مختلف حصے معرض وجود میں آ گئے۔ اس سب سے کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں۔[4]

---

1 The Bible, the Quran & Science ص۔139

2 آل عمران: 191

3 ڈاکٹر طاہر القادری۔ انسان اور کائنات کی تخلیق وارتقاء، ص۔64

4 ایضاً

اسی طرح عالم طبعی کی تخلیق اور پھر سماوی طبقات کے بننے کے وقت قرآن حکیم نے دخانی حالت (Gaseous State) کے پائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ارشادِ باری تعالی ہے۔

{ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ}[1] پھر وہ اللہ کائنات کے بالائی طبقات کے بنانے کی طرف متوجہ ہوا اور دھواں (Cloud of hot gases) تھا۔

جدید سائنس نے ابتدائے تخلیق میں دخانی حالت (Gaseous State) کے موجود ہونے کو تسلیم کیا ہے۔[2]

2.6: تخلیق حیات

انیسویں اور بیسویں عیسوی کے تمام سائنسدانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حیات کا مبداء پانی ہے اور ہر جاندار کی بقاء اور نشو ونما کا انحصار پانی پر ہے۔ یہ بات قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے بیان فرمادی تھی۔ ارشاد خالق حیات ہے۔

{وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ}[3]

And we have made of water everything living, will they not then belive.[4]

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہے کہ کائنات اور حیات کی ابتداء اور تخلیق کے بارے میں جدید سائنس

---

[1] [فصلت:11]

[2] ڈاکٹر طاہر القادری۔انسان اور کائنات کی تخلیق وارتقاء، ص۔77

[3] [الأنبياء:30]

[4] تفسیر ماجدی (انگلش) ج3، ص۔150

اور اسلام کے نقطہ ہائے نظر میں کمال درجہ کی ہم آہنگی ہے۔ اختلاف صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ماہرین سائنس اپنی حدود یعنی محسوسات اور مشاہدات و تجربات سے ایک قدم آگے بڑھ کر غیر محسوسات کے دائرہ میں قدم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے لادینی مادہ پرستانہ نظریات و افکار کی وجہ سے اس فاعل حقیقی اور خالق کائنات کا انکار کر بیٹھتے ہیں (اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ کائنات، حیات اور تمام جاندار از خود بغیر کسی خالق کے طبعی قوانین کی وجہ سے وجود میں آگئے ہیں)۔

اس موقع پر اسلام آگے آتا ہے اور حق کو باطل سے جدا کرتا ہے۔

خذ ما صفا ودع ماکدر [1]

(اچھی بات جہاں سے ملے لے لو اور بری بات چھوڑ دو)

کے سنہری اصول کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ سائنسی اکتشافات کا بنظر غائر مطالعہ کریں اس کے صالح اجزاء لے لیں (کیونکہ وہ مومن کی میراث ہیں) اور غیر صالح اور غلط افکار و نظریات کو نہ صرف رد کریں بلکہ ان کا دلائل سے ابطال بھی کریں۔ یہی مطلب ہے رب العالمین کے ارشاد کا {لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ}[2] (یعنی اسلام و قرآن کا مقصد یہی ہے) کہ حق کا احقاق کرے اور باطل کا ابطال کرے اگرچہ مجرموں کو یہ بات پسند نہ آئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ سائنس کے ثابت شدہ حقائق اور قرآن میں کبھی اختلاف ہو نہیں سکتا بقول ڈاکٹر موریس بوکائلے (Dr.Maurice Bucaille):

---

[1] اسلام کا ایک سنہری اصول

[2] [الأنفال:8]

"میں نے قرآن، عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا جدید سائنس کے حوالہ سے مطالعہ کیا تو بائبل میں جدید سائنس سے کئی اختلافات اور تضادات پائے (بوجہ تحریف) لیکن قرآن اور سائنس میں ایک تضاد بھی نہ پاسکا"۔

وہ لکھتے ہیں:

> "They contain so many improbablilites, contradictions and incompatibilities with modern scientific data ....I could not find a single error in the Quran.... There is no incompatibility and contradiciton between the Qur'an and modern Science[1]"

لیکن جہاں تک نظریات (Theories) کا تعلق ہے تو وہ بدلنے والی چیز ہیں۔آج ایک نظریہ مقبول و مروج ہے تو کل دوسرا اس کی جگہ لے سکتا ہے اس لئے قرآنی آیات کو کھینچ تان کر جدید نظریات (جو عقلی و تجرباتی طور پر ثابت نہ ہوں) کے مطابق کرنا، نہ تو اسلام کے حق میں بہتر ہے اور نہ منہاج کے اعتبار سے درست ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان سائنسدان صحیح معنی میں اسلام اور جدید سائنس کا علم حاصل کریں۔

صد جہاں تازہ در آیات اوست

عصرھا پوشیدہ در آیات اوست

(یعنی سینکڑوں جہاں قرآن کی آیات میں موجود ہیں اور کئی زمانوں کا علم اس کی آیات میں پوشیدہ ہے)

---

[1] The Bible, the Quran & Science ,(شائع کردہ ۔118۔ص، America Trust Publications,Indiana -1979)

اور اسلام کو اصل شکل میں مغرب والوں کے سامنے پیش کریں کیونکہ وہاں اسلام کی مسخ شدہ صورت پیش کی جاتی رہی ہے۔(56)اور لوگوں کو حکمت و بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم کی طرف بلائیں اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے لئے مادی اور روحانی دونوں میدانوں میں آگے بڑھیں۔(کیونکہ اس وقت خلافت ارض دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے اس کا مادی حصہ غیروں کے قبضہ میں ہے اور اس کا روحانی حصہ اہل اسلام کے پاس ہے۔ جب تک یہ دونوں حصے یکجا نہیں ہو جاتے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ ممکن نہیں ہو سکتی اور دنیا اپنی تہذیبی و تمدنی ہلاکت خیزیوں کے مہیب غار سے کبھی نہیں نکل سکتی)۔

خود آزمائی

سوال نمبر 1: کائنات کی تعریف کریں اور اس کی اہم شاخیں بیان کریں۔

سوال نمبر 2: کائنات کے جدید تصوّر کی وضاحت کریں۔

سوال نمبر 3: کائنات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے قرآنی استشہاد پر نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر 4: سائنس کی روشنی میں زندگی کی ابتداء کے مختلف نظریات پر بحث کریں۔

سوال نمبر 5: کائنات اور حیات کی تخلیق کے اسلامی تصور کو واضح کریں۔

سوال نمبر 6: حیات کا آغاز ایک حادثہ یا منصوبہ؟ سائنسدانوں کے اقوال کی روشنی میں واضح کریں۔

سوال نمبر 7: خالق کے بغیر زندگی کی ابتداء اور تسلسل ناممکن ہے، بحث کریں۔

سوال نمبر 8: قرآن کے ستۃ ایام یعنی چھ دنوں کی جدید سائنس کی روشنی میں تشریح کریں۔

سوال نمبر 9: اسلام کے تصوّر کائنات اور اس میں غور و فکر کی اہمیّت پر جامع نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر 10: کیا محض اتفاق وارتقاء(Chance & Evolution) کے ذریعے حیات و کائنات کا آغاز وارتقاء ممکن ہے؟ تفصیل سے بحث کریں۔

یونٹ نمبر:05

وجود باری تعالیٰ پر کائناتی دلائل

فہرست

یونٹ کا تعارف

قرآن کریم نے بار بار تاکید کی ہے کہ کائنات اور اس کے اندر موجود اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرو تاکہ تم پر اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یعنی اللہ رب العلمین کی وحدانیت، خالقیت اور قدرت و حکمت واضح ہو اور اس پر ایمان لاکر اُس کی بندگی کو شعوری طور پر اپنے لئے دنیوی فلاح اور آخرت کی نجات کا ذریعہ بناؤ۔ اور اس کائنات کے سب سے بڑے جھوٹ یعنی انکار خالق اور شرک سے توبہ کرو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اپنے رب کی آیات (نشانیوں) کا زیادہ سے زیادہ علم ہو۔ یہ مختصر سا یونٹ دراصل اللہ تعالیٰ کی کائنات سے اس کی ایمان افروز نشانیوں کا ایک چھوٹا سا گلدستہ ہے۔ اللہ کی نشانیوں کا احاطہ تو انسان کی قدرت میں نہیں ہے تاہم حالیہ تحقیقات سے قرآن کریم کے اُن معجزاتی بیانات پر روشنی پڑتی ہے جو سائنس کے مختلف شعبوں کے بارے میں ارشاد ہوئے ہیں جن کو پڑھ کر ایک غیر جانبدار ذہن کے لئے وجود باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت اور قدرت کاملہ پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کے نے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. اللہ کے وجود پر تخلیق کائنات اور بگ بینگ (Big Bang) کے تناظر میں بحث کر سکیں۔
2. سائنس کا معمولی علم انسان کو ملحد بنا دیتا ہے جبکہ سائنس (اور کائنات) کا عمیق مطالعہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا ماننے والا بنا دیتا ہے، کی وضاحت کر سکیں۔
3. وجود باری تعالیٰ پر اسلاف کے اقوال کی روشنی میں بحث کر سکیں۔
4. وجود باری تعالیٰ پر عقلی و منطقی دلائل کو بیان کر سکیں۔

5. آیات کونیہ کا مطلب اور مقصد اور ان کی روشنی میں وجود خداوندی پر جدید حوالوں سے کلام کر سکیں۔
6. سائنسی علوم نے اللہ کے وجود کو کن پہلوؤں سے مزید ثابت کیا ہے ، انہیں مثالوں سے واضح کر سکیں۔
7. زمین پر مختلف عوامل میں مثالی توازن(Balance in Earth Ideal features)کی روشنی میں وجود خداوندی پر بحث کر سکیں۔
8. پانی کی غیر معمولی خصوصیات وجود خداوندی کی علم وقدرت پر کیسے دلالت کرتی ہیں،جدید سائنس کی روشنی میں وضاحت کر سکیں۔

1۔وجود باری تعالیٰ پر کائناتی دلائل

1.1 ۔کائنات،اللہ کا شاہکار

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساری انسانیت کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ وہ تمام علوم کا بنیادی ماخذ و منبع ہی نہیں بلکہ ان کے حصول کی دعوت بھی دیتا ہے۔ان علوم میں سے ایک علم کائنات اور اس کے اندر موجود اشیاء کا علم بھی ہے جس کو علوم الکون اور علم الاشیاء کہا جاتا ہے۔قرآن حکیم اپنی آیاتِ بینات میں جہاں دوسرے علوم کی تحصیل کی دعوت دیتا ہے وہیں وہ کائنات اور اس کے اندر موجود مختلف اشیاءاور احوال کے مطالعہ اور غور و فکر کی پر زور ترغیب دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو صاحب عقل اور بصیرت(**اولو الالباب**) کہتا ہے جو زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ گویا قرآن اپنی کئی آیات میں مختلف انداز میں کائنات کے مطالعہ کی ترغیب دیتا ہے۔قرآن حکیم اپنی ایک ہزار سے زیادہ آیات میں کائنات اور اس میں موجود اشیاءاور مظاہر فطرت کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔قرآن حکیم جیسے اپنے تشریعی احکام کو آیات کہتا ہے ایسے ہی وہ کائنات اور اس کے اندر موجود تمام اشیاء و مظاہر کو آیات کہتا ہے۔ جیسے وہ اپنی شریعت کے احکام پر مشتمل آیات (تشریعی آیات) پر تدبر و تفکر کو مومنین کی صفت قرار دیتا ہے ایسے ہی وہ کائنات کے اندر پھیلی ہوئی تمام اشیاءاور مظاہر کو (تکوینی) آیات قرار دے کر ان میں غور و فکر کو صاحب عقل و بصیرت لوگوں کی بنیادی علامت قرار دیتا ہے اور ان دونوں قسم کی آیات کو اپنی نشانیاں قرار دے کر ان سے تذکیر و تنبیہ اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

قرآن حکیم کی اسی دعوت تفکر و تدبر کی وجہ سے حضور اکرم نے کائنات کے اندر پھیلی ہوئی نشانیوں (آیات) پر غور و فکر کو افضل ترین عبادت قرار دیا، خالق کائنات کی ذات میں غور و فکر سے منع کرتے ہوئے تفکروا فی آیات اللہ ولاتتفکروافی اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی کائنات اور اس میں موجود تمام

مخلوقات میں غور و فکر کا نہ صرف حکم دیا بلکہ اس شخص کے لئے ہلاک ہونے کا کہا جو اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کائنات سے بغیر غور و فکر کے گزر جائے۔

قرآن حکیم نے کائنات کے عجائبات , سلسلۂ لیل و نہار، انقلابات موسم، پہاڑوں اور سمندروں اور حیوانات و نباتات وغیرہ کی طرف اتنی دفعہ ہمیں متوجہ کیا ہے اور اس قدر تاکید سے اوامر نازل ہوئے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ توجہ (**تفکّر فی الکائنات**) دین قیم کا ایک زبردست پہلو ہے۔۔۔اور تدبر فی الآفاق اسلام کا اہم رکن ہیں[(1)]۔

علم الآفاق کی اہمیت کو اللہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

{قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ}[(2)]

آپ کہہ دیں کہ زمین و آسمان میں غور و فکر کرو۔

الغرض علم الآفاق دینِ مستقیم کا بہت اہم پہلو ہے جس کو نظر انداز کر دینا قرآنِ حکیم کی آیات کی خلاف ورزی کرنا ہے اور خدائی عظمت، اس کی قوت تخلیق، جہاں آرائی، حیرت انگیز نظام کائنات اور محیر العقول سلسلہ موجودات سے جاہل رہنا ہے۔ الٰہی حمد و ثناء کے ترانے بغیر سمجھے الاپنا ہے۔

{إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ}[(3)]

کی حقیقت کو نہ سمجھنا ہے۔ اس فرضِ کفایہ کو ادا کرنے کے لئے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے، اگر

---

(1) غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، قرآن حکیم اور علم الآفاق، مضامین برق، مرتب عبداللہ خان، الفیصل ناشران، لاہور، 2012، ص22

2[یونس:101]

3[النحل:69]

اس فرض کفایہ کو ساری قوم ترک کر دے تو وہ معتوب و مغضوب ہو گی کیونکہ تدبر فی الآفاق فرض کفایہ ہے۔[1]
اسی طرح ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں: "کتاب الٰہی اور صحیفہ فِطرت (یعنی کائنات)، ہر دو کو اللہ نے آیات کہا ہے"[2]۔

جس طرح قولِ خدا (قرآن کا مطالعہ) فرض ہے اسی طرح عمل خدا (کائنات کا مطالعہ) بھی از بس ضروری ہے۔ پھر وہ سورہ فاطر کی آیات 27-28 کا ذکر کرتے ہیں جس میں ارشاد ہے:

{وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ}
[3]

کہ غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ کے پتھروں کی تہیں موجود ہیں۔ نیز انسانوں، چوپایوں اور مویشیوں کے مختلف رنگوں کا مطالعہ کرو اور یاد رکھو اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں: اس آیت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل علم صحیفہ کائنات کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ خوف یا خشیت صرف علمائے کائنات ہی کا حصہ ہو سکتا ہے جس طرح شیکسپئیر، روسو، لقمان، سعدی، بو علی سینا اور اقبال کی صحیح عظمت کو سمجھنے کے لئے اُن کے اعمال (تصانیف) کا مطالعہ ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صحیح عظمت و رفعت، کمالِ تخلیق، جمالِ تکوین، نظام ربوبیت اور حیرت انگیز نسق کائنات کو سمجھنے کے لئے صحیفہ فطرت میں غور و تدبر کرنا پڑے گا۔ اگر کسی مصنف کی تعریف اس کی تصنیف پڑھے بغیر ہو

---

(1) غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، ص 23
(2) غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، دو قرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص 11۔12
3[فاطر: 27،28]

سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بھی اس کے حیرت انگیز اعمال پر تدبر کیے بغیر ممکن ہے[1]۔قرآن حکیم میں مسلمانوں کو مناظرِ قدرت و قوانینِ فطرت پر غور کرنے کی ہدایت کی گئی، علامہ ابن رشد، فارابی، بو علی سینااور فخر الدین رازی نے بھی ہمیں اسی طرف متوجہ کیالیکن ہم نے توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ کہ آج دوسری قومیں برق و بار پر سوار ہو کر منازلِ حیات طے کر رہی ہیں اور ہم صحرائے حیات میں طوفان ریگ کے تھپیڑے کھارہے ہیں۔

علامہ شعرانی اسلام کے طبیعی پہلو کو سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ اگر مسلمان، مسلمان رہاتو وہ علم شریعت کی طرح علم فطرت میں بھی ایک نہ ایک دن کمال پیدا کر کے رہے گااور اسلامی شریعت حقیقت کی طرح اپنے آپ کو منوالے گی،ان کے عربی الفاظ ملاحظہ ہوں:

ان الا سلام فی اول امرہ کان شریعة ثم فی آخر الزمان یکون حقیقة [2]

وہ آخری زمانہ یہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم آیات ارض و سما کی طرف متوجہ ہو کر اسلام کو ایک حقیقت اور ٹھوس اصلیت ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

{إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ (3) وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (4)} [3]

زمین و آسمان میں اہل ایمان کے لئے حقائق وبصائر موجود ہیں۔ دولت یقین سے مالامال اقوام کے لئے خلق انسانی وحیوانی میں آیات الٰہیہ موجود ہیں۔

ہم یہاں جارج واشنگٹن گارور(George Washington Garver) کی ایک بڑی دلآویز بات نقل کرتے ہیں، وہ کہتاہے "میں مظاہر قدرت کو ایک لامحدود نظام نشریات سمجھتاہوں جس کے ذریعے اللہ

---

(1)ایضاً،ص14

(2)ایضاً،ص23

3[الجاثیۃ:3،4]

تعالیٰ ہر گھڑی ہم سے مخاطب رہتا ہے اور ہم اس کی آواز سن سکتے ہیں، بشر طیکہ ہم اس نشریاتی آلے کا صحیح استعمال جانتے ہوں" اللہ تعالیٰ ان مظاہر فطرت کے ذریعے ہمیں ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی بات بتانا چاہتے ہیں اور یہ باتیں اتنی زیادہ ہیں کہ کبھی ختم نہ ہوں گی، علم حق کا یہ ایک ایسا یقینی ذریعہ ہے جسے نظر انداز کر کے ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت کی جانب ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے[1]۔

جوش ملیح آبادی اپنی شاعرانہ ترنگ بہت گہری بات کہہ گئے

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لیے اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی۔[2]

1.2۔کائناتی نشانیاں

ابنِ عربی کی ایک کتاب Principles of Ibn-al-Arabi's Cosmology کو بڑی خوبصورتی سے جدید حوالوں کے ساتھ مزین کر کے ڈاکٹر ولیم چٹک (William Chittick)[3] نے (The Self Disclosure of God) کے نام سے بڑے سائز کی تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل عمدہ کتاب شائع کی ہے۔اس کتاب (The Self Disclosure of God)[4] اللہ کی نشانیوں کا تفصیل سے ذکر ہے جن کا خلاصہ درج ذیل سطور میں مختصراً درج کیا جارہا ہے:

There are innumerable signs and evidence of the

---

(1) مظفر حسین: سائنس کی دینیات، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس ملتان روڈ لاہور، 1984، ص170

(2) بحوالہ بالا

(3)Chittik، William : The Self-Disclosure of God: Principles ofIbn-al-Arabi's Cosmology،(Suhail Academy، Lahore، 2000

(4)Chittik، William : The Self-Disclosure of God: Principles ofIbn-al-Arabi's Cosmology،(Suhail Academy، Lahore، 2000

Almighty Creator in cosmos (microcosm - human body - and macrocosm - the universe). In the very first verse (ayat) of the Holy Quran the word Alamin is from alam (cosmos), derived from the same root as Alama (mark), alamin (sign post), and ilm (knowledge), pointing that the cosmos is both a source of knowledge and a mark or sign of some things other than itself. The Quran also implies the word sign -Aayat- not only to phenomena of cosmos but also to its own verses (Aayat). Just as the Quran is God's book displaying His signs, so also the cosmos is His book, and there is special knowledge and signs for those who reflect [1], understand [2], and have intelligence [3]

These signs are scattered both in outside world and within ourselves.[4] Shaikh Ibn al-Arabi says that the basic sense of this verse is "Your signifier of the Real is yourself and the cosmos". Self and the cosmos are the two realities in which the Real's self disclosure may be witnessed.[5]

---

(1)القرآن،الرعد:3

(2)القرآن،الانعام:98

(3)القرآن،الرعد:4

(4)ولیم چٹک،ص6-3

(5)ایضاً،ص6

کائنات کے اندر خالق کی بے شمار نشانیاں ہیں اور قرآن کی پہلی آیت میں جو رب العالمین کا کلمہ آیا ہے اس میں عالمین عالم کی جمع ہے جس کا معنی ہے جس سے کسی چیز کو پہچانا جائے گویا یہ کائنات علم کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ خدا کی پہچان کا بھی ذریعہ ہے اور قرآن نے اہل عقل و بصیرت کے لیے مظاہر فطرت کو بھی نشانیاں قراد دیا ہے تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں۔اللہ تعالیٰ مستقل طور پر تسلسل سے آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے تاکہ حق تعالیٰ اور قرآن کی حقانیت واضح ہو جائے۔اس لیے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اس لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا"[1]

اس لئے تو لوئیس گریناڈا نے کہا کہ کائنات کی روح اور ذہن اور سب کچھ خدا ہے[2] اور تمام چیزیں خدا کی معرفت عطا کریں گی اگر کوئی انہیں ایسے سمجھے اور یہ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں حقیقی معنی میں علم و ایمان میسر ہے اور جن کا روحانی سانچہ صحیح و سالم ہے۔

یہ کتاب فطرت ان لوگوں کے لیے خدائی علم و معرفت کا ذریعہ ہے ،جیسا کہ تیرھویں صدی کے بزرگ علامہ نسفی نے فرمایا کہ ہر روز یہ کتاب فطرت آپ کے سامنے آیات الٰہی کے ابواب و دفاتر کھولتی ہے اب صاحب بصیرت وہی ہے جو ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں[3]،یہی مطلب ہے اللہ کے فرمان کا کہ ہم انہیں آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے {سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ

---

(1)ایضاً، ص70

[2]Artigas، Mariana: The Mind of the Universe (Philadelphia: Templeton Foundation Press، 2001، p.xviii

[3]Quoted in Nasr ، Seyyed Hossein: Science and Civilization in Islam (Lahore: Suhail academy،1987 ، p.350- 351

أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ}[1]، لیکن یہ سب ان لوگوں کے لیے ہے جو دیکھنے والی آنکھیں، سننے والے کان اور سمجھنے والے دل رکھتے ہیں ورنہ تو جو ایسا نہیں کرتے وہ چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

{مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي وَمَنْ يُضْلِلْ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ}[2]

امام رومی نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ آرٹس اور سائنس یعنی تمام علوم انہی لوگوں کو فائدہ دیتے ہیں جو حق تک پہنچنا چاہتے ہیں۔[3]

قرآن کریم میں جگہ جگہ تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر اور تدبر کرو تاکہ تم پر اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یعنی اللہ رب العالمین کی وحدانیت خالقیت اور قدرت و حکمت واضح ہو اور اس پر ایمان لاکر اُس کی بندگی کو شعوری طور پر اپنے لئے دنیوی فلاح اور آخرت کی نجات کا ذریعہ بناؤ۔ اور اس کائنات کے سب سے بڑے جھوٹ یعنی انکار خالق اور شرک سے توبہ کرو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اپنے رب کی آیات (نشانیوں) کا زیادہ زیادہ علم ہو۔ یہ مختصر سا مضمون دراصل اللہ تعالیٰ کی ایمان افروز نشانیوں کا ایک نامکمل گلدستہ ہے، اُس کی نشانیوں کا احاطہ تو انسان کی قدرت ہی میں نہیں ہے۔ حالیہ تحقیقات سے قرآن کریم کے اُن معجزاتی بیانات پر روشنی پڑتی ہے جو سائنس کے مختلف شعبوں کے بارے میں ارشاد ہوئے ہیں جن کو پڑھ کر ایک غیر جانبدار ذہن کے سامنے حق تعالیٰ شانہ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔[4]

1[فصلت:53]

2[الأعراف:178]

[3]سید حسین نصر، Science & Civilization in Islam، ص353

(4)ولی رازی، مولانا، قرآن اور سائنسی انکشافات، دار العلم کراچی، 2007، ص20

قرآن میں مختلف مقامات پر بھی اور حضرت آدم کے زمین پر اترنے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

{وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ}(1)

ہم نے کہا کہ تم سب اترو زمین پر تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانہ اور نفع اٹھانا ہے ایک معین وقت تک۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین کے بارے میں دو لفظ استعمال کئے ہیں ''مستقر اور متاع''۔ مستقر کے معنی عارضی ٹھکانہ کے ہوتے ہیں اور متاع کے معنی فائدہ یا نفع اٹھانے کے ہیں اور جس چیز سے کوئی نفع حاصل کیا جائے اسے بھی متاع کہا جاتا ہے گویا مستقر (زمین) مادہ ہے اور متاع (نفع اٹھانا) توانائی۔ کسی مادے سے بغیر توانائی کے کوئی نفع نہیں اٹھایا جا سکتا۔ چنانچہ انسان کو اس دنیا میں پیدا کرنے سے اربوں سال پہلے اس کائنات کو پیدا کر کے اس میں انسانوں اور باقی جانداروں کے لئے تمام ضروریات اور نعمتوں کو پیدا کیا گویا مادہ اور توانائی (مستقر و متاع) کے مجموعے سے تمام مادی نعمتوں کو وجود بخشا کیونکہ دنیا میں کوئی شے ایسی نہیں جو ان میں سے کسی ایک یا دونوں کا مجموعہ نہ ہو۔ قدرتی طور پر پائے جانے والے عناصر کی تعداد 92 ہے اور رسول کریم ﷺ کے اسم مبارک محمد کے حروف کے اعداد کا مجموعہ بھی 92 بنتا ہے تو بقول مولانا ولی رازی کے، اس سے یہ اشارہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی ذاتِ مبارک روحانی کائنات کے لئے اتنی بنیادی اور ضروری ہے جتنی مادی کائنات کے لئے 92 عناصر کی (Elements)۔(2)

اگرچہ اس وقت عناصر کی تعداد 109 بتائی جاتی ہے لیکن 92 کے علاوہ باقی جو عناصر ہیں وہ اصلی اور فطری نہیں بلکہ انسان کے بنائے ہوئے یا ان میں سے بعض کی زندگی بہت مختصر ہے۔

---

[1] [البقرة:36]

(2) ولی رازی، مولانا، قرآن اور سائنسی انکشافات، ص 27

اس کائنات کے سب سے چھوٹے ذرے کے حوالے سے مولانا ولی رازی صاحب لکھتے ہیں۔اب سے کچھ پہلے تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایٹم مادے کا سب سے چھوٹا ایسا ذرہ ہے جس کو مزید تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بیسویں صدی کے شروع میں یہ نظریہ غلط قرار پایا اور ماہری سائنسدان اپنی محنت اور لگن کے ساتھ جستجو کے نتیجے میں اس قابل ہوئے کہ وہ ایٹم کے اندر بھی جھانک سکیں، یہ ایک انقلابی موڑ تھا۔ سائنس دان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایٹم سب سے چھوٹا ذرہ نہیں بلکہ ہماری کائنات کی طرح ہر ایٹم اپنی ذات میں خود ایک کائنات ہے جس طرح ہمارے نظام شمسی کا مرکزہ سورج ہے اور اس کے گرد زمین سمیت سب سیارے اپنے اپنے مدار یعنی آربٹ (Orbit) میں نہایت پیچیدہ اور باریک توازن کے ساتھ چکر لگا رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہر ایک ایٹم کا ایک مرکز ہے جس کو نیوکلیس (Nucleus) کہتے ہیں۔اس کے گرد الیکٹرون بھی اپنے پنے آربٹ میں چکر لگا رہے ہیں۔اس میں اور بھی بہت سے سیارے اور ستارے ہیں۔اور اس کے اندر بھی ایک خلا (Space) ہے۔ ابھی تک سائنسدان جس کو سب سے چھوٹا ذرہ کہتے ہیں وہ کوارک (Quark) ہے۔جو ایٹم سے ہزاروں بلکہ لاکھوں گناہ چھوٹا ہے۔(1)

قرآن کریم کی بعض آیات سے کوارک کی طرف بھی واضح اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً سورۃ یونس میں ارشاد ہے:

{وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ}(2)

اور غائب نہیں ہوتا تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹا۔اور نہ بڑا مگر یہ کھلی کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔

---

(1) ایضاً،ص 28۔29

2 [یونس:61]

سورہ سبا میں ارشاد ہے:

{لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ}(1)

''غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر (بھی) آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی، اور نہ اس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں۔

ان دونوں آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے علم سے ایک ذرہ بھی باہر نہیں ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ اس ذرے سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی چیز ایسی ہے جو لوحِ محفوظ میں موجود نہ ہو۔ ولا اصغر من ذالک ذرے سے چھوٹے وجود کو ثابت کر رہا ہے جو کہ اب تک کی سائنسی تحقیق کے مطابق کوارک (Quark) ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا تفصیل ہی سے حق تعالیٰ شانہ کی لامحدود قدرت، علم اور حکمت کا اندازہ ہوتا ہے۔(2)

کائنات کا آغاز بذریعہ بگ بینگ

بگ بینگ اور پھیلتی ہوئی کائنات Expanding Universe کے نظریات بیسویں صدی کی طبیعات کے اہم تصورات ہیں۔ 1929ء میں ایک امریکی ماہرِ نجوم Asronomer ایڈون ہبل نے (Edwin Hubble) کیلی فورنیا کی مائنٹ ولسن لیبارٹری میں اپنی طاقتور دوربین سے مشاہدے کے نتیجے میں یہ انکشاف کیا کہ ہماری کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور تمام اجسام فلکی ہماری دنیا سے دور ہو رہے ہیں اور پھر بعد میں یہ اہم اطلاع دی کہ تمام کہکشائیں اور ستارے صرف زمین ہی سے دور نہیں ہو رہے ہیں بلکہ تمام اجسام ایک دوسرے سے بھی دور ہو رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری کائنات پھیل رہی ہے۔ بالکل اپنی طرح

---

[1] [سبأ:3]

(2) ایضاً، ص۔29

جیسے کسی غبارے کو پھلانے سے پہلے اگر اس پر کچھ چھوٹے بڑے نقطے ڈال دیئے جائیں اور پھر اس کو پھُلایا جائے تو غبارہ جوں جوں پھولتا جائے گا یہ نقطے بھی ایک دوسرے سے دور ہوتے جائیں گے۔

طبیعیات کا ایک مسلمہ قانون یہ ہے کہ کسی چیز سے ٹکرا کر آنے والی شعاعیں دیکھنے والے کی طرف آتی ہیں تو وہ بنفشی رنگ کی طرح مائل ہوتی ہیں جبکہ دیکھنے والے کی طرف سے دور جاتی ہوئی شعاعیں سرخ رنگ کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ اس قانون کے مطابق ایڈون ہبل کے طویل مشاہدے سے معلوم ہوا کہ اجسام فلکی ہم سے مسلسل دور ہو رہے ہیں۔ اس مشاہدے کے بعد اُس نے ایک اور انکشاف یہ کیا کہ اجسام فلکی صرف زمین ہی سے دور نہیں ہو رہے ہیں بلکہ تمام اجسام ایک دوسرے سے تیز رفتاری سے دور ہو رہے ہیں، اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ایسی کائنات جس میں تمام اجسام ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں وہ مسلسل پھیل رہی ہے۔

بگ بینگ، خالق کی موجودگی کی دلیل

یہ انکشاف حقیقت میں بگ بینگ کا مقدمہ تھا اور بگ بینگ کا انکشاف در حقیقت یہ اہم انکشاف تھا کہ کائنات کا ایک آغاز ہے۔ یہ ہمیشہ سے نہیں ہے اور آغاز ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ضرور ہے۔ یہ حقیقت جو انسان پر 1929ء میں کھلی، چودہ سو سال پہلے اس کائنات کے خالق نے قرآن کریم کے ذریعے اس حقیقت کا انکشاف اس وقت کیا تھا جب دنیا یہ سمجھتی تھی کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے اور ستارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے:

{وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (47) وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ(48)}[1]

اور ہم نے آسمان کو بنایا (اپنی) قدرت سے ہم (ہی) پھیلانے والے ہیں۔ اور ہم نے زمین کو بچھایا اور ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔

---

[1] [الذاریات:47،48]

اس آیت میں "ہم پھیلانے والے ہیں" **الموسعون** کا ترجمہ ہے جس کے دو معنی آتے ہیں، ایک وسیع قدرت والے اور دوسرے پھیلانے والے، وسیع کرنے والے۔ اگر آیت میں یہ دوسرے معنی مراد ہوں تو یہ مذکورہ سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ جو ایک طرف تو قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔ دوسری طرف حق کی اس خصوصیت کا بھی اظہار ہے کہ حق کے اپنے مخصوص طریقے ہیں جن سے وہ باطل کو شکست دیتا ہے۔[(1)]

بگ بینگ کی ابتداء ایک چھوٹے سے نکتہ سے ہوئی، جس کا سائز زیرو یا صفر کے برابر تھا۔ یہ طبعیات کی جدید ترین تحقیق ہے گویا سائنس کا یہ کہنا ہے کہ کائنات کی ابتداء عدم (Nothingness) سے ہوئی گویا پوری کائنات عدم سے وجود میں آئی اور اس کے لئے کسی ایسے وجود کو ہی ماننا پڑے گا جو بگ بینگ سے پہلے موجود تھا، اور اتنی قدرت والا تھا کہ آسمان و زمین اور اس کے درمیان پھیلی ہوئی ساری کائنات کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے۔ اس پھیلتی ہوئی کائنات کے پیچھے اتنی بڑی طاقت تھی کہ آج سے ستر ہ ارب سال پہلے یہ بگ بینگ ہوا تھا اور وہ اتنا طاقتور تھا کہ اب تک کائنات پھیل رہی ہے، سوال یہ ہے وہ کون سی قوت ہے جس نے تیز رفتار مادے کو اچانک اُڑنے سے روک کر پہلے ہی سیکنڈ کے بہت چھوٹے وقفے میں کلسٹر، سُپر کلسٹر، کہکشاؤں اور ستاروں اور سیاروں کی صورت میں پھر سے جمع کرنا شروع کر دیا، سائنسدان یہ کہتے ہیں اگر اس میں ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے کے برابر بھی شروع میں فرق آجاتا تو پوری کائنات اپنا وجود کھو بیٹھتی[(2)]۔ اسی طرح ان پہلے چند سیکنڈز میں اس کائنات میں ایک ایسا ذرہ (particle) وجود میں آیا جسے اب سائنسدانوں نے Higg Boson particle (ہِگ بوسن ذرہ) یا God's particle کا نام دیا ہے۔ اگر یہ ذرہ وجود میں نہ آتا تو کائنات کے

---

(1) ایضاً، ولی رازی: قرآن اور سائنسی انکشافات، ص 60-61

(2) ایضاً، ص 69-71

اندر توانائی ہی توانائی ہوتی اور مادہ نہ بن سکتا[1]۔ گویا کائنات کی بالکل ابتدائی سیکنڈز میں ہی اس کے اندر اللہ نے اپنی قدرت سے ایسی خصوصیات رکھی تھیں جس نے اس کائنات کو ایک مقصد کی طرف بڑھنے پر مجبور کیا۔

ستاروں کے درمیانی فاصلوں کی وسعت کا بیان کرتے ہوئے مولانا ولی رازی ، مائیکل ڈنٹن (Michael Denton)کی کتاب(Nature's Destiny) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ہماری کہشاؤں (ملکی وے) میں ستاروں کا درمیانی فاصلہ (یعنی پونے تین سو ارب ستاروں میں سے ہر ستارے کے درمیان) تقریباً30 ملین میل ہے اگر یہ فاصلہ کچھ کم ہوتا تو سیاروں کے مدار قائم نہ رہتے۔ اگر یہ کچھ زیادہ ہوتا تو سپر نوا(یہ ستاروں کی تباہی کا ایک نظام ہے جو عظیم دھماکے کے ساتھ پھٹ کر اپنا ملبہ انتہائی قوت کے ساتھ چاروں طرف بکھیرتا ہے۔ یہ ملبہ دراصل مختلف فطری عناصر کا ذخیرہ ہے جو اس دھماکے کے ذریعے کائنات کے مختلف فطری عناصر کا ذخیرہ ہے جو اس دھماکے کے ذریعے کائنات کے مختلف حصوں میں نئ کہکشاؤں یا ستاروں کو جنم دینے کے لیے ضروری ہے) کا ملبہ بے قابو ہو کر کائنات میں پھیل کر گم ہو جاتا ہے اور ہمارا یہ شمسی نظام وجود میں نہیں آسکتا تھا۔ اگر کائنات میں زندگی کے لئے کوئی ٹھکانہ بنانا ضروری ہے تو سپر نوا کے دھماکے کا نہایت ریاضی صحت کے ساتھ اور اس کے درمیانی فاصلے کا بھی اسی نازک حساب سے واقع ہونا ضروری ہے"۔[2]

اسی مصنف مائیکل ڈنٹن نے جگہ جگہ اپنی کتاب میں اعتراف کیا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے حیرت

---

(1).Job Kozhamathandam SJ : The Discovery of God' Particle & the Future of Science -Religion Dialogue، Biannual Journal Omega ،Pune،India، Vol 11 : 2، June 2012، pp.9-19.

(2)Michael Denton : Nature's Destiny ، Free Press، New york،1998، p.11

انگیز قوانین اور نظم و توازن بغیر کسی خالق کے وجود میں آنے کا تصور سائنسی امکانات سے باہر ہے۔ قرآن کریم کا یہ خطاب ملاحظہ کیجئے جو سائنسدانوں کے لیے بڑا چیلنج بھی ہے اور قرآن کریم کے اعجاز کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

{الَّذِی خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ (3) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (4)} [1]

"جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے، تو رحمان کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا، تو پھر نگاہ دوڑا کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے۔ پھر دوبارہ نگاہ کر تیری طرف نگاہ ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہوگی"۔

قرآن کا یہ چیلنج کسی خاص قوم یا خاص زمانے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ رہتی دنیا تک قائم ہے۔ حیرتوں کا یہ سفر رب العالمین کی قدرت اور قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات کا ایمان افروز سفر ہے۔ سائنس کی نگاہیں بار بار خلاء کی وسعتوں کو دیکھتی ہیں، اور ہر بار وہ ذلیل اور درماندہ ہو کر لوٹ آتی ہیں۔ [2]

عقل ناداں کیا سمجھ سکتی ہے راز کائنات
سینکڑوں عالم ہیں اس عالم کے انجانے بھی [3]

اس عظیم دھماکہ کی حکمتوں پر سائنسدانوں کے حوالہ سے ہارون یحیٰ کی تحریروں کی روشنی میں مولانا ولی رازی لکھتے ہیں: بگ بینگ کے دھماکے سے پہلے پوری کائنات کا مادہ ایک ایسے نقطے میں سمٹا ہوا تھا جو صفر والیوم (سائز) کا تھا۔ یعنی اس کا کوئی ریاضی وجود نہیں تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس قوت نے اس عظیم مادے کو جکڑا

---

[1] [الملک:3،4]
(2) ولی رازی: قرآن اور سائنسی انکشافات، ص۔ 79
3(ذکی کیفی)

ہوا تھا، وہ اتنی عظیم تھی کہ اس نے اس نقطے کو پھٹنے سے روکا ہوا تھا۔ دوسری طرف سائنسدان کہتے ہیں کہ جب یہ نقطہ ایک عظیم دھماکے کے ساتھ پھٹا تو مادہ بے انداز رفتار کے ساتھ چاروں طرف پھیلنا شروع ہوا۔ اس کی رفتار کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ 17 ارب سال کے بعد بھی اب تک مسلسل پھیل رہا ہے۔ قرآن کریم نے ان سب واقعات یعنی زمین اور آسمانوں کے ایک جگہ جکڑا ہوا ہونے، اور پھر اس کے پھٹنے کا ذکر سورۂ انبیا کی 30 ویں آیت میں اور پھر اس کے مسلسل پھیلنے کا ذکر سورۃ الذاریات کی 47 ویں آیت میں چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا[1]۔

یہاں ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے جو سائنسدانوں کو حیران کئے ہوئے ہے۔ وہ یہ کہ جب کوئی دھماکہ ہوتا ہے تو پھٹنے والے مادے کے ٹکڑے ہر طرف بے قابو ہو گولی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز دوڑتے ہیں۔ اور اس وقت تک دوڑتے ہیں جب تک اس کو پھاڑنے والی قوت ختم نہ ہو جائے۔ یا اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ یہاں معاملہ بالکل اس کے خلاف ہوا۔ ایک عظیم دھماکہ ہوا۔ پھر اس دھماکے کے پہلے سیکنڈ کے کئی کھرب ویں حصے میں ایک اچانک یہ پھٹنے والا مادہ واپس لوٹ کر مختلف اجسام کی صورت میں جمع ہونا شروع ہو گیا۔ یعنی کہکشائیں، ستارے اور نظام شمسی کی صورت اختیار کرنے لگے۔ یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ جس قوت نے پوری کائنات کے مادے کو ایک نقطے میں بھینچ کر جمع کیا ہوا تھا اس نے وقت کے کسی لمحے میں اچانک اپنی گرفت ڈھیلی کیوں کر دی کہ وہ مادہ دھماکہ بن کر اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ دھماکہ ہونے کے اتنے قلیل عرصے میں ایک سیکنڈ کے اربویں 1/billionth (second) حصے میں اس تیز رفتار اڑنے والے مادے کو اسی طاقت نے صرف اتنی قوت کے ساتھ کھینچنا شروع کر دیا کہ اس کے کچھ ٹکڑے بڑے بڑے اجسام کی صورت میں جمع ہو جائیں اور ایسا حیرت انگیز توازن اور نظم و ضبط قائم ہو گیا کہ انسانی عقل دنگ ہو کر رہ گئی۔[2]

---

(1) ایضاً، ص 123-124

(2) ایضاً

سائنسدان ان دونوں سوالوں کا جو جواب دیتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے:

"یہاں دو متضاد قوتیں کار فرما ہیں۔ دھماکے کی قوت جو مادے کو تیزی سے ہر طرف بکھیر رہی ہے۔ اور قوت کشش، جو مادے کو پھیلنے سے روکنے میں مصروف ہے۔ کائنات اس لئے وجود میں آئی کہ یہ دونوں قوتیں متوازن تھیں۔ اگر قوت کشش دھماکے کی قوت سے ذرا بھی زیادہ ہوتی تو کائنات اپنے تمام مادے سمیت قوت کشش سے چپک کر ختم ہو جاتی۔ (اور کوئی دھماکہ نہ ہوتا)، اس کے مقابل اگر دھماکے کی قوت ذرا بھی اس سے زیادہ ہوتی جتنی ہے تو کائنات کا مادہ بے قابو ہو کر خلا میں بکھر کر غائب ہو جاتا۔ (دونوں صورتوں میں کائنات کا وجود ممکن نہ ہوتا)"[1]۔

سوال یہ ہے کہ دونوں قوتوں کے درمیان توازن کی یہ مقدار کتنی ہے۔ اس کا جواب اتنا حیرت انگیز ہے کہ اس پر ہم پوری حیرت کے اظہار پر بھی قادر نہیں ہیں۔ اس کا جواب آسٹریلیا کے پروفیسر جو ریاضی فزکس کے ماہر (Mathematical Physicist) ہیں۔ ان کے الفاظ میں سنیے، انہوں نے بہت طویل پیچیدہ اور محنت طلب حسابات کے ذریعے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے۔

''بگ بینگ کے وقت دھماکے کا تناسب حسابات کے مطابق اتنا نازک اور باریک تھا کہ اس میں ادنٰی سی کمی کائنات کو کچل کر ختم کر دیتی اور ادنٰی سی زیادتی کائنات کے مادے کو خلا میں گم کر دیتی اس کمی اور زیادتی کے درمیان کتنا نازک فرق ہے۔ یہ اتنا قلیل ہے کہ اگر اس کو ہم ایک سیکنڈ کے کسی حصے میں بانٹنا چاہیں۔ تو سیکنڈ کا ہر حصہ اس عدد سے حاصل ہوگا جو ایک کے ہندسے کے دائیں جانب اٹھارہ صفر لگانے سے حاصل ہو گا، لکھنے میں یہ عدد اس طرح لکھا جائے گا (1000,000,000,000,000,000) اس عدد کے لئے ہماری پاس کوئی نام نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی انسان سیکنڈ کے اس حصے میں اپنی آنکھ جپکا سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس مختصر وقفے کا کوئی

---

(1) ایضاً، ص 125

قابل عمل تصور کیا جاسکتا ہے"۔

ایک اور سائنسدان اسٹیفن ہاکنگ (Stephen Hawking) جو نہ صرف کائنات کے وجود کو اتفاقات کا نتیجہ مانتا ہے اور اس کے کسی خالق ہونے کا سختی سے انکار کرتا ہے بلکہ اپنے نظریئے کے حق میں دلائل پیش کرنے کے لئے بڑی محنتیں اٹھاتا ہے۔اس کا یہ بیان ملاحظہ ہو۔

"بگ بینگ کے ایک سیکنڈ بعد اگر کائنات کے پھیلنے کی رفتار میں ایک لاکھ ملین ملین کی بھی کمی ہوتی تو کائنات اپنے موجودہ سائز تک پہنچنے سے (بہت) پہلے ہی پچک کر ختم ہو جاتی"۔ (1)

عقل کو دنگ کر دینے والے اس توازن اور ان ہوش ربا اعداد کی موجودگی میں کوئی معمولی عقل والا آدمی اس کو حادثات اور اتفاقات کا مجموعہ کیسے قرار دیتا ہے، یہ بات خود عقل کو دنگ کر دینے والی ہے۔

ڈاکٹر ہارون یحیٰ نے کہیں لکھا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص آپ کو آکر یہ اطلاع دے کہ گندم کے ایک بہت بڑے ڈھیر میں بم دھماکہ ہوا۔ گندم کے دانے ہر طرف تیزی سے اڑے اور پھر پراسرار طور پر وہ نہایت خوبصورت پیکٹوں میں ایک بہت بڑے ٹرک پر اس نظم کے ساتھ لد گئے کہ ایک دوسرے سے ٹکرانے نہ پائیں۔ اور یہ ٹرک خود بخود کسی ڈرائیور کے نہایت متوازن رفتار سے ان پیکٹوں کو لے کر سفر کرنے لگا۔ اور آپ اس کہانی پر نہ صرف یہ کہ یقین کر لیں بلکہ اس کی تصدیق کے دلائل ڈھونڈنے بیٹھ جائیں۔ (2)

اوزون، قدرت کا فلٹر

{وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ}(3)

"ہم نے اپنی قدرت سے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے منہ

---

(1) A Brief History of Time بحوالہ قرآن اور سائنسی انکشافات، ص126

(2) قرآن اور سائنسی انکشافات، ص126

3 [الأنبیاء:32]

موڑ رہے ہیں"

ڈاکٹر ہارون یحیٰ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ ہماری اس چھت کا ایک حصہ اوزون (Ozone) کی تہہ ہے جس نے زمین کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ اس تہہ کا کام یہ ہے کہ وہ زمین کو الٹرا وائلٹ ریز کی تباہ کاریوں سے بچائے۔ یہ شعاعیں توانائی کی ایسی قوت سے بھرپور ہوتی ہیں کہ اگر زمین تک ان کی رسائی ہو جاتی تو یہ تمام جانداروں کی موت بن جاتی۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اوزون (O^3) آکسیجن سے بنتی ہے۔ آکسیجن گیس کے مالیکیول میں دو ایٹم ہوتے ہیں۔ الٹرا وائلٹ ریز اپنی بے اندازہ قوت سے آکسیجن کے مالیکیول میں ایک ایٹم کا اضافہ کر دیتی ہے۔ یہ کیمیائی عمل الٹرا وائلٹ ریز کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ اس اضافے کے ساتھ یہ گیس اوزون (O^3) بن جاتی ہے۔ اس کیمیائی عمل کے لئے جس درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے وہ زمین پر دستیاب نہیں ہو سکتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیجئے کہ ہماری فضا ایک عظیم اور نہایت طاقتور ایٹمی ری ایکٹر بھی ہے۔ (سبحان اللہ) سورۂ انبیاء کی اس آیت کا ترجمہ پھر پڑھیئے۔ "ہم نے اپنی قدرت سے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے منہ موڑ رہے ہیں" اس مرتبہ مزید قوت کے ساتھ محسوس کریں گے کہ اس کائنات کا خالق "اللہ رب العالمین" ہے اور اس کے سوا "محفوظ چھت" کوئی نہیں بنا سکتا۔[1]

1.3۔ اللہ کے وجود پر کائنات کی وسعت سے استدلال

کائنات اتنی بڑی ہے کہ ہمارے پیمائش کے پیمانے جیسے کلو میٹر اور میل کم پڑ جاتے ہیں اس لئے نوری سال یا لائٹ ایئر کے پیمانہ سے کائنات کو ماپا جاتا ہے، اور ایک نوری سال میں روشنی 186000 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے جو فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہا جاتا ہے، اور وہ فاصلہ 6 کھرب میل یا 10 کھرب کلو میٹر ہے۔

---

1) ساگان، ولی رازی: قرآن اور سائنسی انکشافات، ص۔123

The dimensions of the cosmos are so large that familiar units of distance such as meters or miles are insufficient, so distance is measured with the speed of light. In one second a beam of light travels 186,000 miles, nearly 300,000 kilometers. In eight minutes it will travel from sun to the earth. We can say the sun is eight light minutes away. In a year light travels ten trillion kilometers, about six trillion miles. That unit of length – the distance light travels in a year – is called a light year.

Carl Sagan: Cosmos

اسی طرح کارل ساگان کائنات کی وسعت کے بارے میں مزید لکھتا ہے:

Our Milky way galaxy contains about 100 billion stars, the sun is one of them; the diameter of that galaxy is 600 quadrillion miles-yes, 600,000,000,000,000,000 miles! It takes light 100,000 years to cross it. But this awesome Milky Way galaxy is just a tiny part of the whole universe. Until the 1920s that seemed to be the only galaxy. But later on, due to further advancement in modern astronomy, it became evident that more galaxies are present in the universe, more than 100 billion galaxies, each with an average, a 100 billion stars like

our sun. In all these galaxies, there are perhaps as many planets as stars, $10^{11}x10^{11}= 10^{22}$, ten billion trillion.

کیا اتنی بڑی کائنات کسی خالق کے بغیر خود بخود پیدا ہو کر قائم رہ سکتی ہے، ممکن نہیں، اس لئے تو سینٹ اینسلم (Saint Anselm) نے خوب کہا:

"I do not seek understanding in order to believe. Rather I believe in order to understand"

ایک اور دلیل

سائنسدانوں کا اندازہ ہے کہ ہر سال میں اس عجیب و غریب طریقے سے پندرہ کروڑ ٹن فرٹیلائزرز زمین پر اترتے ہیں۔ اگر یہ فطری فرٹیلائزر نہ ہوتے تو زمین پر نباتات کی تعداد اتنی کم ہوتی کہ زندگی کے پورے ماحول کا توازن بگڑ جاتا۔ اور زندگی کی نشو و نما نہ ہو پاتی۔[1]

سورہ الطارق میں اللہ تعالیٰ نے ان حقائق کی طرف صرف دو لفظوں میں اشارہ دیا ہے، ارشاد ہے:

{وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (11) وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (12)}[2]

قسم ہے آسمان پھیرنے والے کی۔ اور زمین کی (جو بیج نکلتے وقت) پھٹ جاتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کو **لوٹانے والا** **وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ** (لوٹانے والا۔ پھیرنے والا) فرمایا ہے۔ (تفسیر روح المعانی میں اس کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے ہیں) ہمارے بزرگوں نے اس کا مطلب بارش ہی سے لیا ہے۔ جو بلا شبہ ایک نظر آنے والی حقیقت ہے کہ آسمان زمین کے پانی کو بارش کی صورت میں زمین ہی کو لوٹا دیتا ہے۔ لیکن یہاں آسمان کو ذات المطر نہیں فرمایا یعنی بارش والا آسمان۔ بلکہ ذات الرجع کا کلمہ

---

(1) قرآن اور سائنسی انکشافات، ص۔146

[2] [الطارق:11،12]

اختیار فرمایا ہے۔اس کی بظاہر یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آسمان صرف پانی ہی زمین کو نہیں لوٹاتا بلکہ مختلف معدنی ذرات بھی زمین کو پھیر دیتا ہے، جو زمین کو زرخیز بناتی ہیں اس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

اس لفظ کو اختیار کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آسمان کا پھیرنے یا لوٹانے کا عمل صرف زمین ہی کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ زمین کے باہر سے آنے والی بے شمار مضر چیزوں کو ہماری فضا زمین پر نہیں آنے دیتی بلکہ خلاء کو واپس لوٹا دیتی ہے۔ جیسا کہ فضا کی چھلنیوں (Filter) کے بارے میں کچھ سطور پہلے ذکر ہوا کہ سورج سے آنے والی تباہ کن شعاعوں (مثلاً انتہائی بنفشی شعاعوں اور دیگر مہلک توانائیوں) کو ہماری فضا روک دیتی ہے اور ان کو خلا میں بکھیر دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ آسمان لوٹانے کا عمل صرف زمین ہی کی طرف نہیں کرتا بلکہ بیرونی خلاء سے آنے والی چیزوں کو بھی "لوٹا دیتا ہے" اگر "ذاتِ المطر" بارش والا آسمان کا لفظ اختیار کیا جاتا ہے تو ان جدید معلومات کی طرف اشارہ نہ ہوتا۔ قرآن کریم نے صرف "رجع" کا لفظ رکھ کر شاید معجزانہ انداز میں مذکورہ بالا تفصیلات کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس لفظ میں بعد میں آنے والی تحقیقات جو فضا سے متعلق ہوں گی وہ بھی خود بخود شامل ہوتی جائیں گی۔ (1)

1.4۔پانی کی غیر معمولی خصوصیات پر عظیم دلائل، وجود باری تعالیٰ پر

اسی طرح پانی کی عجیب و غریب صفات اور اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرنے کے حوالے سے ہارون یحیٰ کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے مولانا ولی رازی لکھتے ہیں: سورۃ الفرقان کی آیت:

---

(1) قرآن اور سائنسی انکشافات، ص 147

{وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا}[1]

کے ان الفاظ پر غور کیجئے تاکہ ہم ان کے ذریعے سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں پانی کی اس خصوصیت کی طرف ہمیں توجہ دلائی ہے کہ اُس کے ذریعے وہ مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے۔اس کی سائنسی وجہ یہ ہے کہ بادلوں میں پانی کے ساتھ کچھ معدنیات کے اجزاء بھی ہوتے ہیں جو سمندر کے جھاگ کے بلبلوں کے پھٹنے سے ہوا کے ذریعے فضا میں پہنچتے ہیں۔اور بارش کے ذریعے مردہ زمینوں تک پہنچائے جاتے ہیں۔

پانی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی سطح پر ایک بہت باریک جھلی بن جاتی ہے جس کو "سطح کا تناؤ" (Surface Tension) کہتے ہیں۔یہ جھلی ایک ملی میٹر کے دسویں حصے کے برابر باریک ہوتی ہےاور پانی کے مالیکیول کی ایک دوسرے کی طرف کشش سے پیدا ہوتی ہے۔اس کا تجربہ آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ایک گلاس میں پانی لبالب بھر دیں۔آپ دیکھیں گے کہ گلاس کے کناروں سے کچھ اوپر تک پانی گلاس کے کناروں سے نہیں بہے گا۔یہ سطح کے اسی تناؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔پانی کی سطح کا یہ تناؤ خود بہت اہم اور عجیب ہے درجنوں فٹ بلند درختوں کی چوٹیوں تک پانی اسی کی وجہ سے پہنچتا ہے۔سمندر میں پانی کی سطح پر اس جھلی میں بعض نادر اجزاء جمع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فاسفورس، میگنیشیم، پوٹاشیم اور بعض بھاری اجزاء مثلاً تانبہ، رانگ اور جست وغیرہ۔ یہ معدنی اجزاء ہواؤں کے ذریعے فضا میں اُٹھائے جاتے ہیں۔اور پھر اپنے وقت پر بارش کے قطروں کے ساتھ زمین پر گرتے ہیں۔ یہ بہترین فطری فرٹیلائزر (کھاد) ہیں، جو زمین کو بارآور کرتے ہیں۔اور بنجر زمین بھی ان کے

---

[1] [الفرقان:48،49]

ذریعے زرخیز ہو جاتی ہے[1]۔ قرآن کریم میں اس سائنسی حقیقت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اسلوب میں واضح الفاظ میں ارشاد ہے:

{ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ (9) وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ (10) رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ(11)}[2]

اور ہم نے آسمان سے برکت (نفع) والا پانی برسایا۔ پھر اس سے بہت سے باغ اُگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت۔ جن کے گچھے خوب گھنے ہوتے ہیں۔ بندوں کو رزق دینے کے لئے۔ اور ہم نے اس (بارش) کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کیا (پس) اسی طرح زمین سے نکلنا ہو گا۔

اس آیت میں جہاں پانی کی اس خصوصیت کا ذکر فرمایا کہ ہم بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں وہیں مرنے کے بعد زندہ ہو کر حشر میں جمع ہونے کی حقیقت پر دلیل قائم فرمادی کہ اے نام نہاد عقل پرستو! جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور قوانین کے ذریعے مردہ زمینوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس کے لئے مردہ انسانوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالنا کیا مشکل ہے۔

دیگر تمام مائعات نیچے سے اوپر کی طرف (Bottom-Up) جمنا شروع ہوتے ہیں جب کہ ان سب کے برعکس، پانی اوپر سے نیچے کی طرف (Top-Down) منجمد ہوتا ہے۔ یہ پانی کی سب سے پہلی غیر

---

(1) القرآن اور سائنسی انکشافات، ص 145

[2] [ق:9-11]

معمولی خاصیت ہے جس کا تذکرہ ذیل کی سطور میں کیا گیا ہے۔اس کا سطح زمین پر پانی (اور نتیجتاً زندگی) کے وجود سے گہرا تعلق ہے۔اگر پانی میں یہ خاصیت نہ ہوتی (یعنی یہ کہ برف، پانی کی سطح پر نہ تیر سکتی) تو ہمارے سیارے کا بیشتر پانی منجمد ہونے کے بعد، سمندروں میں تہہ نشین ہو چکا ہوتا اور سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور تالابوں میں بھی زندگی کی وجود پذیری ممکن نہ رہتی۔

ایسا کیوں ہوتا؟اب ہم اس کی تفصیلات پر غور کریں گے۔زمین پر کئی مقامات ایسے ہیں جہاں سردیوں کا درجۂ حرارت صفر ڈگری سینٹی گریڈ، یا اس سے بھی بہت کم ہو جاتا ہے۔یہ سرد موسم یقیناً سمندروں اور جھیلوں وغیرہ میں موجود پانی پر بھی اثر ڈالتا اور ان کا پانی بھی سرد ہو کر منجمد ہونے لگتا۔اگر برف کا طرزِ عمل ایسا نہ ہوتا، جیسا کہ آج ہم دیکھتے ہیں (یعنی برف میں پانی کے اوپر تیرنے کی صلاحیت نہ ہوتی بلکہ وہ ڈوب جاتی) تو برف بنتے ہی تہہ نشین ہو جاتی اور یوں نچلی تہوں کا قدرے گرم پانی، کھلی ہوا میں آجاتا ہے۔وہ بھی جمتا رہتا اور تہہ میں بیٹھا رہتا، یہاں تک کہ اس سرد ماحول کی وجہ سے تمام کا تمام پانی منجمد ہو کر برف ہی برف ہوتی لیکن ایسا نہیں ہوا، اور ایسا ہوتا بھی نہیں۔اس کے برعکس ہم جانتے ہیں کہ پانی صرف 4 ڈگری سینٹی گریڈ تک اپنی کثافت بڑھاتا ہے۔ جونہی درجۂ حرارت مزید کم ہو گا پانی پھیلنے (اور ہلکا ہونے) لگے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ (ایسے سرد ماحول میں) 4 ڈگری سینٹی گریڈ والا پانی سب سے نیچے ہو گا، 3 ڈگری والا پانی اس سے اوپر، 2 ڈگری والا اس سے اوپر، یہاں تک کہ پانی کی بالائی سطح تک پہنچتے پہنچتے پانی کا درجۂ حرارت بھی صفر ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ چکا ہو گا اور وہ برف میں تبدیل ہو چکا ہو گا۔ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس صورت میں صرف پانی کی بالائی سطح منجمد ہوئی جبکہ اس سے نیچے پانی اب بھی مائع حالت میں ہے۔برف کے نیچے، 4 ڈگری سینٹی گریڈ والی مائع آبی تہہ میں موجود پودے اور دیگر جاندار اپنا سلسلۂ حیات جاری رکھے ہوئے ہیں۔[1]

---

(1)Denton، Michael : Nature's Destiny ، Free Press، New york، 1998، PP.21-46

اس موقع پر پانی کی مذکورہ بالا خاصیت کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ برف میں نہایت کم حرارتی ایصالیت کا ہونا اس عمل کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حرارت کا ناقص موصل (Bad Conductor) ہونے کی وجہ سے سطحِ آب پر تیرنے والی برف کی بالائی تہیں پانی میں موجود حرارت کو بیرونی فضا میں فرار ہونے سے روکے رکھتی ہیں۔ نتیجتاً، اگر ہوا کا درجۂ حرارت منفی 50 ڈگری سینٹی گریڈ بھی ہو جائے، تب بھی سطحِ سمندر پر چمکنے والی برف کی موٹائی ایک یا دو میٹر سے کچھ زیادہ نہ ہو گی البتہ اس میں اچھی خاصی دراڑیں ضرور پڑ جائیں گی۔ انتہائی سرد قطبی علاقوں میں پائے جانے والے جانور مثلاً سیل اور پینگوئن وغیرہ ان دراڑوں سے فائدہ اٹھا کر، برفانی تہہ کے نیچے موجود پانی تک پہنچتے ہیں اور مچھلیوں کا شکار کر کے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

اب اگر ایسا نہ ہوتا اور پانی بھی بالکل "عمودی" انداز میں منجمد ہوتا، یعنی اس کی ٹھوس حالت مائع حالت کے مقابلے میں زیادہ کثیف ہوتی تو ظاہر ہے کہ برف بھی پانی کی تہہ میں بیٹھ جاتی۔ پھر کیا ہوتا؟

اس صورت میں سمندروں اور جھیلوں وغیرہ میں انجماد کا عمل بھی نیچے سے شروع ہو کر اوپر کی طرف بڑھتا کیونکہ تب سطحِ آب سے حرارت کو ماحول میں فرار ہونے (یعنی پانی کو ٹھنڈا ہونے) سے روکنے کے لئے کوئی حفاظتی تہہ نہ ہوتی۔ دوسرے الفاظ میں دنیا کے بیشتر سمندروں اور جھیلوں کے اندر ٹھوس تہہ بن چکی ہوتی اور شاید مائع پانی کی بالائی تہہ چند میٹر سے زیادہ گہری نہ ہوتی۔ درجۂ حرارت بڑھنے پر بھی تہہ میں موجود برف مکمل طور پر پگھلنے نہ پاتی۔ ایسی دنیا کے سمندروں میں زندگی کی کوئی رمق نہ ہوتی اور بے جان سمندروں والے کسی عالمی ماحولیاتی نظام (Ecological System) میں زمینی زندگی کی وجود پذیری بھی ناممکن ہو کر رہ جاتی۔ مطلب یہ کہ اگر پانی کا طرزِ عمل اتنا مختلف اور غیر معمولی نہ ہوتا، اور یہ دوسرے مائعات کی "معمول" کے انداز میں کام کرتا تو ہماری دنیا کب کی ایک مردہ سیارے میں تبدیل ہو گئی ہوتی۔

پانی معمول کے طرزِ عمل کا مظاہرہ کیوں نہیں کرتا؟ یہ 4 ڈگری سینٹی گریڈ تک ٹھنڈا کرنے پر سکڑتے رہنے کے بعد مزید ٹھنڈا کرنے پر اچانک کیوں پھیلنے لگتا ہے؟ آج تک ان سوالات کا تسلی بخش جواب ہمیں میسر

نہیں آسکاہے۔[1]

اس کے علاوہ پانی کی دیگر خصوصیات بھی ہیں جو اُسے زندگی کے لئے نہایت موزوں مائع بناتی ہیں مثلاً اس کی بلند سطحی تناؤ Surface Tension اوراس کی مثالی لزوجیت Viscosity اور دیگر حرارتی طبیعی، کیمیائی، لزوجی، غرض تمام کی تمام خصوصیات وہی ہیں جن کا ہونا زندگی کی وجود پذیری اور تسلسل کے لئے لازمی ہے[2]۔ پانی زندگی کے لئے اس بھرپور اور بے نقص انداز سے وضع کیا گیا کہ بعض معاملات میں فطری قوانین تک اسے یہ صلاحیت عطا کرنے کے لئے معطل کر دیئے ہیں اس کی بہترین مثال اس غیر متوقع اور ناقابل توضیح پھیلاؤ سے دی جاسکتی جو درجۂ حرارت کے 4ڈگری سینٹی گریڈ سے کم ہونے پر پانی میں رونما ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو برف بھی پانی پر تیر نہ سکتی، سمندر منجمد ہو کر برف ہو چکے ہوتے اور زندگی بھی ناممکن ہوتی۔ پانی زندگی کے لئے اس حد تک موزوں اور بالکل درست مائع ہے کہ کوئی دوسرا مائع اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہی وہ پانی کا اہم پہلو جسے جدید سائنس نے حال ہی میں دریافت کیا ہے قرآنِ پاک نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے بیان فرمادیا تھا۔ پانی کے حوالے سے قرآنِ پاک میں اللہ کا ارشاد ہے: اللہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے اور جس سے تمہارے درخت بھی شاداب ہوتے ہیں جن میں تم اپنے چوپایوں کو چراتے ہو، اسی پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور (غرض بے شمار نباتات) اُگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے، غور کرنے والوں کے لئے اس میں وجودِ باری تعالیٰ کی بڑی نشانی ہے۔[3]

---

(1) مخدوم زادہ، ابو محمد، قرآن اور تخلیقِ کائنات، ص245۔247

(2)Michael Denton : Nature's Destiny، pp.33-35

(3) القرآن، النحل:10، 11

1.5۔ کائناتی دلائل، آیاتِ کائنات کی روشنی میں

قرآنِ حکیم نے تقریباً سو مقامات پر (اپنی 750 آیات کے ذریعے) کائنات کے مختلف مظاہر کو بیان کیا ہے اور ان کے مختلف پہلوؤں کے حوالے دیتے ہوئے انہیں نشانیاں قرار دیا ہے[1]۔ یہ وہ مظاہر ہیں جو انسان کے مشاہدے میں رہتے ہیں، انسان ان سے استفادہ کرتا اور ان کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتا اور انہیں برتتا ہے۔ ان نشانیوں کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے نعمت ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے وجود بخشا ہے ان ہی کے فائدے کے لئے انہیں مسخر کر رکھا ہے اور ان میں بہت سے فائدے ودیعت کر دیئے ہیں۔ قرآن کبھی اجمال کے ساتھ انفس و آفاق کی نشانیوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، کبھی آفاق میں سے زمین و آسمان کی نشانیوں کو الگ الگ بیان کرتا ہے اور کبھی زمین یا آسمان کی کسی ایک نشانی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کبھی وہ کائنات کے کسی مظہر (Phenomena) کو نشانی قرار دیتا ہے اور کبھی ایک ہی مظہر میں متعدد نشانیوں کا حوالہ دیتا ہے اور اس کے متعدد پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مظاہرِ کائنات کا قرآن نے جہاں جہاں تذکرہ کیا ہے وہاں صرف یہ بتلاتا ہے کہ ان میں نشانیاں ہیں، کبھی صراحت سے یہ مذکور نہیں کہ ان سے کن چیزوں پر دلالت ہوتی ہے لیکن اسلوب، سیاق و سباق اور بین السطور سے واضح طور پر اشارہ ملتا ہے کہ ان نشانیوں کو قرآن کریم مخصوص چیزوں کے اثبات کے طور پر دلائل پیش کرتا ہے۔

1. قرآن کائنات کے مختلف مظاہر کا تذکرہ کرتے ہوئے ان میں نظم و ضبط، ہم آہنگی، باہمی ربط و مناسبت اور توازن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کائنات کی ہر چیز متعین اصول و ضوابط اور محکم قوانین کے تحت اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔ اس طرح سے وہ دو باتیں ثابت کرنا چاہتا ہے ایک تو یہ کہ ان

---

(1) رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر، اسلام، مسلمان اور سائنس، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، 2000ء، ص 28-29

چیزوں کا وجود از خود نہیں ہو گیا ہے اور کائنات کا آغاز کسی غیر متوقع یا اچانک وقوع پذیر دھماکہ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم ہستی نے وجود بخشا ہے اور اس نے اپنی حکمت سے ان میں نظم اور ہم آہنگی رکھی ہے جیسے سورۃ یٰسین کی آیت 37 تا 40 میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس علیم وخبیر ہستی نے ان چیزوں کی تخلیق محض کھیل تماشے کے لئے بلکہ منصوبہ بند طریقے پر ایک مقصد سے کی ہے جیسے سورۃ الانبیاء آیت 16-17 سے ثابت ہوتا ہے۔

2. اسی طرح ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان چیزوں کو وجود بخشنے والی صرف ایک ہی ہستی ہے ایسا نہیں ہے کہ خداؤں کا ایک گروہ ہے جس نے مختلف کام آپس میں بانٹ لئے ہوں بلکہ وہ واحد ہستی ہے جس نے کائنات کے ایک ایک ذرے کی تخلیق کی ہے وہی ان کا نظم چلا رہا ہے، اس نے اپنی خدائی میں کسی کو شریک نہیں کیا اور وہ ایک لمحے کے لئے بھی اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہے۔ جیسے سورۃ النحل آیت 65، العنکبوت۔ 44، الانعام۔ 98۔ 95، الاعراف۔ 57، یونس۔ 67، 5 وغیرہ میں اشارات ملتے ہیں۔

3. تیسری چیز جسے قرآن ان نشانیوں کے ذریعے ثابت کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عظیم قدرت کا مالک ہے اس نے کائنات میں ایک نظام قائم کر رکھا ہے اور اشیائے کائنات کو اسباب ومسببات کا پابند بنا دیا ہے۔ اسی طرح قرآن ان آیات میں یہ بیان کرتا ہے کہ آسمان وزمین کی تخلیق اللہ تعالیٰ بہترین انداز پر کی ہے۔ جیسے االذاریات۔ 48۔ 47، الانبیاء 32 وغیرہ میں بیان ہے۔

4. ان آیات سے قرآن اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ان تمام چیزوں کی تخلیق انسانوں کے لئے بطور نعمت کی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے مسخر کیا ہے اس لئے بجائے ان کی عبادت کے ان میں جو منافع رکھے ہیں انہیں استعمال کریں اور ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کریں جیسے سورۃ النحل۔ 10۔ 13، یٰسین 36۔ 33، الانعام 97۔ 99، طٰہٰ 53، 54، النمل 86 وغیرہ میں اس طرف اشارے ملتے ہیں۔

5. ان نعمتوں سے لطف اندوزی کا تقاضا یہ ہے کہ جس ہستی نے ان سے نوازا ہے اس کا شکر بجالا یا جائے، اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے بر گزیدہ بندوں کی دعوت کو قبول کر کے اس کے حکموں کی پیروی کی جائے۔

6. ایک اہم چیز جس پر قرآن ان نشانیوں کو دلیل بناتا ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا عقیدہ اور آخرت پر ایمان ہے۔ قرآن جابجا زمین کی نشانی پیش کرتا ہے کہ کس طرح ایک زمین بے آب و گیا مردہ پڑی رہتی ہے اس میں زندگی اور روئیدگی کوئی آثار نہیں ہوتے، پھر بارش ہوتی ہے تو اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے، سرسبزی آجاتی ہے اور وہ لہلہانے لگتی ہے پھر اس سے قرآن یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جو ذات ایک مردہ زمین میں زندگی کی روح پھونک دیتا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے جیسے کہ حٰم السجدہ 39، الاعراف 57، الروم 25-24 میں بیان ہے[1]۔ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لئے بیان کی ہیں جو ایمان کے حامل اور صاحبِ عقل ہیں۔ قرآن نے ایسے لوگوں کو اولولالباب بھی کہا ہے اور انہیں صاحبِ فراست، (المتوسمین) اور صاحبِ عقل و دانش بھی کہا ہے۔[2] اس سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ قرآن کے نزدیک اہلِ ایمان اور اصحابِ عقل دو الگ الگ گروہ نہیں ہیں، عقل کا لازمی نتیجہ ایمان ہے، اگر کوئی شخص صحیح طریقے پر غور و فکر کرے اور عقل کے حدود میں رہتے ہوئے اس سے کام لے تو وہ یقیناً خدا کی معرفت حاصل کر لے گا۔

"قرآن حکیم نے کائنات کے جن جن مظاہر کو بیان کیا ہے اور ان کے جن جن پہلوؤں میں نشانیاں قرار دی ہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدید سائنسی علوم نے ان پہلوؤں کی مزید تشریح و توضیح کر دی ہے اور ان کے

---

(1) ایضاً، ملخّص از رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر، اسلام، مسلمان اور سائنس،

(2) القرآن، الجاثیہ- 3-7

اندر پوشیدہ "نشانیوں" کو مزید آشکارا کرنے کے لئے راہ فراہم کی ہے۔ مثلاً قرآن نے سور، چاند ستارے اور دن رات وغیرہ کو "نشانیاں" قرار دیا ہے۔ موجودہ سائنس نے علم الافلاک (Astornomy) اور علم الکائنات (Cosmology) کے ذریعے ان تمام جزئیات اور علت و معلول (Cause and Effect) کو واضح کر دیا۔ قرآن نے ہواؤں اور برق و باراں کو "نشانی" کہا۔ سائنس نے علم موسمیات کے ذریعے ان کے اسباب بتلا دیئے، قرآن نے بارش کو اللہ تعالیٰ کی نعمت بتلاتے ہوئے اس سے گھاس، سبزہ، کھیتی، مختلف قسم کے پھل اور دوسری نباتات اگنے کو نشانی قرار دیا۔ جدید سائنس نے علم نباتات (Botany) کے ذریعہ اس کی تفصیلی معلومات فراہم کر دیں۔ قرآن نے زمین میں مختلف قسم کے جانور ہونے اور ان سے انسان کو حاصل ہونے والے فائدوں کا ذکر کیا۔ جدید سائنس نے علوم الحیوانات (Zoology) کے ذریعے ان کی مزید تشریح و توضیح کر دی۔ اسی طرح جغرافیہ (Geography) علم طبقات الارض (Geology) علم النفس (Psychology) علم الاجتماع (Sociology) علم الآثار (Archaeology) اور دوسرے علوم دراصل اس کائنات ہی کی تفسیر ہیں جس کو قرآن میں آیت کہا گیا ہے[1]"۔

1.6۔خدا کا وجود عقل کی نظر میں

گذشتہ صفحات میں جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں وجودِ خداوندی پر بے شمار علمی و کائناتی دلائل پر ہم بات کر چکے ہیں۔ عہدِ اسلام میں علمائے اکرم اور اربابِ دانش نے اس موضوع پر غور و فکر کر کے جو دلائل فراہم کیے تھے وہ بھی بڑے محققانہ اور معرکۃ الآرا ہیں، جن کی افادیت آج بھی مسلم ہے۔

انتظام بے منتظم

امامِ اعظم ابو حنیفہ الحاد و بے دینی کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کسی

---

(1) رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر، اسلام، مسلمان اور سائنس، ص 50-51

مسجد میں آپ کو تنہا پا کر چند ملحدین ننگی تلواریں سونتتے ہوئے اندر گھس آئے جو ایسے ہی موقع کی تاک میں تھے۔ مگر آپ نے ذرہ برابر بھی خائف ہوئے بغیر کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ، پہلے میرے ایک سوال کا جواب دے دو، پھر تمہیں اختیار ہے کہ جو چاہو کرو۔ ملحدین نے کہا کہ اچھا تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہہ لو۔ آپ نے فرمایا کیا خیال ہے تمہارا اس شخص کے بارے میں جو یہ کہتا ہو کہ قسم ہا قسم کی چیزوں سے بھرا ہوا اور مختلف سامانوں سے لدا ہوا ایک جہاز جو بے کراں سمندر کا سینہ چیرتا اور طوفانی موجوں کا مقابلہ کرتا چلا جا رہا ہے، جس میں نہ تو کوئی ملاح ہے اور نہ کوئی کپتان، بلکہ وہ بغیر کسی نگران اور منتظم کے خود بخود رواں دواں ہے۔ کیا ایسے شخص کی بات عقل کی سمائی میں آسکتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا بالکل نہیں۔ اس بات کو عقل کبھی قبول نہیں کر سکتی۔ پس آپ نے فرمایا سُبحان اللہ! جب کسی جہاز کا خود بخود رواں دواں ہونا خلافِ عقل ہے جس کا نہ تو کوئی ملاح ہے اور نہ کوئی نگران، تو پھر اتنی بڑی کائنات کا وجود اور اس کی نیرنگیوں کا بغیر کسی خالق و ناظم اور مدبر و منتظم کے قائم و دائم رہنا روا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات بھلا عقل میں کس طرح آسکتی ہے؟ یہ سن کر سب رونے لگے اور تلواروں کو نیام میں کر لیا۔ پھر سب نے آپ کے روبرو توبہ کی اور دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔

انسانی نفسیات کی گواہی

حضرت جعفر صادق کے روبرو ایک دہریہ نے وجود باری تعالیٰ کا انکار کیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تجھے سمندر میں سفر کرنے کا کبھی اتفاق ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں ایسا کئی بار ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تیرے ساتھ کبھی کوئی بحری حادثہ بھی پیش آیا ہے؟ اس نے کہا ہاں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ تُند و تیز ہوائیں چلنے لگیں تو ہماری کشتی کے پرخچے اڑ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کشتی پر سوار تمام مسافر ملاحوں سمیت غرق ہو گئے۔ اتفاق سے میرے ہاتھ ایک تختہ لگ گیا اور میں طوفانی موجوں کی تلاطم خیزیوں سے بچ کر ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے تو تمہارا اعتماد کشتی اور ملاح پر تھا، پھر تختے پر رہا۔ فرض کرو کہ کوئی ایک بھی تختہ تمہارے ہاتھ نہ لگتا اور بچ نکلنے کی کوئی صورت ہی نہ ہوتی تو کیا تم اس وقت بھی اپنی سلامتی کی توقع کر سکتے تھے؟ اس نے کہا ہاں میں اپنی سلامتی کی توقع کر سکتا تھا۔ پوچھا کہ کس سے؟ تو وہ لاجواب ہو گیا۔ فرمایا کہ جس سے تم

اپنی سلامتی کی توقع رکھتے تھے وہی خدا ہے اور اسی نے تم کو نجات سے ہمکنار کیا ہے۔اس مباحثہ کے بعد وہ شخص ایمان لے آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ وجودِ باری کا اعتراف خود انسان کی فطرت میں رچا بسا ہوا ہے۔ انسان اپنی زبان سے خدا کا لاکھ انکار کرے، مگر خود اس کی فطرت پکار پکار کر وجودِ باری کا اعتراف کرے گی۔ اسی کو قرآن کہتا ہے:

{وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ}[1]

اور خود تمہارے نفوس میں بھی (وجودِ خداوندی کے) دلائل موجود ہیں۔ کیا تم کو نظر نہیں آتا؟

پھر یہ بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ مشکل اور مصیبت کے وقت بے ساختہ خدا یاد آجاتا ہے۔ جب کوئی شخص اچانک کسی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو وہ مدد کے لیے بے ساختہ خدا کو پکار بیٹھتا ہے خواہ وہ کٹر سے کٹر ملحد اور بے دین ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی ساری دہریت و بے دینی یا شرک و کفر وغیرہ سب دھرے رہ جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس ابدی حقیقت کو اس طرح بے نقاب کیا گیا ہے:

{هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ}[2]

ترجمہ: وہی ہے جو تم کو بر و بحر میں چلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب تم (سمندر میں) کشتیوں پر

---

[1] [الذاریات:21]
[2] [یونس:22]

ہو جو تم کو لے کر نرم خرام ہواؤں کے سہارے چلنے لگتی ہیں اور وہ مسرور رہتے ہیں تو (اچانک) ایک تیز و تند (طوفانی) ہوا انہیں آلیتی ہے۔ اور (بپھری ہوئی) موجیں ہر طرف سے انہیں گھیر لیتی ہیں، تو (ایسے سخت ابتلاء کے موقع پر اچانک) وہ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتے ہیں کہ اے اللہ! اگر تو ہم کو اس مصیبت سے چھٹکارا عطا کر دے تو ہم یقیناً بڑے شکر گزار ہوں گے۔

خدا کی وحدانیت

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک سے دریافت فرمایا کہ تیرے کتنے معبود ہیں؟ کہا کہ دس۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ جب تجھ پر کوئی آفت آن پڑتی ہے یا تو کسی سخت مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو تجھ کو چھٹکارا اور رہائی کون دلاتا ہے؟ کہا کہ اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہ رہا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مشرکین سینکڑوں ہزاروں معبودوں کو پوجتے، ان پر نذر و نیاز چڑھاتے اور ہمہ وقت انھیں منانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ مگر جب کوئی برا وقت آتا ہے تو پھر یہ تمام معبودانِ باطل دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معبود بر حق در حقیقت ایک ہی ہستی ہے اور باقی تمام معبود خود ساختہ و خانہ ساز ہیں۔ واحدانیت اللہ پر یہ بڑی لاجواب دلیل ہے۔

قدرت کی نیرنگیاں

امام شافعیؒ سے ایک مرتبہ لوگوں نے وجودِ باری تعالیٰ کا ثبوت مانگا تو آپ نے بڑی معرکۃ الآراء اور سائنٹفک قسم کی دلیل بیان کی۔ فرمایا کہ دیکھو ایک چھوٹی سی مثال پر غور کرو۔ شہتوت کے پتے کا رنگ رُوپ اور خُوبو بالکل یکساں ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جب اس کو ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ابریشم نکلتا ہے، شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد نکلتا ہے، ہرن کھاتا ہے تو وہ مشک بن جاتا ہے اور بکری کھاتی ہے تو مینگنی ہو جاتی ہے۔ چیز ایک ہے مگر وہ مختلف معدوں میں پہنچ کر مختلف کرشمے دکھاتی ہے۔ پس وہ کون ہے جو یہ سارے عجوبے دکھا رہا ہے؟

یہ تو صرف ایک مثال ہے ورنہ پورا کارخانۂ فطرت اس قسم کے عجائباتِ قدرت سے بھرا پڑا ہے۔ قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پانی جیسی ایک سادہ چیز سے رنگ برنگے پیڑ پودے اور قسم ہا قسم کے خوش نما و خوش ذائقہ غلے، میوے اور پھل پھول وغیرہ سب کچھ اُگا دیتا ہے، جو یقیناً ربوبیت کا ایک شاندار کارنامہ ہے:

{هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ (10) يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (11)}[1]

ترجمہ: وہی ہے جس نے بلندی سے پانی برسایا۔ یہی پانی مشروب بھی ہے، اسی سے درخت بھی اگتے ہیں اور اسی میں تم اپنے چوپاؤں کو چراتے بھی ہو اور اللہ اسی پانی سے تمہارے لیے (مختلف قسم کے) غلے، زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے میوے نکال دیتا ہے۔ یقیناً ارباب فکر کے لیے اس میں ایک کھلا ہوا سبق موجود ہے۔

قدرت کی بالادستی

امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ایک دوسری مرتبہ اس سلسلے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس طرح استدلال فرمایا کہ ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو مگر اس کے برعکس اس کو بیٹی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی چاہتا ہے کہ اس کے ہاں بیٹی ہو مگر اس کی خواہش کے برخلاف بیٹا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کائنات میں ایسی کوئی ہستی ضرور موجود ہے جو سب پر اپنی حکمرانی و قہرمانی چلا رہی ہے۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے:

{لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ (49) أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ

---

[1] [النحل:10،11]

قَدِيرٌ (50)}[1]

زمین و آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے قبضہ واختیار میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے۔ یا کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں سے نوازتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ ہی رکھتا ہے۔ یقیناً وہ بڑا ہی علم والا اور بڑی ہی قدرت والا ہے۔

اختلافِ الوان

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے وجودِ باری تعالیٰ کی دلیل مانگی تو آپ نے بنی نوع انسان کی شکلوں، صورتوں، آوازوں، لہجوں اور ان کی مختلف زبانوں سے استدلال فرمایا۔ یعنی اگر خدا کا وجود نہ ہوتا تو پھر تمام لوگوں کی شکل وصورت، رنگ وروپ، قدو قامت، عادات واطوار، خُو بو اور لہجہ اور آواز وغیرہ سب باتوں میں یکسانیت ومشابہت ہوتی اور کسی دو آدمیوں کے درمیان فرق وامتیاز کرنا سخت مشکل ہو جاتا۔ جیسا کہ حیوانات ونباتات میں زیادہ تر یکسانیت پائی جاتی ہے۔ لہذا انسانی زندگی کے یہ مختلف مظاہر اور رنگا رنگیاں وجودِ باری اور رحمتِ خداوندی کا بڑا شاندار اور زبردست ثبوت ہیں۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کی ترجمانی اس طرح کی گئی ہے:

{وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ}[2]

ترجمہ: اور اس کے نشانات ودلائل میں سے ہے زمین وآسمانوں کی تخلیق اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ یقیناً اس باب میں اہلِ علم کے لیے بہت سے اسباق ودلائل موجود ہیں۔

---

[1] [الشوری:49،50]

[2] [الروم:22]

غور فرمایئے اگر یہ تمام اختلافات فی الواقع موجود نہ ہوتے تو پھر انسان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں کتنی زحمت اور مشکل پیش آتی۔ مثلاً زید کے پاس جا کر آپ کا قرضہ کوئی دوسرا وصول کر لے جاتا یا آپ کے گھر میں کوئی اجنبی بے دھڑک داخل ہو کر آپ کا ڈنر مزے سے چٹ کر بیٹھتا۔ یا کسی بڑے آفیسر کی گدی پر کوئی بھی معمولی حیثیت کا آدمی براجمان ہو جاتا یا پولیس ایک کے دھوکے میں کسی دوسرے شخص کو پکڑ لے جاتی بلکہ وہ حیران ہی رہ جاتی کہ ایک ہی شکل و صورت رکھنے والوں کے مجمع میں گرفتار کرے تو آخر کس کو؟ بلکہ درحقیقت پولیس کا وجود ہی ناممکن بن جاتا اور وہ انارکی اور لاقانونیت ہوتی کہ اللہ کی پناہ!

مردہ عناصر میں زندگی

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ ایک گول گنبد نما اور مضبوط و چکنا قلعہ اس طرح ہے کہ اس میں کہیں بھی کوئی شگاف یا سوراخ موجود نہیں ہے۔ اس کا اوپری حصہ پگھلی ہوئی چاندی کی طرح شفاف اور اندرونی حصہ سنہرا ہے (یعنی انڈا) پھر اس بند قلعہ کی دیواریں شق ہو جاتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اندر سے ایک ایسا چوزہ برآمد ہو جاتا ہے جو بخوبی دیکھ اور سن سکتا ہے۔ پس وہ کون ہستی ہے جو ان مردہ اور بے جان اجزاء میں رُوح پھُونک کر اس بند قلعے کو توڑ دیتی ہے؟ یہ استدلال حسبِ ذیل قرآنی آیات سے ماخوذ ہے:

{ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (31) فَذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ (32)}(1)

ترجمہ: اُن سے ذرا پوچھو کہ تمہیں زمین و آسمان سے (ان دونوں کی قوتوں کو یکجا کر کے) کون کھلاتا پلاتا ہے؟ اور تمہاری سماعت و بصارت (ہوا اور روشنی جو تمہارے سننے اور دیکھنے کا

---

[1] [یونس:31،32]

ذریعہ ہیں) کس کے قبضہ و اختیار میں ہے؟ اور مردہ چیز (بے جان اجزاء) سے زندہ چیز (پروٹو پلازم یا مثلاً انڈے سے چوزہ) اور زندہ چیز سے مردہ چیز (پروٹو پلازم سے بے جان اجزاء یا مرغی سے انڈہ) کون نکال دیتا ہے؟ اور (ان تمام) معاملات کی تدبیر کون کر رہا ہے؟ وہ کہیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں؟ (جو اتنی زبردست قوت والا ہے) پس یہی ہے اللہ جو تمہارا حقیقی مربّی اور پروردگار ہے۔ لہذا حق بات (کے ثابت ہو جانے) کے بعد (بھی ہٹ دھرمی سے کام لینا) سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ پس تم کدھر جا رہے ہو؟

فطرت کی رعنائیاں

مشہور شاعر ابو نواس نے کہا:

ترجمہ: دنیائے نباتات کی رنگ برنگیوں کو دیکھو اور مالک حقیقی کی گلکاریوں اور رعنائیوں پر نظر ڈالو۔ ایسا لگتا ہے گویا چاندی کے رُوپہلے چشموں میں نقرئی کلیاں نمودار ہو گئی ہیں جو زمرد کی شاخوں میں جھوم رہی ہیں۔ قدرت کی ان بے مثال صناعیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالق کائنات کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے (ورنہ اس قدر تنظیم اور حسن کاری ممکن نہ ہوتی)۔

ایک اعرابی کی دلیل

البعرة تدل على البعير و اثار الاقدام لتدل على المسير والسماء ذات ابراج والأرض ذات فجاج و بخار ذات امواج كيف لا تدل على وجود اللطيف الخبير۔

یعنی مینگنی (Faeces) اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ (یعنی مینگنی کا نظر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ضرور اونٹ یہاں سے گزرا ہے)۔ قدموں کے نشان کسی چلنے والے کا پتہ دیتے

ہیں۔ پھر کیا بات ہوئی کہ بڑے بڑے برجوں والا نیلگوں آسمان اور بڑی بڑی گھاٹیوں اور نیرنگیوں سے بھرپور یہ زمین اور تلاطم خیز موجوں والے سمندر کسی خالق و صانع اور مدبر و منظم اور لطیف و خبیر ذات کے وجود پر دلالت نہ کریں (اور کیا یہ تمام تخلیقات اس کے وجود کی شہادت نہیں ہیں؟)

اور زبور کے الفاظ میں:

When I look at your heavens
The work of your fingers
The moon and the stars that you have established
what are human beings

That you are mindful of them

Mortal that you care for them

Yet you have made them a little lower than God

and crowned them with the glory and honour.

1.7۔موت، دلیل باری

ابتدائے آفرینش سے اب تک اربوں کھربوں بلکہ ان گنت والا تعداد انسان جنم لے چکے ہیں۔ مگر کسی نے بھی حیاتِ جاودانی نہیں پائی اور موت سے کسی کو چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکا۔ جو پیدا ہوتا ہے وہ ضرور مرتا ہے۔ یہ ایک ایسا کلیہ ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ دنیا کے تمام انسان مل کر اپنے پورے ساز و سامان سمیت کسی ایک شخص کو بھی بچا نہیں سکتے اور لقمہ اجل معین ہیں ایک ساعت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو پاتی۔ قرآن کریم نے اس حقیقت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

{فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ (86) تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (87)}[1]

ترجمہ: (فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے۔ تو پھر روح کو (بدن کی طرف) پھیر کیوں نہیں لیتے؟

اس سے معلوم ہوتا ہے اس عالم رنگ و بو میں کسی بااثر اور باارادہ ہستی کی بادشاہت قائم ہے، جس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں ہے، اور اس کے امر کے روبرو کوئی دم نہیں مار سکتا۔

جیسے کہ یونٹ 4 میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ کرّہ ارض پر حیات کے آغاز و ارتقا کے لئے تمام فیکٹرز میں توازن بھی اشارہ کناں ہے کہ کوئی خالق و مدبّر ہستی ہے جو ان تمام فیکٹرز کو صحت و درستگی کے ساتھ کنڑول کر رہی ہے، اور یہ تمام محض اتفاق کا نتیجہ نہیں ہو سکتے، جیسے زمین کا حجم، سورج سے اس کا فیصلہ، اس کا عام اور متوازن درجہ حرارت، سورج کی حیات افروز شعاعیں، زمین کے چھلکے (Earth crust) کی موٹائی، زمیں اور فضا میں پائی جانے والی جانے والی پانی اور گیسوں کی مناسب مقدار وغیرہ۔ اسی نسبت سے درج ذیل میں ایک انگریزی آرٹیکل سے اقتباس ملاحظہ ہو:

Earth's Ideal Features

Our existence requires precision in other respects as well. Consider the earth's measurements and its position relative to the rest of our solar system.

No planet like earth has been found elsewhere in the universe. Our earth is just the right size for our existence and for all living things. If earth were slightly larger, its gravity would be stronger and hydrogen, a light gas, would collect, being unable to escapes the earth's gravity. Thus the atmosphere would be inhospitable to life. On the other hand, if our earth were slightly smaller, life-sustaining oxygen would escape and surface water would evaporate. In either case we could not live.

---

[1] [الواقعة:86،87]

The earth is also at an ideal distance from the sun, a factor vital for life to thrive. Astronomer John Barrow and mathematician Frank Tipler studied "the ratio of the Earth's radius and distance from the Sun." They concluded that human life would not exist "were this ratio slightly different from what it is observed to be." Professor David L. Block notes: "Calculations show that had the earth been situated only 5 percent closer to the sun, a runaway greenhouse effect [overheating of the earth] would have occurred about 4000 million years ago. If, on the other hand, the earth was placed only 1 percent farther from the sun, runaway glaciation [huge sheets ice covering much of the globe] would have occurred some 2000 million years ago."
To the above precision, you can add the fact that the earth rotates on its axis once a day, the right speed to produce moderate temperatures. Venus takes 243 days to rotate. Just think if the earth took as long! We could not survive the extreme temperatures resulting from such long days and nights.(1)

The fine tuning not only exists in the present microcosm and macrocosm but also that was during the Big Bang and afterward…
Sir Fred Hoyle expresses this situation very well:

> "The big bang theory holds that the universe began with a single explosion. Yet as can be seen below, an explosion merely throws matter apart, while the big bang has mysteriously produced the opposite effect with matter clasping together in the form of galaxies."(2)

1(Is There is a Creator Who cares about You (New York; Watch Tower Bible and Tract Society، 1998) P.19—23)

2(Quoted by Haroon Yaha in Allah is Known Through Reason (New Dehli; Goodword Books، 2000) P.25)

Paul Davies, a renowned Physicist, calculated that how 'fine tuned' the pace of expansion after the big Bang was, and he reached at incredible conclusion. According to Davies:
If the rate of expansion after the big bang had been different even by the ratio of one over billion times a billion, no habitable star type would have been formed.

In relation to the same fact, an American Professor of Astronomy George Greenstein writes in his book The *Symbolic Universe*:
"As we survey all the evidence, the thought insistently arises that some supernatural agencies or, rather Agency must be involved".[1]
That Agency is nothing but Allah the Creator of the heavens and the earth Only the Supreme Creator Allah could create such a vast flawless universe with matchless plan, balance, perfection, order and fine tuning.
In the Quran the Lord of the worlds *Rabb-ul -Aalamin* declares:

> *Do they not look at the sky above them? How we have made it and adorned it, and there are no flaws in it.*
> *You will not see a single flaw in the creation of Merciful. Turn up your eyes, can you see a single fissure or flaw?*[2]

اللہ تعالٰی کی بے شمار مصلحتیں بیک وقت تعاون کرتی ہیں تب کہیں جا کر یہ زمین اپنی آبادی کے لیے جائے قرار بن پاتی ہے۔ان مصلحتوں کا ذکر آیت {أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا}[3] کی تشریح میں مولانا

1Quoted by Haroon Yaha in **Allah is Known Through Reason** (New Dehli; Goodword Books، 2000) P.25

2(Al-Quran، 50:6، 67:3-4)

3[النمل:61]

مودودی نے یوں کیا ہے (اور اسے درج بالا انگریزی اقتباس کا اردو خلاصہ بھی سمجھا جا سکتا ہے):

"زمین کا بے حد و حساب مختلف النوع آبادی کے لیے جائے قرار ہونا بھی کوئی سادہ سی بات نہیں ہے۔اس کرہ خاکی کو جن حکیمانہ مناسبتوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے ان کی تفصیلات پر آدمی غور کرے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناسبتیں ایک حکیم و دانا قادرِ مطلق کی تدبیر کے بغیر قائم نہ ہو سکتی تھیں۔ یہ کُرہ فضائے بسیط میں معلق ہے، کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود اس میں کوئی اضطراب اور اہتزاز نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز ہوتا جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی زلزلہ آ جانے سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں، تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ تھی۔ یہ کرہ باقاعدگی کے ساتھ سورج کے سامنے آتا اور چھپتا ہے جس سے رات اور دن کا اختلاف رونما ہوتا ہے۔ اگر اس کا ایک ہی رخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا رخ ہر وقت چھپا رہتا تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی۔ کیونکہ ایک رخ کو سردی اور بے نوری نباتات اور حیوانات کی پیدائش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رخ کو گرمی کی شدت بے آب و گیاہ اور غیر آباد بنا دیتی۔اس کُرے پر پانچ سو میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف ردا چڑھا دیا گیا ہے جو شہابوں کی خوفناک بم باری سے اسے بچائے ہوئے ہے ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب، جو تیس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں یہاں وہ تباہی مچاتے کہ کوئی انسان، حیوان یا درخت جیتا نہ رہ سکتا تھا۔یہی ہوا درجہ حرارت کو قابو میں رکھتی ہے۔ یہی سمندروں سے بادل اٹھاتی اور زمین کے مختلف حصوں تک آب رسانی کی خدمت انجام دیتی ہے اور یہی انسان اور حیوان اور نباتات کی زندگی کو مطلوبہ گیس فراہم کرتی ہے۔ یہ نہ ہوتی تب بھی زمین کسی آبادی کے لیے جائے قرار نہ بن سکتی تھی۔اس کُرے کی سطح سے بالکل متصل وہ معدنیات اور مختلف قسم کے کیمیاوی اجزاء بڑے پیمانے پر فراہم کر دئے گئے ہیں جو نباتاتی، حیوانی اور انسانی زندگی کے لیے مطلوب ہیں۔ جس جگہ بھی یہ سر و سامان مفقود ہوتا ہے وہاں کی زمین کسی زندگی کو سہارنے کے لائق نہیں ہوتی۔اس کُرے پر سمندروں، دریاؤں، جھیلوں، چشموں اور زیر زمین سوتوں کی شکل میں پانی بڑا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کر دیا گیا ہے اور پہاڑوں پر بھی اس کے بڑے بڑے ذخائر کو منجمد کرنے اور پھر پگھلا کر بہانے کا انتظام کیا گیا ہے۔اس تدبیر کے بغیر یہاں کسی زندگی کا

امکان نہ تھا۔ پھر اس پانی، ہوا اور تمام اُن اشیاء کو جو زمین پر پائی جاتی ہیں سمیٹے رکھنے کے لیے اس کُرے میں نہایت ہی مناسب کشش رکھ دی گئی ہے۔ یہ کشش اگر کم ہوتی تو ہوا اور پانی دونوں کو نہ روک سکتی تھی اور درجہ حرارت اتنا زیادہ ہوتا کہ زندگی یہاں دشوار ہو جاتی۔ یہ کشش اگر زیادہ ہوتی تو ہوا بہت کثیف ہو جاتی، اس کا دباؤ بہت بڑھ جاتا، بخاراتِ آبی کا اٹھنا مشکل ہوتا اور بارشیں نہ ہو سکتیں، سردی زیادہ ہوتی، زمین کے بہت کم رقبے آبادی کے قابل ہوتے بلکہ کشش ثقل بہت زیادہ ہونے کی صورت میں انسان اور حیوان کی جسامت بہت کم ہوتی اور ان کا وزن اتنا زیادہ ہوتا کہ نقل و حرکت بھی ان کے لیے مشکل ہوتی۔ علاوہ بریں اس کُرے کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے جو آبادی کے لیے مناسب ترین ہے۔ اگر اس کا فاصلہ زیادہ ہوتا تو سورج سے اس کو حرارت کم ملتی، سردی بہت زیادہ ہوتی، موسم بہت لمبے ہوتے اور مشکل ہی سے یہ آبادی کے قابل ہوتا۔ اور اگر فاصلہ کم ہوتا تو اس کے برعکس گرمی کی زیادتی اور دوسری بہت سی چیزیں مل جل کر اسے انسان جیسی مخلوق کی سکونت کے قابل نہ رہنے دیتیں"۔[1]

خلاصہ کلام

مذکورہ بالا تمام دلائل عقل و منطق کی رو سے ناقابلِ تردید ہیں اور یہ بہت سے علمی و عقلی اور آفاقی و انفسی حقائق پر مشتمل ہیں۔ جدید علوم کی روشنی میں اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو اس قسم کے دلائل کا ایک انبار تیار ہو سکتا ہے، اور ان کائناتی سائنسی دلائل کے نتیجے میں وہ انسان کا ایمان مشاہدہ کے درجے پہ آجاتا ہے جس کے بارے میں مشہور فلسفی راجر بیکن نے کہا تھا کہ سائنس کا معمولی علم انسان کو ملحد بنا دیتا ہے، جبکہ سائنس (و کائنات) کا عمیق مطالعہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا ماننے والا بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مطالعہ کائنات کی تاکید کی گئی ہے کہ اس سے وجود باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت، علم، قدرت اور حکمت و مصلحت وغیرہ پر قطعی و فیصلہ کن دلائل و شواہد فراہم ہوتے ہیں، جن کے ملاحظہ کے بعد کسی بھی منکر و معاند اور ملحد و بے دین کو

---

(1) مودودی، مولانا، تفہیم القران، مکتبہ ترجمان القرآن، لاہور، 2011، ج3، ص590

خدا کے انکار کی مجال باقی نہیں رہ جاتی بلکہ سارے شکوک وشبہات رفع ہو جاتے ہیں اور ذہنِ انسانی کی صفائی پوری طرح ہو جاتی ہے، اس لئے تو ارشاد باری تعالی ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ}[1]

ترجمہ: لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (اسباق سے بھرپور) نصیحت آچکی ہے (جو ہر قسم کی) قلبی بیماریوں کے لیے شفاہے اور اہل ایمان کے لیے ہدایت ورحمت کا سامان۔

1.8۔ فطرت انسانی کی گواہی

کائناتی دلائل کے علاوہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر عصر حاضر تک دنیا کے کسی خطہ پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا کہ وہاں کے لوگ اپنے لیے کسی خالق کا اقرار نہ کرتے ہوں۔ تمام انسان خواہ وہ پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان کا ایک خالق اور پروردگار ہے اور جب وہ دنیا کے اسباب ووسائل سے مجبور اور مضطرب ہو جاتے ہیں تو اس وقت اپنے خالق کو پکارتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو فطری تسلیم کیا جاتا ہے جو لوگوں کی فطرت اور جبلت میں مرکوز ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

{وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ}[2]

اپنے چہرے کو اللہ کی عبادت کے لیے سیدھا کر، ایک طرف ہو کر اور اللہ کی اس فطرت کو لازم پکڑو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی چیز میں تبدیلی ناممکن ہے،

---

[1] [یونس:57]

[2] [الأعراف:29]

یہی دین جو فطرت کے مطابق ہے، ٹھیک دین ہے۔

چنانچہ یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ وجود باری تعالیٰ کا اقرار بدیہی اور فطری امر ہے اور تمام بنی نوع انسان کا اجتماعی مسلک ہے۔ اسی وجہ سے تمام انبیائے کرام کا نصب العین ہمیشہ توحید کی دعوت رہا ہے۔

قرآن مجید اللہ کے بارے میں شک کرنے والوں کے سلسلے میں کہتا ہے:

اس کے رسولوں نے کہا کیا تم کو اللہ کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے کہ جو آسمانوں اور زمینوں کا بنانے والا ہے۔

خدا کی ہستی اور واحدانیت تو ایسی چیز نہیں جس میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش ہو۔ انسانی فطرت خدا کے وجود پر گواہ ہے۔ علویات و سفلیات کا عجیب و غریب نظام یہ شہادت دیتا ہے کہ اس مشین کے پرزوں کو وجود کے سانچہ میں ڈھالنے والا، پھر انھیں جوڑ کر نہایت محکم و منظم طریقے سے چلانے والا بڑا زبردست ہونا چاہیے۔ جو کامل حکمت و اختیار سے عالم کی مشین کو اپنے دست قدرت میں کیے ہوئے ہے۔ اسی لیے کٹر سے کٹر مشرک کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس بات کے اعتراف سے چارہ نہیں رہا کہ بڑا خدا جس نے آسمان و زمین وغیرہ کرات پیدا کیے، وہی ہو سکتا ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں سے اونچے مقام پر فائز ہو۔ انبیاء کی تعلیم یہ ہے کہ جب انسانی فطرت نے ایک علیم و حکیم، قادر و توانا منبع الکمالات خدا کا سراغ پالیا پھر اوہام کی دلدل میں پھنس کر اس سادہ فطری عقیدہ کو کھلونا یا چیستان کیوں بنایا جاتا ہے۔ وجدان شہادت دیتا ہے کہ ایک قادر مطلق اور عالم کل خدا کی موجودگی میں کسی پتھر یا درخت یا انسانی تصویر یا سیارہ فلکی یا اور کسی مخلوق کو الوہیت میں شریک کرنا فطرت صحیحہ کی آواز دبانے یا بگاڑنے کا مترادف ہے۔[1]

اب آخر میں قرآن حکیم کی چند سادہ، فطری، حد درجہ مؤثر اور دلنشیں آیات ملاحظہ ہوں جو ایسے پر کشش اور پر شکوہ اسلوب میں بیان کی گئی ہیں کہ وہ سیدھا دل کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ ان آیاتِ

---

[1]۔(اس سیکشن کے مباحث کے لئے ملاحظہ ہو علامہ شہاب الدین ندوی کی کتاب اسلام اور عصر حاضر، المکتبہ اشرفیہ، لاہور، ص 77۔85)

کریمہ میں ایک پہاڑی دریا کی سی روانی، طوفان کا سازور، مقناطیس جیسی جذب وکشش اور ایک انوکھا اور بے نظیر علمی وعقلی استدلال ہے کہ اس کی شعلہ باریوں سے کفر و شرک کے ایوان خاکستر ہو سکتے ہیں، الحاد و لادینیت سپر انداز ہو جاتے ہیں اور شکوک و شبہات کی تمام دیواریں منہدم ہو جاتی ہیں۔

ارشادِ ربّانی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

بھلا وہ کون ہے جس نے زمین و آسمانوں کی تخلیق کی اور تمہارے لیے بلندی سے پانی برسایا؟ پھر اس نے اس پانی کے ذریعہ خوش نما اور پر رونق باغات اگا دیے، جن کے پیڑ پودوں کو اگانا تمہاری طاقت سے باہر ہے۔

کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ (اپنے خود ساختہ معبودوں کو بھی اللہ ہی کے) برابر سمجھتے ہیں۔ پھر وہ کون ہے جس نے زمین کو (باوجود اس کی گوناگوں اور تیز رفتار گردشوں کے) قرار گاہ بنایا۔ اس کے بیچوں بیچ نہریں جاری کیں۔ (بھاری بھاری) پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں (یا سمندروں) کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا؟ (کہ ان دونوں کا پانی ایک دوسرے سے خلط ملط ہونے نہیں پاتا)، کیا اللہ کے ساتھ دوسرا بھی کوئی خدا ہے؟ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) بہت سے لوگ ان باتوں کو نہیں جانتے۔

پھر وہ کون ہے جو برّ و بحر کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا اور ہواؤں کو اپنی رحمت کا پیامبر بنا کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی ہے؟ اللہ تو ان لوگوں کے شرک سے بہت ہی اعلیٰ وارفع ہے۔

اور وہ کون ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے (اولین طور پر پروٹو پلازم کی ایجاد کرتا ہے) پھر اس (حیرت انگیز) فعل کا اعادہ کرتا رہتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زمین و آسمان سے (ان دونوں کی قوتوں کو یکجا کر کے) تمہارا رزق بہم پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی ہے؟ کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے میں دلیل پیش کرو۔[1]

1(النمل:60-64)

خود آزمائی

سوال نمبر 1: کائنات کے مطالعہ پر قرآن حکیم نے کیوں زور دیا ہے؟

سوال نمبر 2: تخلیق کائنات سے اللہ کے وجود پر کون سے دلائل دیئے جا سکتے ہیں؟ دھماکہ عظیم Big Bang کے تناظر میں بحث کریں۔

سوال نمبر 3: سائنس کا معمولی علم انسان کو ملحد بنا دیتا ہے جبکہ سائنس (کائنات) کا عمیق مطالعہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا ماننے والا بنا دیتا ہے، وضاحت کریں۔

سوال نمبر 4: وجود باری تعالیٰ پر اسلاف کے اقوال کی روشنی میں بحث کریں۔

سوال نمبر 5: وجود باری پر عقلی و منطقی دلائل کی روشنی بحث کریں۔

سوال نمبر 6: آیات کونیہ سے کیا مراد ہے،؟ قرآنی آیات کونیہ کی روشنی میں وجود خداوندی پر جدید حوالوں سے بحث کریں۔

سوال نمبر 7: سائنسی علوم نے اللہ کے وجود کی کن پہلوؤں سے مزید تشریح و توضیح کی ہے؟ مثالوں سے وضاحت کریں۔

سوال نمبر 8: زمین پر مختلف عوامل میں مثالی توازن (Earth's Idea Features) کی روشنی میں وجود خداوندی بحث کریں۔

سوال نمبر 9: وجود باری تعالیٰ پر کائناتی دلائل کی روشنی میں سیر حاصل بحث کریں۔

سوال نمبر 10: پانی کی غیر معمولی خصوصیات وجود خداوندی کی علم و قدرت پر کیسے دلالت کرتی ہیں؟ جدید سائنس کی روشنی میں وضاحت کریں۔

یونٹ نمبر:06

حیات اخروی پر سائنسی دلائل

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

عقیدہ آخرت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس کے مطابق ایک وقت آئے گا جب یہ زمین و آسمان ختم ہو جائیں گے اور ایک نیا جہان قائم ہو جائے گا، جسے قیامت کہا جاتا ہے۔قرآن حکیم میں سینکڑوں آیات میں مختلف انداز اور پیرائے میں اس عقیدہ کو عقلی اور منطقی طور پر ثابت کیا ہے۔اسی قرآنی طرز کی اقتداء کرتے ہوئے عقیدہ آخرت اور حیات اخروی کو جدید سائنس کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس سلسلے میں وقوع قیامت سے پہلے کے چیدہ چیدہ واقعات کی سائنسی توجیہات پیش کی گئی ہیں۔قرب قیامت میں سمندروں کے ابلنے اور آگ پکڑنے کے واقعات کا قرآن اور سائنس کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے اور سورج کی موت اور نظام شمسی کے خاتمہ پر قرآن اور سائنس کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔اور پھر کئی سائنسدانوں کے سائنسی مشاہدات کے تذکرے سے روح کی موجودگی اور عدم فنائیت پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے،اور آخر میں قرآن وحدیث اور جدید سائنس کی روشنی میں حیات اخروی کو ثابت کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کے نے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ وقوع قیامت پر سائنس کی روشنی میں بحث کر سکیں۔
2۔ وقوع قیامت سے پہلے کے چیدہ چیدہ واقعات کی سائنسی توجیہات پیش کر سکیں۔
3۔ سورج کی موت اور نظام شمسی کے خاتمہ پر قرآن اور سائنس کی روشنی میں بحث کر سکیں۔
4۔ حیات اخروی کے ثبوت پر احادیث اور جدید سائنس کی روشنی میں نوٹ لکھ سکیں۔
5۔ بعث بعد الموت پر سائنس کے نقطہ نظر کی وضاحت کر سکیں۔
6۔ قرب قیامت میں سمندروں کے ابلنے اور آگ پکڑنے کے واقعات کا قرآن اور سائنس کی روشنی میں جائزہ لے سکیں۔

1. خاتمہ کائنات یعنی قیامت کا سائنسی ثبوت

اسلام کے عقیدہ آخرت کے مطابق کائنات اور اس کی ہر شے فانی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب یہ زمین و آسمان ختم ہو جائیں گے اور ایک نیا جہان قائم ہو جائے گا، جسے قیامت کہا جاتا ہے۔ آغاز میں اللہ تعالیٰ نے ایک ''کن'' کے آواز سے آفرینش کو اپنی قوت تخلیق سے شروع کیا۔ اس وقت سے طوعاً و کرہاً یہ سب اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق چل رہا ہے اور ساتھ ساتھ پھیلتا بھی جا رہا ہے۔ {وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ}[1] اور اسی خدائی گھماؤ کے حکم پر سبھی چکر کاٹ رہے ہیں۔ اس بنیادی چکر یا گھماؤ کی طاقت اس قدر تھی کہ اربوں سال بعد بھی اس امر کُن کے نتیجہ میں تمام کہکشائیں اور تمام چھوٹے بڑے ذرات اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ آخر ایک وقت آئے گا جب دوسرے کُن کے امر سے کائنات سکڑنا شروع کر دے گی اور اپنی پہلی آغاز والی حالت پر پہنچ کر ایک بڑی اور نئی کائنات میں بدل جائے گی۔ کائنات کی تخلیق تین دھماکہ خیز واقعات کے سلسلے سے ہوئی، پہلا دھماکہ پہلی تخلیق کا تھا، دوسرا دھماکہ اس کائنات کے سکڑنے پر ہوگا جب زمان و مکان اُلٹا چلنا شروع ہوں گے اور تیسرا دھماکہ نئی کائنات کی تخلیق پر ہوگا[2]۔ سورۃ الانبیاء کی آیت {كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ}[3] کے مطابق جیسے ہم نے پہلی بار پیدائش کی ابتداء کی اسی طرح ہم اس کو دہرانے والے ہیں، اس کے معنی بالکل واضح ہیں کہ ایک دفعہ جب اس حاضر و موجود کو لپیٹ لیا جائے گا تو پہلی تخلیق کی سی ابتدائی صورت رونما ہوگی۔

کرہ ارض کی قیامت کے متعلق قرآنی انکشافات کو جدید سائنس کی روشنی میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ

1[الذاریات:47]

2سلطان بشیر محمود: قیامت اور حیات بعد الموت، ص132

3[الأنبیاء:104]

بہت سے مفکّرین نے بیان کیا ہے لیکن یہ سب قیاسات سائنسی ہیں اور انہیں حرف آخر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ مثلاً سلطان بشیر محمود لکھتے ہیں کہ بگ بینگ اگر پہلا صور ہے تو بہت ممکن ہے زمینی قیامت کی ابتداء اس کے ساتھ کسی اجرامِ فلکی کے ٹکراؤ سے ہو گی، اس ٹکراؤ سے بے حساب گیس اور گرد وغبار اٹھے گا جو فضاء کو بھر دے گا۔ زور دار طوفان اٹھیں گے اور ایک ایٹمی جنگ کا سا سماں ہو گا۔ فوری طور پر تو یہ کسی ایک علاقے کی قیامت ہو گی لیکن رفتہ رفتہ شہابی گرد وغبار ساری فضاء کو آلودہ کر دے گا اور زمین ٹھنڈی ہو جائے گی، بارشیں ختم ہو جائیں گی اور ہماری زمین ایک برفانی سیارہ بن جائے گی جس پر تمام زندگی ختم ہو جائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی شہاب ثاقب کے ساتھ ٹکراؤ کے باعث زمین اپنے مدار سے ہٹ جائے اور اپنے سالانہ چکر میں آہستہ آہستہ سورج کے قریب ہو جائے یہاں تک کہ سورج کے اندر گر کر تہہ و بالا ہو جائے۔ قربت کے اس زمانہ میں جوں جوں زمین سورج کے قریب ہو گی اس پر درجہ حرارت بڑھتا جائے گا اور ساتھ ساتھ سورج کی کشش بھی بڑھتی جائے گی۔ حرارت اور کشش کے زیرِ اثر سمندروں کا پانی ابلنے اور اچھلنے لگے گا، مسلسل بارشیں ہوں گی، سورج کی کشش کے زیرِ اثر زمین کی ہوا اور آبی بخارات سورج کو منتقل ہونا شروع ہو جائیں گے نتیجتاً کچھ عرصہ بعد زمین ایک خشک کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور آخر وہ وقت بھی آئے گا کہ اس کے پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور اس کے ذرات فضاء میں روئی کے گالوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے۔[1]

1.1-زمین کا سکڑنا

سورہ الرعد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا}[2]

---

(1) ایضاً، ص249

[2] [الرعد:41]

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم گھٹاتے آتے ہیں زمین کو ہر طرف سے۔

قرآن کے پرانے مفسرین نے لفظ نَنۡقُصُهَا یعنی زمین کو گھٹانے کا یہ مفہوم پیش کیا کہ یہ کرہ ارض پر اسلام کے پھیلنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب کچھ سر آنکھوں پر لیکن قرآن پاک کو معنی میں بند نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس میں نہ تضاد ہو سکتا ہے اور نہ ابہام۔ تو اس کے لفظی معنی بھی ہمیشہ صحیح ہوں گے۔ چنانچہ یہ آیت مبارک علم الطبیعات الارض (Geo-Physics) کے ایک اہم مظہر کی نشاندہی کرتی ہے جو یہ ہے کہ ابتداء میں کرہ ارض اپنے موجودہ حجم سے بہت زیادہ بڑا ہو گا اور اب تک آہستہ آہستہ اس کا حجم ہر طرف سے گھٹ رہا ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہے گا، تاوقتیکہ یہی اس کی قیامت کا باعث بن جائے۔ جب اس کرہ ارض کے ارتقا کے سلسلہ میں موجوددہ سائنسی نظریات کو پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ طبیعات ارضی کے ماہرین بھی اپنی سوچوں میں قرآن پاک کے اس حیران کن انکشافات کے قریب آ رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے آخری بیس تیس سالوں میں جو ترقی ہوئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں کرہ ارض اپنے موجودہ حجم سے کم از کم سو گناہ بڑا تھا اور زمین موجوددہ صورت میں پچھلے پانچ بلین سالوں کے سکڑنے کے رفتہ رفتہ عمل کی وجہ سے پہنچی ہے۔[1]

زمین کے سکڑنے کی کئی وجوہات پیش کی جاتی ہیں جس میں کشش ثقل کی طاقت نے سب سے بڑا اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہی دنوں ایک اور سوچ سامنے آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین کی تخلیق کے وقت سے ہی ہر آن زمین کے کچھ اجزاء خلا کی طرف ضائع ہوتے رہتے ہیں جس کا ایک سبب تو شمسی کشش ہے اور دوسرا سبب تابکاری حرارت ہے جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ کسی حد تک اس سے بھی زمین کا حجم گھٹتا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سکڑنے کے عمل میں زمین کے دھیرے دھیرے ٹھنڈا ہونے کو بھی کچھ دخل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ

---

(1) ایضاً: ص325

زمین کا کرسٹ (چھلکا یا پرت) موٹا پا اختیار کرتا جاتا ہے اور ابتداء میں جب گیس ٹھنڈی ہو کر مائع بنی تو حجم میں یک دم بہت فرق پڑ گیا۔ اس وقت سے اندرونی پگھلا حصہ (Core) بھی باہر سے ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے بالترتیب گھٹ رہا ہے۔ بہر حال اس عجیب و غریب مظہر یا صورت حال کی خواہ کوئی سی وجہ ہو، یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ کرہ ارض اپنے حجم میں گھٹ رہا ہے۔ قیامت کے قریب قرآنی واقعات اور ممکنہ سائنسی وجوہات میں کچھ قرآنی آیات کی سائنسی توجیحات پیش کی جاتی ہیں۔

1.2-سمندروں کا ابلنا اور جاری ہونا

قرآن پاک کا یہ انکشاف ہے کہ کرہ ارض کی قیامت کے ایک مرحلہ پر سمندر ابلنے لگیں گے۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک کی سورۃ انفطار کی آیت مبارکہ جس میں ارشاد ربانی ہے۔

{وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ}[1]

(اس وقت کا سوچو) جب سمندر ابل پڑیں گے۔

سمندروں کے پانی کے ابلنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

ایک ممکن وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ زمین کا درجہ حرارت بہت زیادہ بڑھ جائے۔ جب کرہ ارض سورج کے ساتھ نزدیکی اختیار کرلے گی تو نزدیکی کی وجہ سے درجہ حرارت بڑھتا جائے گا۔ اس کی وجہ سے ابتداء میں پانی بخارات بن کر اڑنا شروع ہو گا۔ اوپر جا کر ٹھنڈا ہونے سے خوب متواتر بارشیں ہوں گی لیکن سورج کی بڑھتی ہوئی کشش کی وجہ سے بخارات خلا میں بھی گم ہوتے جائیں گے۔ آج کل زمین سورج سے اوسطاً 93 ملین میل دور ہے لیکن جب یہ وینس (Venus) کی جگہ پر یعنی تقریباً 17 ملین میل دور ہو گی تو اس پر درجہ حرارت 450 سنٹی گریڈ ہو جائے گا جس پر پانی تو کیا سیسہ بھی پگھل جائے گا۔ ایسے میں زمین کے گھومنے کی رفتار میں تیزی سورج

---

[1] [الانفطار:3]

کی کشش میں بڑھوتری اور زمین پر فضائی دباؤ میں کمی مزید مددگار عناصر ہوں گے۔[1]

سمندروں کے پانی کے ابلنے کی ایک اور وجہ اس کے اپنے اندر کے دباؤ کی وجہ سے پھٹنے کے مفروضے میں بھی تلاش کی جاسکتی ہے۔اس سے زمین کے اندر سے بے پناہ حرارت خارج ہوگی اور ہر طرف آتش فشاں مادہ سے آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ جیسا کہ ہمارے آقا اور اللہ کے رسول ﷺ پیش گوئی فرماگئے کہ قیامت کے نزدیک زلزلوں اور آتش فشانی کے واقعات کثرت سے ہوں گے۔سمندروں میں آگ کا سماں اور ان کے پانیوں کا ابلنا ان کی تہہ کے نیچے آتش فشاں پھٹنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ان دنوں بھی بعض اوقات ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ سمندر کی تہہ میں کوئی آتش فشاں پھٹتا ہے تو اس سارے علاقہ میں سمندر کی سطح پر آگ اور پانی کے ابلنے والا عمل نظر آتا ہے۔[2]

کرہ ارض پر درجہ حرارت کے بڑھنے اور نتیجتاً سمندروں کے پانی ابلنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سورج کا پھیلاؤ بڑھ جائے۔ سائنسدانوں کے ایک مفروضہ کے تحت ایسا تب ہوگا جب سورج بڑھاپے کو پہنچنے لگے گا۔ جس کے لیے شاید پانچ یا چھ ارب سالوں کا عرصہ درکار ہے۔[3]

اس تمام بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قرآن کریم میں قیامت کے نزدیک سمندروں کے اُبلنے اور اچھلنے کے متعلق جو بتایا گیا ہے اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں ان میں سے کوئی ایک سبب یا کئی اسباب مل کر اس واقعہ کا باعث بن سکتے ہیں۔[4]

قرآن پاک کی سورۃ الانفطار، آیت مبارکہ {وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ} کی ایک اور وضاحت یہ ہو سکتی ہے

---

(1) ایضاً: ص264

(2) ایضاً: ص264

(3) ایضاً: ص264

(4) ایضاً: ص264

کہ قیامت کے نزدیک سمندروں کا پانی خشکی کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ سائنس کے مطابق ایسا کرہ ارض پر درجہ حرارت میں زیادتی کی وجہ سے قطبین کی برف پگھل جانے سے ہو سکتا ہے۔ یہ پانی جب سمندروں میں پہنچے گا تو سمندر اپنے کناروں سے باہر ابل پڑیں گے اور یوں خشکی کے کئی بڑے بڑے علاقے زیر آب آجائیں گے[1]۔ آج کل سائنسدانوں نے محسوس کیا ہے کہ فضائی ماحول کی خرابی کی وجہ سے کرہ ارض کا درجہ حرارت مسلسل بڑھ رہا ہے۔ جس کے اثر سے سمندروں میں پانی کی سطح ہر سال چند سنٹی میٹر کے حساب سے اونچی ہو رہی ہے۔ حساب لگایا گیا ہے کہ اگر پانچ ڈگری بھی درجہ حرارت بڑھ گیا تو بہت سے ساحلی شہر اور ملک ڈوب جائیں گے۔ اور اگر دس ڈگری سینٹی گریڈ بڑھ گیا تو تمام زمین زیر آب آجائے گی۔[2]

1.3-سمندروں کے آگ پکڑنا

قرآن پاک کی سورۃ تکویر کی آیات مبارکہ کے مطابق سے قیامت کے ایک مرحلہ پر **سمندروں کے آگ پکڑ** لینے کے واقعہ کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے۔

{وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ}[3]

جب سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی (یا وہ جھونکے جائیں گے)

ہر سوچنے والا ذہن ضرور اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ سمندر میں جو پانی ہیں، ان کو کیونکر آگ لگے گی۔ ذیل میں ہم چند ممکنات پر غور کریں گے۔ ان میں سے چند کے بارے اوپر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں جن میں ایک زیر آب آتش فشاں ہے۔ کہ سمندر کی تہہ کے پھٹ جانے کی وجہ سے وہاں کا آتش فشاں مادہ سرخ لاوہ کی شکل میں اس شدت سے سمندروں کے پانی پر چھا جائے گا کہ سمندر جلتے نظر آئیں گے ماضی قریب

---

(1) ایضاً: ص264

(2) ایضاً: ص264

[3] [الانفطار:3]

میں چھوٹی سطحوں پر ایسے کئی مناظر دیکھے گئے ہیں۔ خاص کر کراکاٹو (Karakato) آتش فشاں کے پھٹنے کا واقعہ سائنس دانوں کے لیے بہت دلچسپی کا حامل تھا۔ اس کا منظر ایسے تھا جیسے آتش فشاں نہیں بلکہ سمندر کو آگ لگ گئی ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ پانی کو آسانی سے آگ نہیں لگ سکتی اس لیے قرآنی انکشافات یعنی جب سمندروں کو آگ لگ جائے میں شاید کسی بلاواسطہ آگ کا ذکر ہے جس کی وجہ سے سمندر ایسے لگیں گے جیسے انہوں نے آگ پکڑلی ہے۔ لہذا قرآن پاک کی سورۃ تکویر کی آیت نمبر 6 سے یہ منطقی نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ زمین کے اندرونی حصے میں ہائیڈروکاربن کے وسیع ذخائر موجود ہوں جو قیامت کے نزدیک سمندروں کے اندر سے پھوٹ کر نکلیں گے۔ اور جب آگ پکڑلیں گے تو ایسے معلوم ہوگا کہ سمندر جل اٹھے ہیں۔ ایسی ہائیڈروکاربن گیس اور مائعات قیامت کے دوران سخت زلزلوں کی وجہ سے بھی باہر نکل سکتی ہیں جس سے زمین کا اوپر والا چھلکا یا پرت پاش پاش ہو جائے اس وقت اس کا اندرونی پٹرول، گیس نکل کر آگ پکڑ کر خشکی اور سمندروں پر آگ کا سماں پیدا کردے گی۔ اگر ہمارا مفروضہ صحیح ہے تو قیامت سے پہلے یہ بات انسانیت کے لیے باعث رحمت بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے لوگوں کے مستقبل میں توانائی کے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں۔ یعنی زمین کی گہرائیوں میں میتھین گیس کے ذخائر جو گہری کھدائی پر مکمل دسترس حاصل کر لینے سے انسان کے کام آئیں گے۔

1.4-آسمان فضا کا کثیف ہونا

قرآن پاک کی سورۃ الدخان کی آیت مبارکہ 10 سے 12 میں یہ انکشاف ہے کہ قیامت کے واقعات کا ایک مہیب یا تباہ کن پہلو یہ ہوگا کہ آسمان دنیا کثیف دھوئیں میں چھپ جائے گا۔ یہ کثافت اس قدر شدید ہوگی کہ کرہ ارض پر زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔ آخر یہ دھواں ساری فضا پر چھا جائے گا۔ اور اس خوفناک صورتحال کو قرآن پاک یوں بیان کرتا ہے

{فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ (10) يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ

أَلِيمٌ (11) رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ (12)}[1]

بس انتظار کرو اس دن کا کہ لاوے گا آسمان دھواں ظاہر (جو کہ) ڈھانک لیوے گا لوگوں کو کہ یہ ہے عذاب دردناک (تو پکار اٹھیں گے لوگ اور کہیں گے) اے پروردگار دور کر دے ہم سے یہ عذاب، ہم ایمان لاتے ہیں۔

قرآن پاک کا یہ انکشاف کہ قرب قیامت آسمان دھوئیں سے بھر جائے گا، سائنسی دنیا کے لیے تحقیق کا بڑا اہم میدان ہے۔ اس کی بھی کئی ایک منطقی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ آسان ترین وضاحت تو یہ ہو سکتی ہے کہ قیامت کے نزدیک زمین کے اندر سے بہت زیادہ آتش فشاں مادہ باہر نکلے گا اور یوں زمینی فضاء دھوئیں سے بھر جائے گی۔ دراصل ماضی میں بھی زمین پر آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کے بڑے بڑے واقعات ہو چکے ہیں جن سے کئی سال تک آسمان گرد و غبار کی آلودگی سے بھرا رہا۔ اور بعض دفعہ یہ گرد و غبار اتنا کثیف تھا کہ سورج کی روشنی اور گرمی بھی کرہ ارض کے ان حصوں تک نہ پہنچ پاتی تھی۔ ایسا چونکہ کئی سال تک رہا اس لئے موسم سرما اتنا شدید سرد ہو گیا کہ زندگی جم کر ختم ہو گئی۔ یہ آج بھی عین ممکن ہے اور کبھی بھی ہو سکتا ہے اس کا نتیجہ وہی ہو گا جو پہلے ہوا تھا۔

آسمانی فضا کے دھواں آلود ہونے کے سلسلہ میں ہم بیرونی ٹکراؤ کے نظریہ کو پہلے ہی زیرِ بحث لا چکے ہیں کہ کوئی بہت بڑا شہاب ثاقب اگر کرہ ارض سے ٹکرا جائے تو بھی فضا دھواں دھار ہو جائے گی یہی کچھ کسی نزدیکی اجرام فلکی کی تباہی سے بھی ممکن ہے۔ اور یہ سورج کے اندر کے طوفانی مادہ کے زمین تک پہنچنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ سائنسی علوم میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ تقریباً چھ ملین سال پہلے جب ڈائناسور (Dinosaur) اپنی قیامت سے دوچار ہوئے۔ تو اس زمانے میں بھی کرہ ارض کی فضا گرد و غبار سے ابر آلود ہو گئی تھی۔ اور ایسا محض ایک دس کلومیٹر قطر والے ایک سیارچہ کے کرہ ارض کے ساتھ ٹکراؤ کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس ٹکراؤ سے اتنا زیادہ

---

[1] [الدخان:10-12]

زمین کاملبہ گرد و غبار بن کر فضا میں چھا گیا تھا کہ کئی سال سورج کی روشنی زمین تک نہ پہنچ پائی تھی جس سے کرہ ارض کا درجہ حرارت بہت نیچے چلا گیا تھا۔ اور ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔ کرہ ارض پر چند سو سالوں کے اندر اندر زندگی کا وجود مٹ گیا تھا۔[1]

یہ بھی غور طلب ہے کہ قرآن پاک کی سورۃ الدخان کی آیت مبارکہ 10 سے 12 میں دھوئیں کی وجوہات کو آسمان کی طرف وابستہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ۔بس انتظار کرو اس دن کا کہ لاوے گا آسمان دھواں ظاہر۔ اس آیت مبارکہ کی دو وضاحتیں کی جا سکتی ہیں۔ پہلا یہ کہ دھوئیں کا سبب کچھ بھی ہو لیکن اوپر کی فضا کو مکدر کر دے گا۔ دوسری وضاحت یہ ہے کہ اس دھوئیں کا سبب آسمانی وجوہ سے ہو گا اور یہ اوپر سے نیچے کی طرف اترے گا۔

1.5-آلودگی کا زیادہ ہونا

اس صورت حال کی ایک آسان وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم لوگ جو فضا میں آلودگی پھیلا رہے ہیں، یہ انتہائی تشویشناک صورت حال اختیار کر لے گی۔ آج کل فضا کی بہت اوپر والی بلندیوں میں یہ آلودگی اکٹھی ہو رہی ہے۔ اور آلودگی کا یہ غبارہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا ہے۔ لیکن ایک عرصہ کے بعد انسان کے اپنے ہاتھوں کی پھیلائی ہوئی یہ آلودگی، اپنے ہی بوجھ سے نیچے اترنا شروع ہو جائے گی اور یہ تمام کرہ ارض گندی گیسوں سے ڈھانپ لیا جائے گا۔ جو لوگ بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں انہوں نے تو اکثر یہ نظارہ دیکھا ہو گا کہ یہ آلودگی آسمانی فضا میں لٹکتی ہوئی کئی ایام تک نظر آتی رہتی ہے۔ اہل یورپ اس کو سماگ (Smog) کہتے ہیں یعنی دھوئیں اور دھند کا مرکب جو انسانی صحت کے لئے انتہائی زیادہ خطرناک ہے۔[2]

---

(1) قیامت اور حیات بعد الموت،: ص368

(2) ایضاً، ص269

اس دھوئیں کی ایک اور ممکن وجہ سورج میں از خود کوئی بڑی سطح پر افرا تفری والی بات بھی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں فلکیات کے ماہرین آگاہ ہیں کہ اکثر بہت بڑے پیمانے پر سورج میں دھماکے ہوتے رہتے ہیں جو لاکھوں میل دور تک اپنے اثرات اس طرح دکھاتے ہیں کہ وہاں تک گرم پلازما کا ملبہ پھیل جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جب کوئی بہت ہی بڑا دھماکہ ہو تو یہ آتشی تیر (Flares) کرہ ارض تک بھی پہنچ جائیں البتہ سورج اور زمین کے درمیانی فاصلہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شمسی دھواں کرہ ارض تک پہنچتے پہنچتے بھی بیس سے تیس سالوں کا وقت لے گا۔ لیکن آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی فوری نظر آئے گی۔[1] اس ضمن میں قرآن پاک کی سورۃ القیامہ کی آیات مبارکہ 07 تا 10 انتہائی قابل غور ہیں۔

{فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (7) وَخَسَفَ الْقَمَرُ (8) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (9) يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ (10)}[2]

پس جس وقت چندھیا جاوے گی بصارت (یعنی کچھ سجھائی نہ دے گا) اور ڈھانپ لیا جائے گا چاند (یعنی چاند کا نظر آنا بند ہو جائے گا) اور اکٹھا کیا جائے گا سورج اور چاند (کو) تو انسان کہے گا کہ کہاں ہے جگہ بھاگنے کی (یعنی نہ فرار ہو سکتا ہے اور نہ کوئی جائے پناہ ہے)۔

ان آیات میں جو آنکھوں کے چندھیانے کا ذکر ہے، ایسا شمسی پلازما کی چمک کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ جب یہ شمسی آتش فشاں مادہ فضا میں بکھر جائے گا تو اس کی آلودگی سے لوگوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو جائے گی، اس دھوئیں اور گرد و غبار کے اثر سے چاند بھی اوجھل ہو جائے گا۔ جب زمین کے ارد گرد کی ساری فضا زہریلی گیسوں سے آلودہ ہو جائے گی اور لوگوں کے گلے گھٹنے لگ جائیں گے تو لوگ انتہائی مایوسی اور گھبراہٹ کی حالت میں پکار اٹھیں گے "اے پروردگار ہم کہاں جائیں کوئی جائے پناہ نہ ہو گی"۔ اس صورتحال کے سلسلہ میں سورۃ

---

(1) ایضاً

[2] [القیامۃ:7-10]

الرحمن (آیت 43-33) میں بھی ایک اشارہ ہے کہ اس وقت لوگ خلائی گاڑیوں میں بیٹھ کر زمین سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے، لیکن آسمانی آلودگی سے ٹکرا کر یہ بھی تباہ و برباد ہو جائیں گی، یعنی کسی بھی حالت میں آدمی قیامت سے فرار حاصل نہیں کر سکے گا۔[1]

1.6-نظام شمسی کا خاتمہ اور سورج کی موت

{إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ(1)وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ(2)}[2]

کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظام شمسی کا خاتمہ یا تو اچانک ظہور پذیر ہوگا اور یہ آسمانوں میں کسی شدید حادثے کے ردِ عمل کے طور پر ہوگا۔اس کے متبادل ایک اور سائنسی نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ سورج اپنے بڑھاپے کی وجہ سے آہستہ آہستہ اپنی موت آپ مر جائے گا کیونکہ سورج کی توانائی کا ماخذ اس میں ہائیڈروجن بم جیسے بیک وقت اربوں دھماکے ہیں، یہ عمل ایٹموں کے جڑاؤ (Fusion) کا عمل ہے۔ہائیڈروجن گیس کے ایٹم آپس میں زبردست ٹکراؤ اور دباؤ سے مل کر نئے ایٹم ہیلیم کی تخلیق کرتے ہیں اس عمل میں کچھ مادہ توانائی میں تبدیل ہوتا ہے جو زمین کو حرارت اور روشنی دیتا ہے اس طرح وقت کے ساتھ اس کا ہائیڈروجن کا ایندھن خرچ ہو رہا ہے (فی سیکنڈ چالیس لاکھ ملین ٹن سورج کا ایندھن توانائی میں تبدیل ہو رہا ہے)۔ایک مدت کے بعد اس کے یہ ذخائر بالکل ہی ختم ہو جائیں گے[3]۔ جیسے ہی سورج کا ایندھن میں کمی آئے گی تو سورج سوجنا شروع ہو جائے گا اور اس کے حجم میں پھیلاؤ آجائے گا۔ پھر یہ اس قسم کے ستارہ میں تبدیل ہو جائے گا جس کو سائنسدان سرخ دیو (Red Giant) کا نام دیئے ہوئے ہیں۔ پھر ایک ایسی سٹیج آئے گی کہ سورج پھول کر اتنا بڑا ہو

---

(1)ایضاً:ص272

[2][التکویر:1،2]

(3)ایضاً:ص295-296

جائے گا کہ یہ اپنے خاندان کے دوسرے کرہ جات (Planets) کو نگلنا شروع کردے گا اور ہمارے کرہ ارض کی فضا اتنی گرم ہو جائے گی کہ پتھر پگھلنے شروع ہو جائیں گے اور ان کی تبخیر شروع ہو جائے گی۔[1]

آخری عمر میں سورج ایک دفعہ پھر بھڑکے گا۔ اس وقت ہائیڈروجن کی بجائے سورج کے اندر ہیلیم (Helium) گیس جلنے لگے گی جو اگرچہ ہائیڈروجن جیسی اثر اور پائیدار ایندھن تو نہ ہو گی لیکن پھر بھی کچھ عرصہ کے لیے بوڑھا سورج دوبارہ جوان ہوتا نظر آئے گا۔ اور اس کے بعد ہیلیم سے بھی بھاری چیزیں ایندھن کا کام دیں گی۔ جب آخر میں ہر قسم کا ایندھن، ختم ہو جائے گا تو سورج باقی ماندہ بھاری عناصر کے ساتھ جن میں سب سے زیادہ لوہا ہو گا، کا ایک مردہ ڈھانچہ بن جائے گا۔ لیکن اس وقت بھی اس کا اندرونی درجہ حرارت چند ملین ڈگری تک ضرور ہو گا۔

اس کے ساتھ ساتھ کشش ثقل کی طاقت کی بنا پر بوڑھا سورج اپنے ہی وزن کے زور سے سکڑنا شروع کر دے گا اور اپنے اندر کی ٹھوس چیزوں کو پیسنا شروع کرے دے گا۔ اور یہ کچھ اس زور سے ہو گا کہ اس کی کثافت ایک مکعب سنٹی میٹر پر تقریباً دس ٹن تک ہو جائے گی اور آخر میں یہ شاندار ستارہ جس پر آج ہماری زندگی کا انحصار ہے، ایک مردہ ڈھانچے کی صورت میں باقی رہ جائے گی۔[2]

1.7- نئی کائنات یعنی حشر و نشر کے بعد جنت دوزخ کے مراحل

سائنسدانوں اور محققوں کے لیے یہ قرآنی انکشاف دلچسپ ہے کہ دوبارہ تخلیق ہونے والی کائنات موجودہ کائنات کی نقل نہ ہو گی بلکہ یہ نئے اجرام فلکی کا ایک نیا عظیم نظام ہو گا۔ جو موجودہ طریق کار سے بالکل مختلف قسم کا ہو گا۔ نہ اس کی زمین ہماری اس زمین کی طرح ہو گی اور نہ اس کے آسمان موجودہ آسمانوں کی طرح

---

(1) ایضاً، ص 297

(2) ایضاً، ص 298

ہوں گے،اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیت مبارکہ تجسس کو دعوت دیتی ہے:

{يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ}[1]

اس دن بدل جائے گی زمین بمقابلہ اس زمین کے (اور یہی حالت ہو گی) سماوات کی۔

قرآن پاک ہمارے لیے یہ انکشاف بھی کرتا ہے کہ نئی کائنات کے تین بڑے حصے ہوں گے جنت، اعراف اور جہنم۔ان تینوں جہانوں میں جنت آرام و سکون کے زمان و مکان کا نام ہے۔اس کی اصل کیا ہے یہ تو خالق کائنات کا راز ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ موجودہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں جنت کی ادنی سے ادنی نعمت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور جنت اس قدر وسیع ہے کہ موجودہ ساری کائنات اس کے سامنے ہیچ ہے۔اس بات کو سمجھانے کے لئے اللہ کے پیارے حبیب مصطفی ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے درخت اس قدر بڑے ہوں گے کہ اگر گھوڑ سوار ستر سال گھوڑا دوڑاتا رہے تو ایک درخت کا سایہ بھی ختم نہ ہو گا۔قرآن حکیم کی سورۃ الحدید آیت 21 میں جنت کی وسعت کے بارے میں ارشاد ہے:

{وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ}[2]

اور جنت کی چوڑائی مثل جیسے موجودہ تمام آسمانوں اور زمین کے ہے تیار کی گئی ہے واسطے ان لوگوں کے کہ جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر۔

اس آیت مبارکہ میں جنت کو جو موجودہ تمام ارض و سماوات کے برابر قرار دیا گیا ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جنت کی وسعت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ایک آسمان کے بارے میں سائنسی علوم جہاں تک اندازہ لگا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس میں کروڑوں کے حساب سے کہکشاں ہیں اور ہر کہکشاں میں تقریباً کھربوں کے حساب

---

[1] [ابراھیم:48]

[2] [الحدید:21]

سے ستارے ہیں۔ انہی میں سے ہماری کہکشاں کی وسعت کا اندازہ یہ ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک 860001 میل فی سیکنڈ کے حساب سے روشنی پہنچنے میں بیس ہزار سال لگ جاتے ہیں۔ اب ذرا اس حساب سے تمام سماوات کے حجم اور لمبائی چوڑائی کا اندازہ لگائیں۔ اور اس سے نئی کائنات میں جنت کا اندازہ لگائیں جس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان سب سے بھی وسیع تر ہے۔[1]

جہاں تک جہنم اور اعراف کے زمان و مکان کا ذکر ہے قرآن حکیم سے بالواسطہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنت سے چھوٹے ہوں گے۔ لیکن یہ بھی آنے والی دنیا کے حصہ ہوں گے۔ ان میں سے اعراف جنت اور جہنم کا درمیانی زمان و مکان ہے۔ اور جہنم اللہ کے مجرموں کا مقام ہے۔ جہنم اس قدر تکلیف دہ ہے کہ اس کی معمولی سے معمولی تکلیف دنیا کی سخت سے سخت تکلیف کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔

جہاں تک نئی دنیا کے اوقات کا تعلق ہے قرآن حکیم سے ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کے اوقات کا ہمارے موجودہ دنیا کے اوقات سے کوئی مقابلہ نہیں۔ وہاں کا ایک دن ہمارے اس دنیا کے ہزار سالوں بلکہ پچاس ہزار سالوں یا اس سے بھی زیادہ لمبا ہو گا۔ وہ ہمیشہ کی رہنے والی دنیا ہے۔ وہاں کسی کو موت نہیں۔ اس کے لمحات ابد الآباد کے لمحات ہیں۔ اس کی خوشیاں انمٹ ہیں۔ وہاں ترقیاں ہی ترقیاں ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد آیات مبارکہ ہیں جو جنت اور دوزخ کی دائمی زندگی کا ذکر کرتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث مبارکہ بھی واضح کرتی ہیں کہ اللہ کی رحمت کے صدقے کچھ عرصہ سزا بھگتنے کے بعد دوزخی اہل ایمان بھی باری باری بخش دیئے جائیں گے۔ اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب دوزخ کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے، بے شک اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔[2]

---

(1) قیامت اور حیات بعد الموت،: ص304۔305

(2) ایضاً، ص305

1.8- نئی کائنات میں زندگی

ایک اور سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ نئی کائنات میں زندگی دوبارہ کیسے شروع ہوگی۔ مردوں کو کیسے زندہ کیا جائے گا۔ حشر نشر کیسے واقع ہوگا۔ قرآن پاک بار بار یہ چیز دہراتا ہے کہ یہ سب کچھ بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی تخلیق کو ظہور پذیر کیا تھا۔ اگر موجودہ کائنات نے عدم (Nothingness) سے جنم لے لیا ہے تو اس کا پیدا کرنے والا دوسری دفعہ کیوں نہ کرسکے گا۔ قرآن پاک کی سورۃ لقمان کی آیت مبارکہ 28 اس بنیادی اور اہم سوال کا جواب اس طرح دیتی ہے۔

{مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ}[1]

(اے لوگو) نہیں تخلیق تمہاری اور نہیں تمہارا دوبارہ پیدا ہونا مگر ایک اکیلے نفس کے پیدا ہونے کی مانند (یعنی جیسے ایک نفس کا پیدا ہونا ایک معمولی بات ہے اسی طرح تم سب کا دوبارہ پیدا ہونا کوئی مشکل امر نہیں) تحقیق اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

ان منازل میں یوم حشر ہمارے سفر کی انتہا اور جزا و سزا کی ابتدا ہے۔ وہاں سے گزر کر ہم یوم الدّین میں داخل ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے زندگی کے تمام مرحلے ختم ہو جانے والے تھے، ہر تخلیق عارضی تھی۔ زمان و مکان سب عارضی تھے۔ لیکن اس مقام پر موت کو بھی ذبح کردیا جائے گا۔ شعور شک کی آلودگیوں سے پاک ہو جائے گا۔ حقیقت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک اٹھے گی، حق ظاہر ہو جائے گا اور باطل ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ پرانی کائنات کے تمام ذی روح ذی شعور اکٹھے کردیے جائیں گے اور سبھی نئی کائنات میں اپنے اپنے مقام کے لیے رب العزت کے فیصلہ کے منتظر ہوں گے۔

یوم الدّین کے موقع پر لوگ اپنی پرانی زندگی کے بارے میں سوچیں گے کہ وہ لمحہ بھر کے لیے سو گئے

---

[1] [لقمان:28]

تھے اور اب جاگ اٹھے ہیں۔اور یہ سلسلہ ان کے لیے نزاعی معاملہ ہوگا (یعنی ہر آدمی کی سوچ اس کی فراست کے مطابق ہوگی اور اللہ کے دوست اس بات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ جائیں گے) اس کی مثال ہمارا ماضی ہے۔ پوری گزری ہوئی زندگی ایک لمحہ کی تصویر معلوم ہوتی ہے۔اسی طرح یوم الحساب کو کائنات کے گذرے ہوئے اربوں سالوں کا عرصہ صرف چند ساعتیں معلوم ہوں گی۔

ایک جگہ سلطان بشیر محمود کچھ دیگر سائنسی حقائق جیسے مادہ غیب (hidden matter) اور خاتمہ کائنات کے بڑے بڑے واقعات کا خلاصہ یوں کرتے ہیں:

> کائنات اس قدر وسیع ہے کہ روشنی اگر ایک سرے سے چل کر دوسرے سرے تک پہنچنے کا ارادہ کرے تو اپنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی لاثانی رفتار کے باوجود اسے کم از کم 15 ارب سال لگ سکتے ہیں۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہوتا اگر کائنات کوئی جامد گیند کی طرح ہوتی۔ لیکن صورت حال انتہائی عجیب و غریب ہے۔ امریکن سائنسدان ہبل (Hubble) نے 1924ء میں دریافت کیا کہ کہکشائیں (Glaxies) اپنی اپنی جگہ پر مقیم نہیں بلکہ ایک دوسرے سے دور ہٹ رہی ہیں۔اس انکشاف کے ساتھ ہی کائنات کے بارے میں تمام پچھلے سائنسی نظریات بدل گئے۔اور دنیا کو پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔اور اس کے تمام حصے ایک دوسرے سے دور بھاگ رہے ہیں۔ جس جگہ آپ اس وقت ہیں اگلے لمحہ وہاں نہیں ہوں گے۔ جو دنیا آج یہاں ہے وہ دنیا کل وہاں نہیں ہوگی۔ اس کی مثال ایک غبارے کی طرح ہے جس میں ہوا بھری جارہی ہو، اگر اس کی سطح پر نقطے ہوں تو وہ غبارے کے پھیلنے کے ساتھ سبھی ایک دوسرے سے دور ہوتے نظر آئیں گے۔اور غبارہ کا حجم بھی بڑھتا جائے گا۔[1]

---

(1) ایضاً: ص 264

کائنات کی پھیلنے کی رفتار بھی بے حساب ہے اور اس کا صحیح اندازہ ابھی تک نہیں لگایا جا سکا اور عجیب بات یہ ہے کہ جس قدر کوئی دنیا دور ہے، اسی قدر تیز رفتاری سے وہ آگے بڑھ رہی ہے اور بہت ہی دور دنیائیں تو تقریباً روشنی کی رفتار سے آگے کی طرف بھاگ رہی ہیں۔ یہ سوال کہ وہ کیوں ایک دوسرے سے پرے جا رہی ہیں اور کہاں جا رہی ہیں اور کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، اس پر بہت سے سائنسی قیاس ہو رہے ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ اس پھیلاؤ کا سبب کائنات کی تخلیق کے وقت دھماکہ کی طاقت ہے۔ ہر دھماکہ کی یہی خاصیت ہوتی ہے کہ اشیاء اس کی طاقت سے دور دور بکھرتی جاتی ہیں۔ اور اگر کوئی روک نہ ہو تو ہمیشہ کے لیے بکھرتی جائیں۔ یہ کائناتی دھماکہ (Big Bang) اتنا شدید تھا کہ آج پندرہ ارب سال بعد بھی اس کا اثر زائل نہیں ہوا۔[1]

سائنس دانوں کے مطابق ایک وقت آئے گا کائنات کا یہ پھیلنا آہستہ آہستہ کم ہوتے ہوتے رک جائے گا اور اس کے بعد کائنات میں مکمل ٹھہراؤ (Static) حالت نہیں رہے گی بلکہ خود بخود اپنی کششِ ثقل کے سبب سکڑنا شروع ہو جائے گی اور یوں اندر کی طرف کھینچاؤ ہر لمحہ بڑھے گا اور یوں آسمانی اجسام تیزی سے اندر کی طرف رش کریں گے اور شدید ٹکراؤ ہوں گے اور ایک وقت آئے گا جب مزید سکڑنے (Contraction) کی گنجائش نہیں رہے گی تب ایک انتہائی زبردست دھماکے کے ساتھ دوبارہ تمام کائنات اپنی قیامت کبریٰ سے دوچار ہو جائے گی۔ اس طرح جدید سائنسی انکشافات یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ کائنات میں سورج، چاند، ستاروں اور زمینوں کی اقسام کے علاوہ ایک طرح کا مادہ ہے جسے مادہ غیب (Hidden Matter) کہا جاتا ہے اس کی مقدار کا اندازہ ابھی لگانا مشکل ہے۔ لیکن اُسے بے حساب کہا گیا ہے اس مادہ غیب میں ایک کا نام نیوٹرینز (Neutrinos) ہیں ان کے علاوہ بے شمار طرح کی اور بھی شعاعیں ہیں جو مادہ غیب کا حصہ ہیں۔ سائنسدانوں کے مطابق اگر کائنات میں ٹھہراؤ آتا ہے اور اس کے بعد سکڑنے لگتی ہے تو اس کی وجہ یہی مادہ غیب ہو گا۔ اور اگر مادہ غیب خاص مقدار سے زیادہ ہے تو یقیناً کائنات رک کر سکڑنے لگے

---

(1) ایضاً، ص 110

گی اور اگر وقت کے ساتھ ساتھ مادہ غیب بڑھ رہا ہے تو پھر سکڑنے کا عمل جلد بھی آ سکتا ہے۔ قرآن حکیم بھی کائنات میں ٹھہراؤ آ جانے کی نظریہ کی تائید کرتا معلوم ہوتا ہے۔[1]، نہ صرف یہ بلکہ قرآن پاک مادہ غیب کی بھی خبر دیتا ہے۔ جس کو غیب السماوات والارض کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس لحاظ سے مندرجہ ذیل آیت کا سمجھنا سائنس کے ماہرین کے لیے ایک چیلنج ہے کہ کس طرح قرآن پاک نے کائنات کے مادہ غیب (Hidden Matter) جیسی نہایت اہم بات کی طرف انتہائی جامع انداز میں چودہ سو برس پہلے اشارہ کیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

{وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ}[2]

اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں تو اللہ ہی کو معلوم ہیں، اور قیامت کا معاملہ تو ایسا ہے جیسا آنکھ کا جھپکنا یا اس سے بھی قریب تر، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کے درمیان چھپی اور ان جانی چیزوں (یعنی غیب السماوات والارض) اور قیامت کے آنے کو اکٹھا کر دیا ہے گویا قیامت کے وقوع کا غیب السماوات والارض سے گہرا تعلق ہے۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ غیب السماوات والارض کی نسبت خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملائی گئی ہے۔ اس اضافت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا ادراک انسان کے لیے آسان نہیں ہو گا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ چارج کئے بغیر انتہائی چھوٹے چھوٹے ایٹمی ذرات نیوٹرینوز (Neutrinos) جن کا سائنسی تعلق ہم نے غیب السماوات والارض کے طور پر کیا ہے ایسی ہی ایک نوع ہے جس کا ادراک اور ان کو پکڑنا ابھی تک سائنس

---

(1) ایضاً: ص 112

[2] النحل: 77

کے بس سے باہر ہے۔ انسان کا حساب تو بتاتا ہے کہ وہ موجودہ ہیں لیکن ابھی تک سائنسی آلات ان کو قابو کرنے سے قاصر ہیں۔

1.9- Big Crunch (بگ کرنچ)

اس آیت کا اگلا ٹکڑا قیامت کے حکم کے متعلق ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس عظیم واقعہ کا وارد ہونا ایک انتہائی سرعت انگیز امر ہو گا۔ اس کی سرعت کی تمثیل آنکھ جھپکنے سے دی گئی ہے۔ سائنسی زبان میں Big Bang کی طرح یہ بھی اچانک دھماکہ ہو گا جسے Big Crunch کا نام دیا گیا ہے اور کائنات کا چلتا ہوا پہیہ الٹی طرف مڑ جائے گا۔ اس آیت مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کی مجموعی عمر کے لحاظ سے اس کی بقیہ زندگی زیادہ نہیں۔ اس کے رکنے کا عمل کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔ اس لیے بعض سائنس دانوں کا یہ قیاس کہ ابھی کائنات مزید اربوں کھربوں سال یونہی چلتی رہے گی، غلط معلوم ہوتا ہے۔ آیت کا آخری ٹکڑا انسان کو سمجھاتا ہے کہ اس عظیم تبدیلی پر حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک معمولی بات ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

مشہور سائنسدان و ریاضی دان پال ڈیویز کے مطابق جب کائنات سکڑ کر اپنی موجودہ حالت کے سینکڑویں حصہ کے برابر رہ جائے گی تو اس پر بھینچ جانے کے اثرات یہ ہوں گے کہ زمان و مکان میں ہر جگہ درجہ حرارت ابلتے پانی کی حرارت تک پہنچ جائے گا۔ اس لیے ہماری زمین پر زندگی کے تمام آثار ختم ہو جائیں گے۔ اور جیسے جیسے آسمانی دنیاؤں کا درمیانی فاصلہ مزید کم ہوتا جائے گا تو اسی لحاظ سے عام فضا کا درجہ حرارت بھی بڑھتا جائے گا۔ آخر کار آسمان از خود آگ کی بھٹیوں کی طرح ابلنا شروع ہو جائیں گا۔[1] شاید اسی طرف اشارہ ہے:

{ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا (6) وَنَرَاهُ قَرِيبًا (7) يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ (8)

1۔ ایضاً: ص113۔114

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (9)}[1]

تحقیق وہ دیکھتے ہیں اس واقعہ کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک وہ ایک دن ہے جب آسمان (کا رنگ) مانند اُبلتے تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا۔ اور جبال روئی کے گالوں کی طرح (جبال کی اصطلاح میں زمینوں اور آسمانوں کے سارے ٹھوس اجسام آ جاتے ہیں اور اس لفظ کو صرف پہاڑوں تک محدود نہ کیا جائے)۔

ان آیت مبارکہ میں بھی عام انسانوں اور سائنس دانوں کے لیے نہایت قابل فکر اشارہ ہے کہ وہ اپنے حساب کے مطابق قیامت کو دور کی بات سمجھتے ہیں لیکن اصل میں یہ بات نہیں۔ مثلاً جدید سائنس اب قیامت کو تو مان گئی ہے لیکن اس کے حساب کے مطابق ابھی اس کے آنے میں اربوں کھربوں سال لگ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن الحکیم ان کی غلط فہمی کی اصلاح کرتا ہے۔ کہ تم جس چیز کو اتنا دور سمجھتے ہو وہ ایسا نہیں بلکہ کائنات کی عمر کی نسبت سے یہ اب انتہائی قریب ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ سائنس دان اپنے مفروضوں کو پھر سے اعادہ کریں اور اپنے حساب کی اصلاح کریں۔[2]

پھر وہ مزید لکھتے ہیں:

اغلب یہ ہے کہ کائنات کے پھیلنے کا عمل موجودہ سائنسی حساب کے برعکس پہلے ہی بہت آہستہ ہو چکا ہے۔ اور غیب السماوات والارض (Hidden Matter) بھی آج کے سائنسی حساب کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اور یہ بھی کہ یہ مسلسل پیدا ہو رہا ہے۔[3]

---

[1]۔[المعارج:6-9]

(2) قیامت اور حیات بعد الموت، ص114۔115

(3) ایضاً: ص264

> قیامت کے جلدی آنے کا عمل کہکشاؤں کے درمیان کسی عظیم حادثہ کے نتیجہ میں بھی آ سکتا ہے۔ بہر حال بہت سے نئے زاویے سامنے آ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم قرآن حکیم کی اس خبر کو کہ ''قیامت جلدی آنے والی ہے'' کو سنجیدگی سے لیں اور اس کی وجوہات کو معلوم کرنے پر سائنسی تحقیقات کا کام شروع کریں۔[1]

جوں جوں سائنسی تصورات بڑھ رہے ہیں، قیامت کی یہ تصویر وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ پختہ ہو رہی ہے۔ اور آج زیادہ سے زیادہ طبیعات کے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ بگ کرنچ دراصل کائنات کی طبعی حیثیت کا مکمل خاتمہ ہے۔ جیسے وہ یقین کرتے ہیں کہ بگ بینگ (Big Bang) کے بعد زمان و مکان اور مادی عناصر وجود میں آئے تھے اس طرح وہ کہتے ہیں کہ اس بگ کرنچ کے بعد وجود ختم ہو جائے گا اور اس "نہ ہونے" میں (Nothingness) کچھ بھی نہ رہ جائے گا، تمام کا تمام "ظاہر" "باطن" میں چھپ جائے گا۔ صرف ایک "اکائی" رہ جائے گی۔ جسے (Singularity) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ محض کشش ثقل کی طاقت ہو گی جو دراصل کارخانہ قدرت کی "دائی" ہے اور کائنات کی تباہی کے بعد یہ طاقت دوبارہ سب کچھ اپنے اندر چھپا لے گی۔

اس وقت سبھی کچھ غیب **السماوات والارض** کی شکل میں منتقل ہو جائے گا۔ اور اسی غیب سے پھر عالم شہود کا آغاز ہو گا۔[2] (یعنی شہود، وجود کے مقابلے میں ادنی حیثیت ہے اور تب ہی جناب ابن عربی نے وحدت الوجود کی کیفیت کو اعلیٰ ترین کیفیت بتایا۔ لیکن یہ بھی ایک تخلیق ہے جسے ہم موت الکبریٰ کہہ سکتے ہیں۔ جس کے بعد حیات الکبریٰ کا ظہور ہو گا۔ وحدت کُلی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہے اور کائنات کی وحدت اس کی عظیم ذات کا ایک وصف ہے۔ بالآخر وہ ذات باری تعالیٰ تمام شہود کو اپنی وحدت میں چھپا لے گی۔ تمام

---

(1) ایضاً: ص264

(2) ایضاً: ص264

سائنسی یا قدرتی قانون غیب کا حصہ بن کر اس کی وحدت میں گم ہو جائیں گے۔ یعنی ہر تخلیق عالم شہود سے عالم باطن میں جا کر واپس امر ہو جائے گی۔ ڈیزائنر رہ جائے گا اور باقی کچھ نہ ہو گا۔[1] اس سلسلہ میں ارشاد ربانی قابل غور ہے۔ فرمایا گیا ہے:

{كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26) وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (27)}[2]

کل کائنات کے لیے فنا ہے۔ یعنی (جو کائنات میں ہے سب فنا ہونے والا ہے) اور باقی صرف اور صرف رہ جائے گی ذات تیرے پروردگار کی۔ جو بہت جلال اور انعام واکرام والا ہے۔

اب اگر خلوص اور حق کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا ہے کہ آج کی سائنس کائنات کے وجود سے لاوجود کے سفر کی حد تک تو قرآن پاک کی رہنمائی کے تابع آ گئی ہے۔ اور وہ دیکھنے لگے ہیں کہ کائنات کوئی کھیل تماشہ نہیں بلکہ اس میں کوئی بہت بڑا مقصد تخلیق ہے جس کا کوئی خالق ہے۔ لیکن بعض سائنس دان اب بھی مایوسی کا شکار ہیں اور کائنات کے مستقبل سے مایوس ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس کچھ نہ ہونے کے بعد تخلیق کا عمل ختم ہو جائے گا۔ یعنی کائنات ایک بے معنی حادثہ ہے اور اس بڑے حادثہ میں انسان بھی ایک چھوٹا حادثہ ہے۔ لیکن قرآن حکیم امید کا پیغام دیتا ہے۔ وہ اس خاتمہ کو بھی ایک نئے آغاز کا پیش خیمہ قرار دیتا ہے۔ ایک شاندار آغاز ایک اور شاندار کائنات جو ہمیشہ رہے گی۔ جس میں ہم بھی ہوں گے[3]۔

سائنس دانوں میں سے بھی ایک گروہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کلی طور پر معدوم ہونے سے پہلے ہی ایک زبردست رد عمل ہو گا۔ اور اس کے نتیجے میں سکڑی ہوئی کائنات الٹے پاؤں پھر جائے گی۔ جیسے گیند کو زور سے

---

(1) ایضاً

[الرحمن:27،26][2]

(3) قیامت اور حیات بعد الموت، ص119

زمین کی طرف پھینکیں تو ٹکرانے کے بعد دوبارہ اچھلتی ہے۔ اس طرح کائنات بھی مخالف رخ الٹ کر (Bounce Back) ہو کر ایک اور سائیکل شروع کر دے گی۔اور پھر اسی طرح ہوتا رہے گا۔یعنی ایک کے بعد دوسرا سائیکل شروع ہو جائے گا۔اس کو چکر والی کائنات کا نظریہ کہا جاتا ہے۔البتہ قرآن پاک اس نظریہ کی تائید نہیں کرتا۔اس کے مطابق اس کائنات کے خاتمہ کے بعد نئی کائنات کی تخلیق ہو گی جو قائم و دائم رہے گی۔ اور اس کی وسعت اتنی ہو گی کہ موجودہ کھربوں اربوں نوری سالوں والی وسیع کائنات اس کے مقابلہ میں محض ایک چھوٹی سی دنیا ہے۔[1]

2.آخرت کی زندگی کی عقلی وسائنسی توجیہہ

دنیا کے مختلف مذاہب اور معاشروں میں زندگی بعد موت کا کوئی نہ کوئی تصور موجود ہے۔ موت زمین پر عارضی زندگی اور روحانی دنیا کے درمیانی راستہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ موت انسان کو ایک ایسی دنیا میں لے جاتی ہے جو اتنی ہی حقیقی ہے جتنی اس زمین پر زندگی حقیقی ہے۔ موت معدوم ہو جانے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک نئی تخلیقی زندگی کا عمل ہے۔ قرآن کے مطابق یہ ایک نئی حالت کا نام ہے جس میں تمام انسانوں کا اچھے اور برے اعمال کا حساب کتاب لیا جائے گا۔قرآن کا ارشاد ہے:

{الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا}[2]

"اس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ جان لے کہ تم میں سے کون سب سے اچھے عمل کرتا ہے"۔

---

(1) ایضاً، ص119

[2] [الملک:2]

{كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ}[1]

"تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے۔ پھر اس نے زندگی دی۔ پھر مارے گا تم کو۔ پھر زندہ کرے گا تم کو، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے۔"

آخرت کی زندگی کے متعلق جو اعتراضات آج اٹھائے جارہے ہیں وہ کوئی نئے اعتراضات نہیں ہیں۔ یہی اعتراضات کفار عرب کی طرف سے بھی اٹھائے گئے تھے اور قرآن حکیم نے ان اعتراضات کے تشفی جوابات دیے ہیں۔ کفار عرب کے اعتراضات کیا تھے؟ ان کی نوعیت جاننے کے لیے ہم ذیل میں قرآن کریم کی چند آیات درج کررہے ہیں۔ قرآن کریم کا فرمان ہے:

{أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ (3) قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ (4)}[2]

"کیا جب ہم مرچکیں اور مٹی ہوجائیں تو یہ پھر آنا بہت دور ہے۔ اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے"۔

{أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ (3) بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ (4)}[3]

"کیا خیال رکھتا ہے انسان کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں کیوں نہیں ہم ٹھیک کرسکتے ہیں اس کے پور پور"۔

---

[1] [البقرة:28]

[2] [ق:3،4]

[3] [القيامة:3،4]

اور

{وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا (49) قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا (50) أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ}[1]

"اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو جائیں ہڈیاں اور چورا چورا پھر اٹھیں گے نئے بن کر۔ تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا۔ یا کوئی خلقت جس کو مشکل سمجھو اپنے جی میں۔ پھر اب کہیں گے کون لوٹا کر لائے گا ہم کو کہہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی بار"۔

اور

{أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ}[2]

"کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو پھر اس کو دہرائے گا یہ اللہ پر آسان ہے"۔

آخرت کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے اور اس کے بغیر ہمارے ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ موجودہ دور میں عقلیت پسندی کا غلبہ ہے اور لوگ ان دیکھی حقیقتوں کی عقلی بنیادیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ عقلیت کے رسیا لوگوں کے ذہنوں کو اطمینان دینے کے لیے ہم آخرت کی زندگی کی عقلی و سائنسی توجیہہ ذیل کی سطور میں پیش کر رہے ہیں۔

سائنس کی دنیا میں حال ہی میں تحقیق کے نئے در وا ہوئے ہیں جو زندگی بعد موت کے تصور کو سمجھنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ کلوننگ ٹیکنالوجی کی دریافت کی روشنی میں حیات ثانی کے مظہر کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ کلون سے مراد ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو طبعی اور جینیاتی طور پر ہم مثل ہوں۔

---

[1] [الإسراء:49-51]

[2] [العنکبوت:19]

(Clone means a group of individuals having similar physical and genetic make up)

ایک کلون کی پیدائش غیر جنسی بافتوں(Tissues) سے ہوتی ہے۔یہ طریقہ کئی ہزار سالوں سے انسان باغات لگانے میں استعمال کر رہاہے۔نئے درخت لگانے کے لیے پرانے درختوں کی محض ٹہنیاں زمین میں لگائی جاتی ہیں اور نئے درخت اُگ آتے ہیں۔اس طریقہ میں جنسی طریقہ تولید استعمال نہیں ہوتا۔

آج اگرانسان کے لیے یہ ممکن ہو گیاہے کہ وہ جانوروں کے جسم سے ایک سیل لے کراس سے اس کی مثل یاکلون تیار کر سکتے ہیں تواللہ قادر مطلق کے لیے یہ کام کس طرح مشکل ہو سکتاہے جس نے انسانوں کی پہلی بار تخلیق ایسی حالت میں کی جب ان کانمونہ موجود نہیں تھاقرآن حکیم کاارشاد ہے:

{أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (81) إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (82)}[1]

"کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین،ان جیسے (مثل) کیوں نہیں بنا سکتا، کیوں نہیں،اور وہی ہے اصل بنانے والا سب کچھ جاننے والا۔اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو ہو وہ اسی وقت تیار ہو جائے"۔[2]

اوپر درج شدہ آیت کے ترجمہ میں لفظ "مثل" استعمال ہوا جس کا ترجمہ ہم کلون کر سکتے ہیں (یعنی ایک جیسے)اس ضمن میں مولاناشہاب الدین ندوی لکھتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ کے کچھ فرامین بھی دوبارہ جی اٹھنے کے عمل پر روشنی ڈالتے ہیں۔نبی اکرم ﷺ نے

---

[1] [یس:81،82]

(81-82:36)2

فرمایا کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے جسم کے اجزا زمین میں گم ہو جاتے ہیں ماسوائے دمچی (ریڑھ کی ہڈی کا آخری سرا کے) جس سے دوبارہ پیدائش کا عمل تکمیل تک پہنچے گا۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا دمچی رائی کے دانے کی طرح ہے۔ آخرت میں نئ تخلیق کے لیے دمچی کا کوئی حصہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے"۔

کے۔اے رشید اپنی کتاب (Iqbal, Quran and The Western Word) میں بعثت بعد الموت کی ایک اور توجیہہ کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اب یہ ثابت ہو چکا ہے ایک زندہ جسم کے تمام خلیات میں پورے جسم کا خاکہ موجود ہوتا ہے اور جینز جو کہ کروموسوم کا سب سے چھوٹا حصہ ہوتے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ اپنی تعمیر کر سکیں۔ جینز کے کوڈ کو پہلے پروٹین کی زبان میں تبدیل کرنا پڑے گا۔ یہ کوڈ ایک فعلیاتی دستاویز ہے (Functional Script) جسے حال ہی میں کوموسوم میں دریافت کیا گیا ہے اور یہ زندگی اور موت کے پروگرام کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہ پروگرام دوبارہ پیدائش کی انسانی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس پروگرام میں شعور کا احیا بھی شامل ہے"۔[1]

وہ مزید لکھتے ہیں:

"بائیو فزکس کے شعبہ میں ترقی نے یہ دریافت کیا ہے کہ تمام زندہ اجسام سے توانائی کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ یہ شعاعیں مختلف حیطہ امواج میں ارتعاش کر رہی ہیں جن سے ان کے افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ تمام انسانی جسم کو ایک ہالہ نے گھیرا ہوا ہے جس کی اب تصویر بھی لی جا سکتی ہے۔ اس ہالہ یا پرتو کے رنگ اور حالت میں انسان کی طبعی اور جذباتی حالت کے مطابق تبدیلی ہوتی رہتی ہے"۔[2]

اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں:

1(کے۔اے رشید اپنی کتاب Iqbal, Quran and The Western Word، ص۔50)

2(ص50)

"انسان کے گرد جو ہالہ بنا ہوتا ہے اس کی تصویر سکیننگ کے ذریعے بنائی جا سکتی ہے۔ موجوں کی ارتعاشی حالت بھی ایک قسم کی خالص توانائی ہوتی ہے جسے مادی حالت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ تمام موجیں دوبارہ اکٹھی ہو کر اصل جسم کی شکل اختیار کر سکتی ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہم ریڈیائی موجوں کو پکڑ کر آواز پیدا کرتے ہیں یا ٹیلی ویژن سیٹ پر تصاویر (Project) کی جاتی ہے اسی طرح یوم جزاء کے دن بھی انسان کی ہڈیاں اور راکھ اس کے مردہ جسم کے اجزاء سے اٹھنے والی شعاعوں اور ارتعاش موج سے اکٹھی ہوں گی"۔ (1)

اللہ تعالیٰ کا انسانی اعمال ریکارڈ کرنے کا ایک نظام ہے جو یوم جزاء کے دن ہمارے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ہمارا اپنا جسم اور ہمارے ارد گرد ہر ایک چیز ہماری زندگی پر گواہی پیش کرے گی۔ ارد گرد کا ماحول ہمارے افعال و اعمال اور گفتار و حرکات کو ریکارڈ کر رہا ہے۔ اس کی وضاحت بھی چند آیات کریمہ میں پیش کی جا رہی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

{إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا (1) وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا (2) وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا (3) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (4) بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا (5) يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ (6) فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (7) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (8)} (2)

"جب زمین ہلا دی جائے گی اور وہ اپنے بوجھ کو باہر نکال دے گی تو انسان کہے گا اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی کیونکہ اسے اس کے رب نے ایسا کرنے کا حکم دیا

1(ص82)

[2] [الزلزال:1-8]

ہو گا۔ جس دن ہو جائیں گے گروہ گروہ۔ انجام کار وہ اپنے کئے کو دیکھ لیں گے۔ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیک کام کیا ہو گا اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہو گی اسے بھی دیکھ لے گا۔"

اس سورۃ کی وضاحت کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"زمین ہمارے اعمال پر گواہ ہے۔ اس کی کوئی آنکھ نہیں لیکن وہ دیکھ سکتی ہے۔ اس کے پاس کوئی قلم نہیں لیکن وہ گواہ ہے۔ اس کا کوئی دماغ نہیں لیکن وہ یاد رکھتی ہے"۔ (1)

ایک اور آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کے مختلف حصے ہمارے اعمال کو مسلسل ریکارڈ کر رہے ہیں۔ فرمان خداوندی ہے۔

{الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ} (2)

"اس دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے ان کے ہاتھ بولیں گے ان کے پاؤں گواہی دیں گے (اس پر) جو انھوں نے کمایا"۔ (3)

{حَتَّى إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (20) وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (21)} (4)

1(ص82)

[2][یس:65]

3(65:36)

[4][فصلت:20-21]

"یہاں تک وہ (حساب کتاب) کو پہنچے گے تو ان کے خلاف ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی جلد گواہی دیں گے۔ ان کے اعمال پر۔ پھر وہ اپنی جلدوں سے سوال کریں گے کہ وہ ان کے خلاف گواہی کیوں دے رہی ہیں تو وہ جواب دیں گی کہ ہمیں ہمارے رب نے گویائی کی طاقت دی ہے جس نے ہر ایک کو بولنا سکھایا ہے"۔[1]

سائنس میں ہونے والی موجودہ ترقی کی روشنی میں ان آیات کریمہ کو بہتر سمجھا جا سکتا ہے۔ کے۔ اے رشید اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ایک دوسری دلچسپ چیز جو کہ حال ہی میں دریافت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے افعال و اعمال جسم کے کسی حصہ میں ریکارڈ ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ایڈورڈ رسل کہتا ہے کہ ہمارے دماغ میں ایک ایسا حصہ ہے جہاں ہمارے ماضی کے تمام تجربات محفوظ ہوتے ہیں اور حواس خمسہ اور دیگر اعضاء سے جتنی اطلاعات دماغ کو پہنچتی ہیں وہ دماغ میں محفوظ ہو جاتی ہیں اور قیامت میں وہ ایک ویڈیو کیسٹ کی طرح چلادی جائیں گی"۔[2]

مولانا وحید الدین خان اپنی کتاب God Arises میں لکھتے ہیں:

"اب یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ انسانی دماغ انہی چیزوں کو محفوظ نہیں رکھتا جو وہ شعوری طور پر سر انجام دیتا ہے بلکہ انسان کے دماغ میں وہ چیزیں بھی محفوظ ہو جاتی ہیں جن کا انھیں بعض اوقات شعور بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً ہمارے افکار جو کہ پہلی مرتبہ ہمارے ذہن میں پیدا ہوئے وہ بھی محفوظ ہو جاتے ہیں اور اگر ہم چاہیں بھی تو ہم انھیں اپنے دماغ سے مٹا نہیں سکتے۔

1(20-21:41)

2(اے۔ کے رشید، ص61-62)

انسانی شخصیت کا ایک پہلو تحت الشعوری بھی ہے (جہاں پر کئی چیزیں محفوظ ہوتی ہیں)۔[1]

وہ مزید لکھتے ہیں:

"اب یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ انسان کے بولنے کی وجہ سے جو موجیں پیدا ہوتی ہیں وہ بھی فضا میں محفوظ رہتی ہیں گویا اول سے آخر تک جتنی آوازیں پیدا ہوتی ہیں وہ تمام فضا میں محفوظ ہیں لیکن ابھی تک سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی کہ ان تمام آوازوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرے۔ مستقبل میں یہ ممکن ہو سکے گا جیسا کہ آج کل مصنوعی آوازوں کی لہروں کو ان کے خاص آلوں، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے حاصل کر کے علیحدہ کیا جا رہا ہے۔ گویا انسانی تاریخ کے تمام ادوار کا مکمل ریکارڈ فضا میں موجود ہے اور خالق ارض و سماء قیامت والے دن اس کو نکال کر لے آئے گا"۔[2]

گویا آخرت میں حساب و کتاب اور وہاں کی زندگی اتنی ہی حقیقی ہے جتنی اس دنیا کی زندگی مگر فرق یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی آلائشوں اور تمام برائیوں سے جو انسان کی تخلیق میں ہیں، سے پاک ہو گی۔[3]

3. موت کے بعد کے واقعات کی سائنسی حیثیت اور ڈاکٹر موڈی کے تجربات

اس کے باوجود کہ اگرچہ اربوں انسان دل سے حیات بعد الموت پر یقین رکھتے ہیں لیکن پھر بھی یہ ایک ایسا پیچیدہ اور دقیق مسئلہ ہے جس کا ابھی تک کوئی طبیعاتی ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ گو بعض دفعہ رسائل و جرائد میں ہم روحوں اور نفوس کے بارے میں عجیب و غریب واقعات پڑھتے رہتے ہیں۔ ہم نے ایسی کہانیاں بھی سنی ہیں کہ

---

1. God Arises (ص110-111)

[2]Ibid, P 113

3 (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محمد نسیم خان کا مضمون: قیامت اور حیات بعد الموت کا سائنسی ثبوت در کتاب پروفیسر عبد الماجد، اسلام اور جدید سائنس، HSSRD, مانسہرہ، 2003ء، ص328-336

کچھ لوگوں کو مردہ قرار دیا جاتا ہے اور چند لمحوں یا گھنٹوں کے بعد وہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ماسوائے حیرانی کے ایسے واقعات پر کوئی سنجیدہ ریسرچ نہیں ہوئی، لیکن حال ہی میں ایک امریکی ڈاکٹر ریمنڈ موڈی نے اپنی کتاب لائف آفٹر لائف میں جو طبیعاتی مطالعے پیش کیے ہیں انھوں نے سائنسی دنیا کو چونکا کر رکھ دیا ہے۔ اور اس میں تمام مذاہب عالم کے لیے بھی سوچ کی بڑی دعوت ہے۔ ڈاکٹر موڈی نے فرداً فرداً تقریباً 150 ایسے اشخاص کا مطالعہ کیا جن کو ڈاکٹروں نے طبعی طور پر مردہ قرار دے دیا تھا۔ لیکن بعد میں معجزاتی طور پر یہ لوگ زندہ ہوتے رہے۔ اس کتاب میں انھوں نے ایسے ہی لوگوں پر تحقیق کی اور ان کو دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات کو سائنسی نظر سے پرکھا۔ 1976ء میں جب انھوں نے اس تحقیق کا آغاز کیا تھا تو اس مقصد کے لیے انھوں نے امریکہ کے مختلف ہسپتالوں کے ساتھ مسلسل الیکٹرانک رابطہ کا نظام قائم کیا اور ایک سوال نامہ وضع کیا جو مر کر زندہ ہونے والے آدمی کو دیا جاتا تھا۔ وہ ان انوکھے تجربات کا تین اقسام میں تجزیہ کرتے ہیں۔

1. ایسے لوگوں کے مشاہدے اور تجربات جنھیں واقعتاً ڈاکٹروں نے طبعی طور پر مردہ قرار دے دیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد یہ لوگ زندہ ہو گئے۔
2. ایسے لوگوں کے تجربات اور مشاہدات جو کسی حادثہ کی وجہ سے یا سخت چوٹ کی وجہ سے یا بیماری کی شدت کی وجہ سے طبعی موت کے بہت نزدیک پہنچ گئے تھے لیکن حقیقت میں مرے نہیں تھے۔
3. ایسے لوگوں کے تجربات اور مشاہدات جو فوت ہو گئے اور دوبارہ زندہ نہ ہوئے لیکن مرنے سے تھوڑا عرصہ پہلے انھوں نے اپنے مشاہدات پاس کھڑے لوگوں کو بتائے جنھوں نے یہ باتیں ڈاکٹر ریمنڈ کے گوش گزار کیں۔

ڈاکٹر ریمنڈ موڈی اپنی تحقیقات کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

اس کے باوجود کہ مختلف لوگ مختلف صورتوں اور علیحدہ علیحدہ وجوہات کے تحت موت سے دوچار ہوئے اور یہ لوگ ایک دوسرے کو جانتے تھے نہ کبھی ملے تھے۔ جو کچھ انھوں نے بیان کیا اور مرنے کے بعد ان

سے پیش آیا اس میں پھر بھی غیر معمولی مشابہت تھی۔ ان کے مشاہدات میں اس قدر زیادہ مشابہت ہے کہ آسانی سے پندرہ ایسے منظر چنے جاسکتے ہیں جو ہر آدمی کی کہانی میں موجود تھے۔ ان کے ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے مشاہدات کے نکتوں پر میں اختصار کے ساتھ ایک مثالی اور مکمل مشاہدہ پیش کرتا ہوں۔ جس میں تمام مشترکہ نکتے شامل ہیں اور میں اس کو وہ ترتیب دے رہا ہوں جو اس کے فطری ترتیب ہونا چاہیے۔

ایک آدمی موت کے ساتھ دوچار ہو رہا ہے۔ جیسے ہی وہ بہت انتہائی کرب کے نکتہ کو پہنچتا ہے اور مرنے لگتا ہے تو وہ سنتا ہے کہ ڈاکٹر نے اس کو مردہ قرار دے دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ انتہائی مہیب اور بیزار کرنے والا شور سننے لگتا ہے۔ اونچی آواز والی گھنٹیاں اور بھنبھناہٹیں سنائی دیتی ہیں۔ اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک تنگ لمبی اندھیری سرنگ میں دھکیلا جارہا ہے۔ اس کے بعد اچانک اس کو پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے جسمانی بدن سے باہر نکل چکا ہے۔ لیکن گردوپیش کو وہ نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ ارد گرد جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسے سمجھتا بھی ہے۔ اس کو اپنا مادی جسم بھی نظر آرہا ہوتا ہے۔ جیسے وہ از خود ایک تماشائی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس کے بدن کو ڈاکٹر اور نرسیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنے جسم کی یہ حالت دیکھ کر وہ خود کو ایک بے قراری اور اضطرابی کیفیت سے دوچار پاتا ہے۔ لیکن کچھ وقفے کے بعد اس کی پریشانی جاتی رہتی ہے۔ اسے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا اپنا بھی کوئی جسم ہے لیکن یہ جسم پرانا جسم نہیں جو سامنے پڑا نظر آتا ہے بلکہ وہ ایک لطیف جسم ہوتا ہے۔ اب وہ اپنے آپ کو دوبارہ ایک شخصیت محسوس کرتا ہے لیکن اس کی نوع الگ قسم کی ہے۔ اس کی طاقتیں بھی اس طبعی بدن سے مختلف ہیں۔ جس کو وہ پیچھے چھوڑ آیا ہے۔

وہ اپنے سامنے کے حالات وواقعات دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ وہاں کمرے میں کچھ اور لوگ اس کو ملنے یا اس کی مدد کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ رشتہ داروں اور دوستوں سے جو پہلے مر چکے تھے ان کو بھی وہیں اپنے استقبال کے لیے پاتا ہے۔ وہیں وہ اپنے ساتھ ایک اور شخص کو دیکھتا ہے جو اسے لے کر وہاں سے کسی اور منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ شہر کے اوپر اڑ رہا ہے۔ پھر سب ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ ایک تاریک غار میں سے گزرتا ہے۔ وہ وہاں ڈر اور خوف محسوس کرتا ہے لیکن غار کی دوسری طرف

روشنی نظر آتی ہے۔ وہاں وہ ایک روشنی کا جسم دیکھتا ہے جس میں بڑا سکون اور پیار ہوتا ہے۔ ایسا نوری جسم اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔ اس نوری جسم کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ یہ نوری وجود اس سے زبانی ہم کلام نہیں ہوتا لیکن ایسے لگتا ہے جیسے دماغی طور پر بات چیت ہو رہی ہے۔ وہ اس سے اس کی زندگی کے متعلق سوال پوچھتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس آدمی کو اپنا تمام کیا کرایا یعنی پوری دنیاوی زندگی کا خاکہ نظر آنے لگتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نوری جسم نے اس کی انسانی دنیاوی زندگی کے مناظر اور واقعات کی فلم کو چلا دیا ہے۔ لیکن اچانک اسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ نوری جسم اسے کہہ رہا ہو کہ ابھی اس کو دنیا میں واپس چلے جانا چاہیے کہ ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا۔ لیکن وہ اس نئی دنیا سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ واپس نہیں جانا چاہتا لیکن اس کے ساتھ اس کو زبردستی واپس لے آتے ہیں۔ پھر دوبارہ اس تاریک غار سے گزر کر واپس آ کر اپنے پرانے جسم کو دیکھتا ہے۔ وہ اس میں دوبارہ داخل نہیں ہونا چاہتا لیکن زبردستی اس کو دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ابھی اسے کچھ مزید عرصہ دنیا میں زندہ رہنا ہے۔ [1]

4. موت کے بعد کے واقعات کی سائنسی توجیہات پر کچھ سائنس دانوں کے تجربات

کنکٹیکٹ یونیورسٹی امریکہ کے سائنس دان کینتھ رنگ نے بھی ایک سو بیس ایسے لوگوں پر تحقیق کی ہے جو کسی بیماری، حادثہ یا خودکشی کی وجہ سے موت کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ان میں سے تقریباً آدھے لوگوں نے وہی تجربات و مشاہدات دہرائے جن حالات کا موڈی کے بیانات میں تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ اول شدید ابتلا پھر "سکوت یا امن" پھر دنیاوی جسم سے علیحدگی اس کے بعد اندھیری سرنگ میں دخول۔ اور اس کے بعد نوری جسم کا نظر آنا اور نور میں دخول ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ پانچوں مرحلے اسی ترتیب سے نظر آئے یا محسوس ہوئے۔ لیکن

---

1 (ریمنڈ اے موڈی "لائف آفٹر لائف، جارجیا، امریکہ 1975ء بحوالہ سلطان بشیر محمود: قیامت اور حیات بعد الموت: دار الحکمت، اسلام آباد، 1983، ص 423 تا 427)

بعض اوقات واقعات کا سلسلہ اس سے مختلف بھی تھا۔ مثلاً تقریباً ساٹھ فیصد نے کہا کہ موت کے فوری بعد سکوت یا امن چھا گیا البتہ نور میں سما جانا اتنا عام تجربہ نہیں تھا۔ کینتھ رنگ کے گروپ کے صرف دس فی صد لوگ ہی اس آخری تجربے سے دوچار ہوئے۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ جو تجربات اور مشاہدات موڈی اور رنگ نے بیان کیے ہیں وہ ایسے لوگوں کے بارے ہیں جو موت کے نزدیک تو پہنچے لیکن اس کی گہری وادیوں میں نہیں گئے بلکہ پہلے ہی واپس کر دیے گئے۔ ان تجربات میں انسانی ذات اپنے جسمانی وجود سے صرف عارضی طور پر الگ ہوئی تھی (جیسے خواب میں بھی ہوتا ہے) یہ حقیقی موت نہیں تھی۔ جس کے بعد انسانی روح اور نفس اس سے پوری طرح کٹ جاتے ہیں اور دوسرے عالم میں مستقل طور پر چلے جاتے ہیں اور پھر کبھی واپس نہیں آ سکتے۔ اس لیے یہ عالمِ برزخ کے واقعات نہیں بلکہ جانکنی سے پہلے یا اس کے فوری بعد کے حالات ہیں۔[1]

4.1۔ کچھ اور لوگوں کے تجربات

پاک بھارت جنگ 1965ء اور جہاد افغانستان میں بعض شہداء کے واقعات بھی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور شعوری حالت میں آزادی سے کائنات میں سیر کرتے ہیں۔ ان شہداء پر بھی چشم دید گواہوں نے چند کتابیں لکھی ہیں جن میں دیے گئے واقعات پر شک کی کوئی وجہ نہیں۔ قدرت اللہ شہاب کی خودنوشت "شہاب نامہ" میں بھی ان کے ساتھ پیش آنے والے نفوس کے واقعات درج ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ یہ نفوس وہ ہیں جو مسلمان نہیں تھے اور زمین پر حسرت و یاس کی حالت میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی کتاب "روحوں کی دنیا" بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے جس میں انھوں نے اپنی تحقیق کے مطابق عالم برزخ میں کئی سعید روحوں کے واقعات لکھے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ

1(بحوالہ سلطان بشیر محمود: قیامت اور حیات بعد الموت: دار الحکمت، اسلام آباد، 1983، ص423تا427)

اللہ کی کتاب "کشف المحجوب" میں بھی عالم برزخ میں اللہ کے بعض ولیوں کی زندگی کے حالات بتائے گئے ہیں۔ مشہور زمانہ سیاح ابن بطوطہ نے چودھویں صدی عیسوی میں اپنے سفر نامہ میں بھی کچھ بزرگوں کی روحوں کے بڑے حیرت انگیز واقعات لکھے ہیں۔ خود ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ جنگ بدر کے چند سال بعد جب آپ ﷺ صفرا کے مقام سے گزر رہے تھے کہ تمام صحابی حیران ہو گئے کہ ماحول میں خوشبو ہی خوشبو چھا گئی۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ یہ خوشبو کیسی، تو آپ ﷺ فرمایا کہ شہید بدر جناب عبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں ہی دفن ہیں۔

ایسے تجربات و مشاہدات سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ حیات بعد الموت اور ارواح کے واقعات روزمرہ کے شواہد تو نہیں لیکن یہ سب بالکل انہونی بات بھی نہیں کہ اسے صرف ایک عقیدہ کہا جائے بلکہ ہر زمانے میں ہر مذہب کے لوگوں نے اور آج کل جدید سائنس دان بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ مرنے کے بعد والی حیات میں شعور ہوتا ہے۔ اس میں خوشی، ناخوشی، اطمینان اور یاس و حسرت سبھی کچھ ہے۔ لیکن ان کا دارومدار اس پر ہے کہ اس فرد نے دنیاوی زندگی کیسے گزاری تھی۔

5۔احادیث مبارکہ میں حیات بعد از موت کے واقعات: شہید کا دیکھنا، سننا اور سمجھنا

بخاری شریف میں حدیث نبوی ﷺ مروی ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"شہید کے لیے ایک جسم نہایت خوبصورت اترتا ہے اور اس کے نفس کو کہتے ہیں کہ وہ اس میں داخل ہو۔ اس وقت وہ اپنے پہلے بدن کو دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ان کی باتیں سنتا ہے اور کلام کرتا ہے۔ اور گمان کرتا ہے کہ وہ اس کی باتیں سنتے ہیں۔ اور آپ جوان کو دیکھتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ لوگ بھی اسے دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جنت سے اس کی بیبیاں اس کو آ کر لے جاتی ہیں"۔ [1]

---

1 (بحوالہ کتاب الروح)۔

عالم برزخ میں آزادی

امام احمد بن حنبل اپنی مسند اور طبرانی معجم کبیر میں روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ، وَجَنَّةُ الْكَافِرِ»[1]

"بے شک دنیا کافر کی جنت اور مسلمان کے لئے قید خانہ ہے"۔

اور مومن کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی قید خانہ میں تھا اب اس سے نکال دیا گیا کہ زمین میں وہ گشت کرتا ہے اور بافراغت چلتا پھرتا ہے۔ جب مسلمان مرتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے سیر کرے"۔[2]

5.1-موت کے بعد شعور، عالم ادراک اور کمال

5.1.1-مردوں کا قبر سے جواب دینا

جدید سائنس ذاتی مشاہدات اور علماء کے روحوں کے متعلق بتائے گئے تجربات و واقعات در اصل اللہ کے نبی ﷺ کی بتائی ہوئی خبروں کی تصدیق ہے۔ درج ذیل میں آپ ﷺ سے مروی وہ احادیث دی جارہی ہیں یا ان کی ترجمانی کی جارہی ہے جن سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ موت جسم کا تو خاتمہ ہے لیکن نفس اور روح بالکل قائم دائم رہتے ہیں۔ روح اپنے اجزاء جسمانی سے - خواہ وہ پانی میں گھل جائیں، مٹی میں مل جائیں، آگ میں راکھ ہو جائیں، جانوروں کی غذا بن جائیں، سے رابطہ استوار رکھتے ہیں۔ جدید سائنس کی بھی یہ دریافت ہے کہ عناصر ایک دوسرے کی یاداشت رکھتے ہیں۔ روشنی کے ذرات پروٹونز اپنے منبع سے علیحدہ ہو کر بھی ایک دوسرے کو

---

[1] صحيح مسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري ، كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، جزء4، صفحہ 2272، حدیث 2956

2(بحوالہ ابن قیم: کتاب الروح)۔

نہیں بھولتے۔ چیزوں کی ہیئت بدل جاتی ہے لیکن یاداشت ویسے ہی رہتی ہے۔ انسانی روح اور اس کے جسم کے ذرات کا بھی یہی حال ہے۔ ابن ابی الدنیا کتاب القبور اور امام عبد الحق کی کتاب العاقبہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی زیارت قبر کو جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے میت کا دل اس سے بہلتا ہے اور جب بات کرتا ہے مردہ اس کا جواب دیتا ہے۔"[1]

5.1.2-مردہ کا زندہ کو سننا اور حساب و کتاب

صحیح مسلم شریف میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہ وہ بھی صحابی ہیں فرمایا:

"جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر تھم تھم کر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا۔ پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرے رہنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو یہاں تک کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دیتا ہوں"۔[2]

5.1.3-مردوں کی روحوں کا زندوں سے ملنا

ابن ابی الدنیا بیہقی اور سعید بن حسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی و عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے سے کہا:

"اگر آپ مجھ سے پہلے انتقال کریں تو مجھے خبر دیں کہ وہاں کیا پیش آیا۔ دوسرے صاحب نے پوچھا کہ کیا زندہ اور مردہ آپس میں ملتے ہیں۔ فرمایا ہاں مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی

1(بحوالہ کتاب الروح)۔

2(بحوالہ کتاب الروح)

ہیں اور انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں"۔[1]

5.1.4-موت کے وقت روح دیکھتی اور سنتی ہے

امام ابن ماجہ امام بن عبداللہ مزنی رحمتہ اللہ علیہ سے راوی ہیں۔ مجھے حدیث پہنچی ہے کہ

"جو شخص مرتا ہے اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لوگ اسے غسل و کفن دیتے ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کرتے ہیں۔ ان سے بول نہیں سکتا کہ انھیں شور و فریاد سے منع کرے۔ روح جنازے کے ساتھ چلتی ہے اور فرشتہ اسے کہتا ہے کہ سن تیرے حق میں لوگ کیا کہتے ہیں"۔[2]

5.1.5-قبور میں مردوں کا زندوں کو پہنچاننا اور سلام کا جواب دینا

ابن ابی الدنیا بیہقی و ابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ علیہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب آدمی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے دنیا میں شناسائی تھی اور اسے سلام کرتا ہے تو میت جواب سلام دیتی ہے۔ اور اسے پہچانتی ہے"۔[3]

حضرت امام ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

"عالم برزخ میں روحوں کا ایک ٹھکانہ نہیں، علوی (پاکیزہ) ارواح اعلی علیین میں ہیں اور سفلی (خبیث) روحیں زمین سے آگے نہیں بڑھتیں۔ اور باقی اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان دونوں مقامات کے درمیان ہوتی ہیں"۔

عالم برزخ کی زندگی ایک سوسائٹی کی طرح ہے۔ وہاں پاکیزہ لوگوں کے نفوس پاکیزہ روحوں کے ساتھ

1(بحوالہ کتاب الروح)

2(بحوالہ کتاب الروح)

3(بحوالہ سلطان بشیر محمود: قیامت اور حیات بعد الموت: دار الحکمت، اسلام آباد ص434تا438)

اور گندے نفوس گندے نفوس کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں۔اللہ کے باغیوں اور منافقین کے نفوس کو سجین یعنی سب سے بد تر جیل خانہ میں بند کر دیا جاتا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا کہ کافر کے پاس جب موت کے فرشتے آتے ہیں تو خوف کے مارے ان کا برا حال ہوتا ہے۔ وہ مرنا نہیں چاہتا لیکن فرشتے اسے جسم سے زبردستی نکال لیتے ہیں۔اس نفس کی بدبو مردار کی بری بو سے بھی زیادہ بد تر ہوتی ہے۔اور جدھر جدھر سے اسے لے کر گزرتے ہیں فرشتے اس پر لعنتیں بھیجتے ہیں۔اور پھر اسے سجین میں ڈال دیا جاتا ہے۔وہاں ایک بد قسمت مایوس روح کی حیثیت سے وہ قیامت تک اپنے اعمال کا بوجھ اٹھائے حسرت و یاس میں بھٹکتا رہتا ہے۔اور اس کے اعمال خوفناک بلاؤں کی شکل میں اس کے خوابوں میں آکر اسے پریشان کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ سود خوار تھا یا دوسروں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتا رہا تو اسے یہ خواب آئیں گے کہ فرشتے اس کے پیٹ سے نوک دار چھریاں مار کر انتڑیوں کو باہر کھینچتے ہیں اور پھر اندر ڈالتے ہیں۔ غیبت کرنے والا اپنے آپ کو مردار کھاتے ہوئے پائے گا۔ بے نمازی یوں دیکھے گا کہ اس کے سر کو کچلا جا رہا ہے کہ زندگی میں وہ یہ سر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکانے سے کتراتا تھا۔

کسی نے اللہ کی ذات اور آخرت میں ایسے تمام واقعات کے یقینی ہونے پر بہت خوبصورت بات کہی ہے، وہ کہتے ہیں:

In what concern Divine things, belief is not appropriate. Only Certanity will do. Any thing less than Certainty is Unworthy of God.(Simone weil)

5.1.6-حدیث مبارک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مومن کی روح جسم سے جدا کی جاتی ہے تو محافظ فرشتے اسے مقام علیین کی طرف لے کر چڑھتے ہیں۔ وہ اسے رحمت کے لباس میں لپیٹ لیتے ہیں جس سے خوشبوئیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ یہاں تک کہ فرشتے ہاتھوں ہاتھ لیے اور مبارک مبارک کہتے آسمان کے دروازہ پر لے آتے ہیں تو آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی مبارک روح ہے جو اس قدر خوشبودار ہے۔

اس طرح وہ جہاں جہاں جاتے ہیں اس کا ایسے ہی استقبال ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسے مومنوں کی روحوں کے پاس لے آتے ہیں اور وہ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ جس طرح سفر سے جب کوئی واپس آتا ہے تو اس کے گھر والے خوش ہوتے ہیں۔ وہ روحیں اس نئی آنے والی روح سے عالم شوق میں پوچھتی ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے فلاں کا کیا حال ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں ابھی اس کو چھوڑو کہ اسے دنیا کے غم سے نجات مل جائے۔ پھر وہ نئی آنے والی روح ان روحوں سے کہتی ہے کہ فلاں تو مر چکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا۔ تو وہ روحیں جواب دیتی ہیں پھر تو وہ جہنم میں چلا گیا اور اس پر افسوس کرتی ہیں۔ (مسلم شریف)[1]

خود آزمائی

سوال نمبر 1: وقوع قیامت پر سائنس کی روشنی میں بحث کریں۔

سوال نمبر 2: وقوع قیامت سے پہلے کے چیدہ چیدہ واقعات کی سائنسی توجیہات پیش کریں۔

سوال نمبر 3: سورج کی موت اور نظام شمسی کے خاتمہ پر قرآن اور سائنس کی روشنی میں بحث کریں۔

سوال نمبر 4: حیات اخروی کے ثبوت پر احادیث اور جدید سائنس کی روشنی میں نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر 5: بعث بعد الموت پر سائنس کے نقطہ نظر کی وضاحت کریں۔

سوال نمبر 6: ڈاکٹر مودی کے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں عذاب و ثواب پر بحث کریں۔

سوال نمبر 7: حیات اخروی کے ثبوت پر جدید سائنس کی روشنی میں بحث کریں۔

سوال نمبر 8: قرب قیامت میں سمندروں کے ابلنے اور آگ پکڑنے کے واقعات کا قرآن اور سائنس کی روشنی میں جائزہ لیں۔

سوال نمبر 9: کیا جدید سائنس حیات اخروی کے ثبوت پر کچھ توجیہات پیش کرتی ہے، بحث کریں۔

سوال نمبر 10: نزول قرآن کے وقت کے منکرین اسلام اور موجودہ دور کے ملحدین کے وقوع قیامت پر شبہات کا جائزہ اور رد اسلام اور سائنس کی روشنی میں پیش کریں۔

1(بحوالہ سلطان بشیر محمود: قیامت اور حیات بعد الموت: دار الحکمت، اسلام آباد، ص460تا461)

یونٹ نمبر: 07

سائنس کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی خدمات (1)

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

اسلاف کی تاریخ اور کارناموں سے واقفیت آنے والی نسلوں میں فخر واعتماد کے علاوہ مستقبل میں کچھ کر گزرنے کی امنگ پیدا کرتی ہے۔ مسلمانوں نے سائنس کے مختلف شعبوں میں جو اہم خدمات انجام دی ہیں، ان کا ایک مختصر جائزہ یہاں اس لئے پیش کیا گیا ہے تاکہ نئی نسل نہ صرف ان سے آگاہ ہو بلکہ وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح سائنس کے شعبے میں آگے بڑھے۔ یہ سچ ہے کہ

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے یہ سب پودا انہی کی لگائی ہوئی ہے

مسلمانوں نے طب، کیمیا اور طبیعات وہ شاندار کارنامے سرانجام دیئے جو رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔ علم طب کو ہی لے لیں، پیغمبر اسلام کے فرمان لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ[1] کہ ہر بیماری کے لئے علاج ہے اور آپ ﷺ کے سنہری قول مَا اَنْزَلَ اللہُ دَآءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَآءً[2] کہ اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کی شفا نہ اتاری ہو، کی روشنی میں مسلمانوں نے بہت سی بیماریوں کا علاج دریافت کیا، مثلاً غرناطہ کے طبیب ابن الخطیب نے مرض طاعون کے بارے میں جو کچھ دریافت کیا وہ آج بھی صحیح ہے، انھوں نے کہا کہ یہ ایک متعدی مرض ہے جو مریض کے ملبوسات، مستعمل زیورات سے پھیلتا ہے۔ مریض جو چیزیں استعمال کرتا ہے ان کو چھونے یا استعمال کرنے والے شخص میں بھی یہ جراثیم سرایت کر جاتے ہیں۔ اگر کسی گاؤں یا شہر کے ایک گھر میں بیماری پیدا ہو تو مریض کے ہمسایوں اور ملاقاتیوں وغیرہ سے یہ مرض دوسرے گھروں اور مقامات تک پہنچ سکتا ہے۔ ابن خطیب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مریض سے رابطہ رکھتا ہے تو طاعون فی الفور اس کو عارض ہو جاتا ہے اور اس میں بھی وہی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں، یہ ہدایات موجودہ کرونا وائرس اور دیگر متعدی امراض کے حوالے سے مشعل راہ ہیں۔

---

[1]۔ مسلم، ص933، حدیث: 5741

[2]۔ بخاری، ج4، ص16، حدیث : 5678

مسلمانوں نے سائنس کے مختلف شعبوں (جیسے علم طب، کیمیا، طبیعات اور حیاتیات) میں انتہائی اہم خدمات انجام دی ہیں، ان کا ایک مختصر جائزہ زیرِ نظر یونٹ میں پیش کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. علم طب میں مسلمان سائنسدانوں کے کارنامے بیان کر سکیں۔
2. علم طب میں مسلمان سائنسدانوں کی نئی اختراعات سے آگاہ ہو سکیں جو انہیں جدید سائنسدانوں سے ممتاز کرتی ہیں۔
3. علم جراحت، علم ادویہ، اور علم العلاج میں مسلمانوں کے امتیازات بیان کر سکیں۔
4. علم کیمیا کی تعریف کر سکیں نیز مسلمان سائنسدانوں کی کیمیا کے شعبہ میں خدمات بیان کر سکیں۔
5. علم طبیعات میں مسلمان سائنسدانوں کے انکشافات سے آگاہ ہو سکیں۔
6. مسلمان سائنسدانوں کی سائنس کے مختلف شعبوں میں اہم کتب کے بارے میں جان سکیں۔
7. حیاتیات کے شعبہ میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔

1-علم طب میں مسلمانوں کی خدمات

مسلمانوں نے علم طب میں بیش بہا تحقیقات کیں اور یونانی طب میں مزید اضافے کیے۔ طب میں ان اضافات واختراعات کی بنا پر اسے "طب اسلامی" کہا جانے لگا۔ طب اسلامی کی بنیاد پیغمبر اسلام ﷺ کے دور سے ہی ہوئی جب پیغمبر اسلام نے فرمایا لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ[1] کہ ہر بیماری کے لئے علاج ہے اور یہ بھی آپ ﷺ کا سنہری قول مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَآءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَآءً[2] کہ اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کی شفا نہ اتاری ہو۔ اس سے متعلقہ کئی فرامین نبوی ﷺ کی روشنی میں مسلمانوں نے علم طب میں نہ صرف نئی باتیں دریافت کیں بلکہ یونانی اطباء اور ان کے اقوال پر تنقید بھی کی اور ان میں سے بعض مفروضات کا بطلان بھی کیا۔ ذیل میں طب کے مختلف شعبوں میں مسلمان اطباء کی خدمات اور کارناموں کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

1.1-متعدی امراض سے متعلق

غرناطہ سے طبیب ابن الخطیب نے مرض طاعون کے بارے میں یہ دریافت کیا کہ یہ ایک متعدی مرض ہے جو مریض کے ملبوسات، مستعمل زیورات سے پھیلتا ہے۔ مریض جو چیزیں استعمال کرتا ہے ان کو چھونے یا استعمال کرنے والے شخص میں بھی یہ جراثیم سرایت کر جاتے ہیں۔ اگر کسی گاؤں یا شہر کے ایک گھر میں بیماری پیدا ہو تو مریض کے ہمسایوں اور ملاقاتیوں وغیرہ سے یہ مرض دوسرے گھروں اور مقامات تک پہنچ سکتا ہے۔

ابن خطیب کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مریض سے رابطہ رکھتا ہے تو طاعون فی الفور اس کو عارض ہو جاتا ہے اور اس میں بھی وہی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اگر مریض کے بلغم میں سے خون خارج ہو گا تو چھوت

---

[1]۔ مسلم، ص933، حدیث: 5741

[2]۔ بخاری، ج4، ص16، حدیث : 5678

میں مبتلا ہونے والے کی کیفیت بھی وہی ہو گی۔اسی طرح اگر پہلے مریض کے جسم میں گلٹیاں نمودار ہوں گی تو دوسرے مریض میں بھی یہی کیفیت ہو گی۔اس طرح تعدیہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ایک مریض دوسرے فرد کو مرض میں منتقل کرتا رہتا ہے۔

1.2-مرکب ادویہ سے متعلق

مرکب ادویہ کے بارے میں مسلمانوں نے کافی تحقیق کی۔اس ضمن میں ابو یوسف یعقوب ابن اسحاق الکندی (متوفی 866ء) نے نمایاں کام کیا۔اس کا کہنا ہے کہ مرکب ادویہ کی تیاری کے سلسلے میں قدمانے کوشش نہیں کی۔انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کون سی دوا کون سے درجہ حرارت یا برودت یا خشکی یا تری پر برقرار رہتی ہے۔اس نوعیت کا علم سادہ ادویات کی نسبت مرکب ادویات میں اور بھی زیادہ مفید ہو جاتا ہے۔اس نے ایک نظریہ پیش کیا جس کی رو سے وہ مریض پر دوا کے اثرات کے جائزہ کی اساس پر دوا کے اجزاء اور مشتملات کا ایک میزانیہ تیار کرتا ہے۔اس کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ مرکب ادویات کے خواص لازمی طور پر ان کی مشتملات کے خواص کے تغیر کی وجہ سے بڑھتے یا گھٹتے رہتے ہیں اور یہ کہ ان کے خواص کو ان کے مشتملات میں سے یوں کسی ایک کے برابر نہیں لایا جا سکتا جس سے دوسرے خواص کی نفی ہوتی ہے۔اس نظریہ کی تصدیق جوہری اصول سے کی جا سکتی ہے جس کے تحت کندی ایک آلے کی مدد سے خفیف ترین جز کو پیش کرتا ہے جو بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے ناقابل تقسیم ہوتا ہے۔اس میں جس قدر برودت ہو،اسی قدر حرارت ہونی چاہیے کیونکہ مجموعی لحاظ سے ایک ہیولیٰ ان ہی اجزاء پر مبنی ہوتا ہے۔

الکندی نے مرکب ادویات کی شدت کے درجات کو ان قوتوں کے کیفیاتی تغیرات کے ساتھ منظم انداز میں منسلک کیا جن کی وجہ سے انہوں نے جنم لیا۔اس نے ثابت کیا کہ اجزاء کی حرارت کا برودت سے 2:1 کا تناسب پہلے درجہ کی حرارت پیدا کرتا ہے۔4:1 کا تناسب دوسرے درجہ کی، 8:1 کا تناسب تیسرے درجہ کی اور 16:1 کا تناسب چوتھے درجے کی حرارت کا باعث بنتا ہے۔

1.3-جالینوس سے اختلاف

حکیم جالینوس کو طب میں سند تسلیم کیا جاتا ہے اور بعض لوگ اس کے نظریات کو حرف آخر سمجھتے ہیں لیکن بعض مسلمان اطباء نے جالینوس سے اختلاف کیا ہے۔ جالینوس سے اختلاف کرنے والوں میں ابو بکر محمد بن زکریا الرازی (متوفی 925ء) کا نام سر فہرست ہے۔ اس نے جالینوس کے بارے میں شکوک کا اظہار کرتے ہوئے ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ حکیم جالینوس نے بخار کی جن علامات کا ذکر کیا ہے، رازی ان پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بغداد کی ہسپتالوں میں میں نے بکثرت ایسے بخار بھی دیکھے جن کی علامات حکیم جالینوس کی بتائی ہوئی علامات سے ملتی تھیں اور ایسے بخار بھی دیکھنے کا موقع ملا جن کی علامات بالکل مختلف تھیں۔ یہ موخر الذکر بخار اول الذکر بخاروں کی تعداد میں لگ بھگ تھے۔

رازی کہتا ہے کہ جالینوس سے بے شمار طبّی نکات پر اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف کی ایک مثال جالینوس کا یہ قانون ہے جس کی رو سے ایک شے جو دوسری اشیاء کو ٹھنڈا یا گرم کرنے کی خاصیت رکھتی ہے، خود ان چیزوں سے ہمیشہ زیادہ ٹھنڈی یا زیادہ گرم ہو گی جن کو وہ ٹھنڈا یا گرم کرتی ہے۔ رازی کے نزدیک طب میں یہ قانون نہیں چلتا۔ تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی صورت میں ایک مشروب جو معمولی گرم ہو، اس قدر گرمی پیدا کر سکتا ہے، جو اس کی اپنی گرمی سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔ ایسی صورتوں میں وہ مشروب جسم انسانی کے اندر صلاحیت سے واقعیت کی طرف جانے کے اسباب فراہم کرتا ہے۔

1.4-نفسیاتی علاج سے متعلق

مسلمان اطباء نے مریضوں کے نفسیاتی علاج پر بھی کافی توجہ دی۔ ابوالحسن علی ابن عباس المجوسی (متوفی 994ء) نے نفسیاتی طریقہ علاج کی اہمیت اور نفسیات اور طب کے مابین پائے جانے والے تعلق کو واضح طور پر بیان کیا۔ اس نے جذباتی افعال کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ بیماری کا سبب بھی بن سکتے ہیں اور ان سے صحت بہتر بھی ہو سکتی ہے لیکن نتائج کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس قسم کے افعال کو کیسے کنٹرول کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق

جذباتی محبت کو اگر اظہار کا موقع نہ مل سکے تو بندہ مستقل مریض بن کر رہ جاتا ہے۔

1.5- شیخ بو علی سینا (متوفی 1038ء)

شیخ بو علی سینا (متوفی 1038ء) نے بھی نفسیاتی طریقہ علاج کو اپنایا۔ مثال کے طور پر اس نے امیر قابوس کے ایک بھانجے کا نفسیاتی علاج کیا جو مرض عشق میں مبتلا تھا۔ اس نے اس کی بیماری کی تشخیص مریض کی نبض کی حرکت سے کی۔ مریض کے سامنے جب اس کی محبوبہ کی گلی، والدین یا خود محبوبہ کا نام آتا تو نبض تیز ہو جاتی۔ آخرکار شیخ بو علی سینا نے بتادیا کہ مریض کی شادی اس کی محبوبہ سے کرادی جائے تو وہ تندرست ہو جائے گا ۔ شیخ بو علی سینا نے خاندان آل بویہ کے ایک شہزادہ کا بھی نفسیاتی علاج کیا جو مالیخولیا میں مبتلا ہو گیا تھا اور خود کو بیل سمجھتا تھا اور بیل ہی کی طرح ڈکارتا تھا، مریض نہ کچھ کھاتا پیتا تھا اور نہ ہی کوئی بات بتاتا تھا، صرف یہی کہتا تھا مجھے ذبح کرو، مجھے ذبح کرو۔ شیخ نے قصابوں کی طرح چھری پر چھری رگڑ کر اسے ذبح کرنے کا ڈرامہ رچایا اور کہا کہ یہ بیل تو بہت لاغر ہے۔ اسے پہلے کھلاؤ پلاؤ، جب فربہ ہو جائے گا تو ہم آکر ذبح کر دیں گے۔ اس کے بعد مریض وب کھانے پینے لگا اور دوائیاں بھی استعمال کرنے لگا۔ چند ہی دنوں میں وہ ٹھیک ہو گیا۔

1.6- علم الاعضاء انسانی

مسلمان اطباء نے انسانی جسم اور اس کے اعضاء سے متعلق مفید معلومات حاصل کیں۔ شیخ بو علی سینا نے اعضائے انسانی کو کافی وضاحت سے بیان کیا۔ اس نے انسانی جسم کے جملہ اعضاء اور نازک سے نازک حصوں کی مکمل تفصیل بیان کی اور ان اعضاء کے وظائف (functions) اور فوائد بھی بیان کیے۔

بعض مصنفین نے اعضائے انسانی کی تصاویر کو بھی اپنی کتابوں میں شامل کیا۔ اس علم کو بعضوں نے "تشریح الابدان" کا نام دیا اور اس پر کتابیں لکھیں۔ بو علی سینا نے پھیپھڑوں کے دورانِ خون پر بحث کی۔ ابن النفیس نے بھی دوران خون کا نظریہ پیش کیا۔

1.7- مجوسی (متوفی 994ء)

مجوسی (متوفی 994ء) وریدوں اور شریانوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ پتلی پتلی باریک نالیاں ہیں، جو تقسیم در تقسیم ہو کر سارے جسم میں بالوں کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ ان وریدوں اور شریانوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں، جو شریانوں اور وریدوں کے درمیان رابطے کا کام کرتے ہیں۔ مجوسی نے ریوی شریانوں اور شریان کبیر میں سے ہر ایک میں تین صمام (Valves) اور وریدی شریان میں دو صمام بیان کیے ہیں۔

1.8- خارشی جوں کا علاج

ابوالحسن احمد ابن محمد الطبری نے دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں سب سے پہلے خارشی جوں (SarcopesteScabiei) کا علاج دریافت کیا۔

1.9- علم الادویہ

مسلمانوں نے بے شمار جڑی بوٹیوں اور پودوں پر تحقیق کر کے ان کے خواص دریافت کیے اور انھیں بطور ادویہ استعمال کیا۔ انھوں نے بیج ارنڈ، تج، صندل، دار چینی، قرنفل، عود ہندی، سنا، بھنگ وغیرہ کو بطور ادویہ متعارف کرایا جب کہ یونانی اطباء ان دواؤں کے طبّی استعمال سے ناواقف تھے۔

علم الادویہ کے سلسلے میں مسلمان اطباء و مصنفین نے یونانی اور ہندی طب سے استفادہ کیا اور انھیں عربی زبان میں منتقل کر کے ان میں مزید اضافے کیے۔ بعض نے مفرد ادویہ کے خواص رقم کیے اور بعض نے مرکب ادویہ پر کتابیں لکھیں۔ اس سلسلے میں جو کتب مدون ہوئیں انہیں ''قرابادین'' کے نام سے موسوم کیا گیا، جسے جدید دور میں ''ارما کوپیا'' کہتے ہیں۔ بعض اطباء نے اپنی کتابوں میں سرسری طور پر علم الادویہ کا ایک آدھ باب دیا

اور بعض نے صرف علم الادویہ ہی پر کتابیں لکھیں۔ ان میں ابن البیطار المالقی[1] (م1248ء) کا نام قابل ذکر ہے۔ ابن البیطار نے جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ایشیائے کوچک اور شمالی افریقہ کے بہت سے علاقوں کا سفر کیا۔ اس نے متقدمین کی ہزاروں دواؤں کی فہرست میں مزید 30 سے 40 ناموں کا اضافہ کیا اور ہر ایک دوا یا جڑی بوٹی کا نام کئی کئی زبانوں میں درج کیا۔

1.10-علم الجراحت

مسلمانوں نے سرجری میں بھی کمال حاصل کیا اور اس فن کی باقاعدہ بنیاد رکھی۔ علم الجراحت میں نام پیدا کرنے والا پہلا مسلمان سرجن ابو القاسم خلف ابن عباس الزہراوی تھا، جس نے علم الجراحت پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "التصریف لمن عجزعن التالیف" ہے۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے سفارش کی کہ ٹوٹی ہوئی چپنی کی ہڈی کو عمل جراحت کے ذریعے نکال دیا جائے اور یہی وہ پہلا آدمی تھا جس نے عورتوں کے مثانے میں پتھری کے اخراج کے عمل کی وضاحت کی۔ وہ آنکھ کے ایسے ایسے نازک آپریشن کرتا تھا جن میں نوکدار فلٹری مچوں کی مدد سے پتھری کے اخراج کا طریقہ دریافت کیا۔ الزہراوی نے آپریشن میں استعمال ہونے والے اوزار مٹیاں وغیرہ اس کی ایجاد ہیں۔ آپریشن کے دوران شریانوں کا خون بند کرنے کے لیے وہ مختلف قسم کے دھاگے استعمال کرتا تھا۔ ہڈی کے ٹوٹنے کی صورت میں پٹی باندھنے اور پلستر چڑھانے کا طریقہ بھی اسی نے دریافت کیا۔ بعد میں الزہراوی کی کتاب (التصریف) کا لاطینی میں اور پھر انگریزی میں ترجمہ ہوا۔ اس طرح یہ کتاب یورپ میں متعارف ہوئی اور اہل یورپ صدیوں تک اس سے استفادہ کرتے رہے۔

1.11-علم العلاج

مسلمان اطباء نے علم العلاج میں بہت سی نئی چیزوں کو شامل کیا۔ وہ مفرد ادویات بھی استعمال کرتے

---

[1]۔ محمد ضیاء الدین عبداللہ بن احمد بن البیطار المالقی الاندلسی

رہے اور مرکب ادویہ سے بھی علاج کرتے رہے، علم الادویہ پر مسلمان طبیبوں کی لکھی ہوئی بے شمار کتابیں ملتی ہیں۔ بعض افراد نے عام بیماریوں کے علاج پر کتابیں لکھیں اور بعض نے امراض مخصوصہ پر توجہ دی، بعض مصنفین نے سر سے لے کر پاؤں تک کی تمام بیماریوں کا علاج تجویز کیا۔ اس ضمن میں طریقہ کار یہ تھا کہ پہلے بیماری کا نام لکھا جاتا تھا اور پھر اس کی علامات درج کی جاتیں۔ بعد میں ہر علامت کے تحت اس بیماری کے علاج کے لیے نسخہ جات تجویز کیے جاتے تھے۔

علم العلاج سے متعلق لکھی جانے والی کتابوں میں شیخ بو علی سینا کی کتاب "القانون" سر فہرست ہے۔ اس کتاب کے چند ابواب علم العلاج کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ فصل سوم میں سر سے پاؤں کے انگوٹھے تک کی بیماریوں کی علامت اور ان کے علاج پر بحث کی گئی ہے۔ یہ فصل دماغ کی بیماریوں سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد اعصاب، آنکھ اور کان کی بیماریوں کا ذکر ہے اور آخر میں جوڑوں کے درد، عرق النساء اور ناخنوں کی بیماریوں کا بیان یا گیا ہے، فصل چہارم میں ان بیماریوں کا ذکر کیا گیا ہے جو چند مخصوص اعضاء تک محدود نہیں رہتیں۔ اس فصل میں مختلف قسم کے بخاروں کی تفصیل، ان کی جماعت بندی، ان کی اقسام اور علامات دی گئی ہیں نیز وہ تمام اصول بیان کیے گئے ہیں جو علاج اور تشخیص کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھوڑے پھنسیوں، آبلوں، مسوں، گومڑوں، دنبل اور زخموں کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ پھر مختلف زہروں اور زہریلے جانداروں کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ بچوں کے جسمانی نقائص کا علاج بھی تجویز کیا گیا ہے۔ اس فصل کے آخر میں بالوں کی بیماریوں اور فربہی و لاغری کا مطالعہ اور علاج بھی شامل ہے۔

علی بن سہل ابن طبری جو زکریا رازی کا استاد تھا، نے بھی علم العلاج پر ایک کتاب لکھی۔ وہ کافی عرصہ سرکاری شفاخانوں میں کام کرتا رہا۔ ملازمت کے دوران اس نے جن مریضوں کو دیکھا ان کے حالات و کوائف اور ان کی بیماری کی تشخیص وغیرہ سے متعلق تجربات اپنی ڈائری میں درج کر لیئے اور بعد میں اس نے انہی تجربات و نتائج کو ''فردوس الحکمت'' کے نام سے مرتب کیا۔ یہ کتاب کافی عرصہ تک داخل نصاب رہی۔

زکریا رازی بھی کافی عرصہ سرکاری شفاخانوں سے منسلک رہا۔ شفاخانے میں آنے والے مریضوں میں سے پہلے ایک ایک مریض کو طبیبوں کی ایک جماعت دیکھتی تھی۔ پیچیدہ اور خطرناک امراض میں مبتلا مریضوں کو الگ کر دیا جاتا تھا اور ان کو رازی کے پاس بھیج دیا جاتا تھا۔ رازی ان کے لیے نسخے تجویز کرتا اور ان کے علاج کی خود نگرانی کرتا تھا۔ وہ بڑی توجہ سے ادویات کے اثرات کو دیکھتا تھا اور ہر قسم کی تبدیلیوں کو قلمبند کرتا جاتا تھا۔ بعد میں اس نے ان تجربات کو اپنی کتابوں میں درج کیا۔

بعض مسلمان طبیبوں نے چیچک اور خسرہ جیسے موذی امراض پر تحقیق کی اور ان کا کامیاب علاج کیا۔ ان موضوعات پر تحقیق کرنے والے اطباء اور مصنفین میں ابو بکر زکریا رازی اور ثابت بن قرہ کے نام سر فہرست ہیں۔ رازی کی کتاب شاید اس موضوع پر دنیا کی پہلی کتاب ہے۔ اسی زمانہ میں ثابت ابن قرہ (متوفی 901ء) نے چیچک اور خسرہ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "**كتاب الجدرى و الحصبه**" تھا۔

1.12-طبّی کتب

مسلمان اطباء میں سے زیادہ تر اطباء علم طب کے مختلف موضوعات پر کتابیں بھی لکھتے رہے۔ طب پر کتابیں لکھنے کا سلسلہ پہلے یونانی طب کے تراجم سے شروع ہوا اور بقراط، جالینوس کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ ان کے علاوہ فیفریوس، بیاسیوس، افلاطون، ادارس، الحمسی، مورفوس اور اسکندروس وغیرہ کی طبّی کتابوں کے تراجم بھی کیے گئے۔ بعد ازاں مسلمان اطباء نے اپنے طبّی تجربات کی بنا پر کتابیں لکھنا شروع کیں۔ ابتدائی مصنفین یونانی اطباء سے کافی استفادہ کرتے رہے۔ بعض نے یونانی اطباء کے طبّی نظریات اور طریق علاج پر تنقید بھی کی اور بعض نے کچھ مسائل میں یونانی اطباء سے اختلاف بھی کیا۔ مسلمان مصنفین کی طبّی موضوعات پر لکھی گئی چند کتابوں کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

1) فردوس الحکمۃ، ابوالحسن علی ابن سہل الطبری (متوفی 861ء)
2) الذخیرہ فی علم الطب، ثابت بن قرہ (901ء)
3) کتاب فی العلم العین (آنکھ کی بیماریاں) ثابت بن قرہ

4) رسالۃ فی البیاض الذی یظھر فی البدن (برص) ،ثابت بن قرہ

5) الحادی،ابوزکریارازی(متوفی 935ء)

6) کتاب البرہان،زکریارازی

7) کتاب الطب روحانی،زکریارازی

8) منصوری،زکریارازی

9) التصریف عن عجز عن التالیف،ابوالقاسم الزہراوی(دسویں صدی عیسوی)

10) کتاب القانون،اب سینا(متوفی 1037ء)

11) کتاب الادویہ القلبیہ،ابن سینا

12) الاغذیہ والادویہ،ابن سینا

13) البول،ابن سینا

14) الصیدلہ فی الطب،ابوریحان البیرونی(متوفی 1050ء)

15) الکلیات،ابن رشد(متوفی 1222ء)

16) الاسباب والعلامات،ابوحامد محمد سمرقندی(متوفی 1222ء)[1]

---

[1] (مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تنویر بخاری: اسلام اور سائنس،ایورنیو بک پیلس،اردو بازار لاہور، ص198-205، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق،اردو سائنس بورڈ لاہور،1999، ص50۔88، ،ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی : دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج، نشریات،لاہور 2007، ص108۔204۔)

2- علم کیمیا میں مسلمانوں کی خدمات

علم کیمیا کی پرانے وقتوں میں بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں، جیسے دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا علم، یا ایسی دوا معلوم کرنے کا علم جو تمام امراض کے لئے اکسیری دوا ہے، وغیرہ، لیکن جدید دور میں اسے کیمسٹری (Chemistry) کہا جاتا ہے جو مادہ کے خواص جاننے کا علم ہے۔

Chemistry is a branch of science which deals with the elements and how they combine with each others.

علم کیمیا میں یونانیوں کے بعد مسلمانوں کی خدمات بے مثال ہیں۔

2.1- خالد بن یزید

مسلمانوں میں علم کیمیا سے متعلق دلچسپی رکھنے والے پہلے شخص کا نام خالد بن یزید بتایا جاتا ہے۔ بقول مولانا شبلی نعمانی، امیر معاویہ کا پوتا خالد جو اسلامی علوم و فنون میں یکتا تھا، اس نے فن طب اور کیمیا میں کمال پیدا کرنا چاہا اور چونکہ اس وقت علمی لحاظ سے اس فن کے ماہر عیسائی اور یہودی تھے اس لیے خالد کو عیسائی طبیبوں کی شاگردی کرنا پڑی۔ ایک یونانی راہب سے جس کا نام مریانس تھا، سے علم کیمیا سیکھا اور خود اس فن میں تین مختصر کتابیں لکھیں۔

خالد بن یزید کا سن وفات 704ء (85) بتایا جاتا ہے۔ "فردوس الحکمۃ" نامی کتاب اس کے نام منسوب کی جاتی ہے۔

2.2- جابر بن حیان

جابر بن حیان جو 776ء میں بقید حیات تھا، کیمیا کے میدان میں قابل قدر کام کیا۔ اس کے زمانے میں کیمیا سے مراد "سونا بنانا" تھا۔ اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اکسیر (Elixir) کے اجزاء صرف معدنی نہیں بلکہ

ان میں کچھ نباتاتی اور حیواناتی اجزاء بھی شامل ہیں اس نے دریافت کیا کہ معدنی، نباتاتی اور حیوانی شعبوں سے کچھ اشیاء منتخب کر کے انھیں باہم ملایا جائے تو اس آمیزہ سے قدرتی اجسام کے بنیادی خواص کسی خاص مقصد کے لیے ظاہر کیے جا سکتے ہیں۔ اشیاء کی آمیزہ میں شامل مقداروں کے لیے اس نے "میزان" کی اصطلاح وضع کی۔ یہ اصطلاح اس کے نظریات کے بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی اس سے مراد "میزان الحروف" ہے۔ اس کا تعلق عربی حروف تہجی کے اٹھائیس حروف کے روابط سے ہے۔ یہ تعداد چار کے سات کے ساتھ حاصل ضرب (7x4=28) کے برابر ہے، جو چار بنیادی صفات یعنی، گرم، سرد، مرطوب اور خشک کے ساتھ ہیں۔

جابر نے کم قیمت دھاتوں کو قیمتی دھاتوں میں بدلنے اور سونا بنانے پر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے نئے نئے تجربات و مشاہدات سے جو نتائج اخذ کیے، ان سے کیمیا کا موضوع بدل گیا اور اس کی دریافتیں آنے والی نسلوں کے لیے مفید ثابت ہوئیں اور کیمسٹری کا علم معرض وجود میں آیا۔ اس نے عمل کشید، عمل تقطیر، عمل تصعید، قلماؤ کے ذریعے قلمیں بنانے کے طریقے دریافت کیے جن کی بنا پر اسے تجرباتی کیمیا کا بانی کہا جاتا ہے۔

جابر بن حیان نے دھاتوں سے متعلق یہ نظریہ قائم کیا کہ تمام دھاتیں گندھک اور پارے سے بنی ہیں۔ جب دونوں اشیاء بالکل خالص حالت میں کیمیائی طور پر ملتی ہیں تو دیگر کثافتوں کی موجودگی اور ان کی مقدار کی کمی بیشی سے دوسری دھاتیں سونا، چاندی، سیسہ، تانبا، لوہا وغیرہ ظہور میں آتی ہیں۔ اس نے کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کی کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ گندھک اور پارے کو ملا کر سونا بنانے کی کوشش بعض نامعلوم وجوہ سے عملی طور پر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

مڑے کو رنگنے، موم جامہ بنانے، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لیے اس پر وارنش کرنے، بالوں کو سیاہ کرنے کے نسخے دریافت کیے اور سفیدہ (Lead Carlonate)، سنکھیا (Arsenic) اور نکل (Antimony) کو ان کے سلفائیڈ سے حاصل کرنے کے طریقے بھی معلوم کیے۔ وہ سٹرک ایسڈ، ایسٹک ایسڈ یعنی سرکہ اور ٹارٹرک ایسڈ جیسے نباتاتی تیزابوں سے بخوبی آگاہ تھا۔

آلات کیمیا میں قرع انبیق، جس سے کشید کرنے، عرق کھینچنے اور جوہر نکالنے کا کام لیا جاتا ہے، جابر بن حیان کی ایجاد ہے۔ یہ آلہ دو الگ الگ برتنوں پر مشتمل تھا، جن میں سے ایک کو "قرع" اور دوسرے کو "انبیق" کا نام دیا گیا۔ اس نے اسی قرع انبیق کی مدد سے شورے کا تیزاب تیار کیا۔ شورے کا تیزاب بنانے کے لیے اس نے گندھک کو براہ راست استعمال نہیں کیا بلکہ اس مقصد کے لیے اس نے عام دستیاب ہونے والی تین چیزوں یعنی پھٹکڑی، ہیرا کسیس اور قلمی شورے سے کام لیا۔ اس کے بعد اس نے قرع انبیق کے اسی طریقے سے پھٹکڑی اور ہیرا کسیس کو حرارت پہنچا کر ایک اور مائع حاصل کیا، جس کا نام اس نے "ہیرا کسیس" کا تیل رکھا۔ موجودہ زمانے میں اس کو گندھک کا تیزاب یا سلفیورک ایسڈ کہا جاتا ہے۔ ایک اور تجربے میں اس نے پھٹکڑی، ہیرا کسیس اور قلمی شورے میں ایک چوتھی چیز یعنی نوشادر کا اضافہ کر دیا اور قرع انبیق کی مدد سے ایک تیزاب تیار کیا اور اس کا نام "ماء الملوک" رکھا۔ موجودہ زمانے میں اس کو "Aqua Regia" کہتے ہیں۔ جدید تحقیقات کے مطابق جابر کا "ماء الملوک" شورے کا تیزاب اور نمک کے تیزاب کا ایک آمیزہ ہے۔

2.3-یعقوب بن اسحاق الکندی

یعقوب بن اسحاق الکندی (متوفی 866ء) نے جابر بن حیان اور دوسرے کیمیادانوں کے اس نظریے کی تردید کی کہ کسی کیمیائی عمل سے کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کیمیا گری "مہوسی" کو ایک باطل علم اور کیمیا گروں کو شعبدہ باز قرار دیا۔ اس نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ کسی کیمیائی تبدیلی سے پارے یا تانبے وغیرہ کو سونے میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور جو مہوس اس کا دعویٰ کرتے ہیں وہ محض شعبدہ باز ہوتے ہیں۔

2.4-ابو بکر محمد بن زکریا رازی

(متوفی 935ء) جابر بن حیان کے بعد اسلامی دنیا کا دوسرا بڑا کیمیادان تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے علم کیمیا پر تقریباً اسی کتابیں لکھیں اور ان آلات کی بھی تشریح کی جو کیمیا میں استعمال ہوتے ہیں۔ رازی کے عہد تک

عام کیمیا گرمادوں کو جسم، روح اور جوہر میں تقسیم کرتے تھے جو سائنسی نقطہ نظر سے ایک غلط اور فرضی تقسیم تھی۔ لیکن رازی نے مختلف اشیاء کی درجہ بندی کی اور کیمیا اور نامیاتی کیمیا کی ترقی کا راستہ کھل گیا۔ اس نے بہت سی اشیاء کا وزن مخصوص معلوم کیا اور اس مقصد کے لیے ایک ترازو ایجاد کیا جس کا نام اس نے ''میزان طبعی'' رکھا۔ اس ترازو کو موجودہ زمانے میں ''ماسکوئی ترازو'' (Hydrostatic Balance) کہا جاتا ہے۔

2.5- الحمدانی

ابو محمد الحسن احمد ابن الحمدانی (متوفی 951ء) بھی علم کیمیا میں دلچسپی رکھتا تھا لیکن وہ کیمیا گروں کے کمتر دھاتوں کو سونے چاندی میں تبدیل کرنے کے نظریے اور فارمولا پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ سونا، سونے کی کچی دھات اور چاندی، چاندی کی کچ دھات سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ کسی اور دھات سے اخذ نہیں کیے جا سکتے۔

2.6- المجریطی

ابوالقاسم مسلمہ ابن احمد المجریطی (متوفی 1007ء) نے کیمیا گری پر ایک کتاب بعنوان ''رتبۃالحکیم'' تحریر کی، جس میں قیمتی دھاتوں کے فارمولے اور انھیں خاص حالت میں حاصل کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس میں مرکیورک ایسڈ کی مقداری بنیادوں پر تیاری کا طریقہ بھی درج کیا گیا ہے۔ جب تیرہویں صدی میں اسپین کی اسلامی حکومت پر زوال آیا اور اس ملک کا ایک بڑا حصہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا تو اسپین کے اس علاقے کے عیسائی بادشاہ نے مجریطی کی کیمیائی کتاب "**غاية الحكيم**" کا لاطینی ترجمہ 1250ء میں کروایا۔ کتاب کے موضوع کے بارے میں بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ کتاب علم کائنات، نجومی عملیات اور باطنی علوم کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب میں گیارھویں صدی عیسوی میں اسلام میں داخل کیے گئے توہمات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

2.7- ابنِ سینا

ابو علی الحسینی المعروف ابن سینا (متوفی 1037ء) بھی علم کیمیا میں کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ پارہ، تانبہ، چاندی یا کسی اور دھات کو کیمیاوی عمل سے سونے میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ ایسا دعویٰ کرتے ہیں وہ جھوٹے اور شعبدہ باز ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تدبیر یا محنت سے کوئی ایسی چیز بنا لیں جس پر سونے کا گمان ہو، لیکن یہ چیز اصل سونا نہیں ہوتی۔

ابن سینا نے علم الکیمیا کی فلسفانہ اور سائنسی بنیادوں کا گہرا مطالعہ کیا اور اس ضمن میں بعض تجربات بھی کیے اور اس نظریہ کو پس پشت ڈال دیا کہ پارے وغیرہ کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

2.8- الخازنی

ابو الفتح عبد الرحمان الخازنی (بارھویں صدی عیسوی) نے کیمیا میں استعمال ہونے والے آلات کے ضمن میں ایک ترازو بنایا جو "**المیزان الجامع**" اور "**میزان الحکمة**" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس ترازو کے ذریعے خالص دھاتوں اور ناخالص دھاتوں کے درمیان حقیقی اور مصنوعی جواہر کے مابین امتیاز کیا جا سکتا تھا۔ اس موضوع پر اس نے ایک کتاب بعنوان ''میزن الحکمت'' تحریر کی۔

2.9- محمد بن عبد الملک الصالحہ

ابو الحکیم محمد بن عبد المالک الصالحہ الخوارزمی (متوفی 1034ء) نے الکیمیا کے سلسلہ میں قابل قدر کام کیا اور اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "**عین الصنعته و عون الضاع**" تھا۔

2.10- مویدالدین الطغرائی

(متوفی 1122ء) نے کیمیا پر ایک لکھی جس کا نام "**الجوہر المنیر فی صنعته الاکسیر**" تھا

2.11- ابوالقاسم محمد بن احمد العراقی

(متوفی1300ء) نے کیمیاپر "المکتسب فی زراعته الذهب" نامی کتاب تحریر کی۔[1]

3- طبیعات میں مسلمانوں کی خدمات

مسلمانوں نے علم طبیعات میں دنیا کو نئی نئی باتوں سے روشناس کرایااور سائنسی میدان میں ارتقائی منازل طے کیں۔ انھوں نے طبیعات کے مختلف شعبوں میں مثلاً میکانیات، روشنی، ایٹم، مادہ، مقناطیسیت اور سیارگان وغیرہ سے متعلقہ معلومات فراہم کرنے میں پیش رفت کی۔ ابتدائی طور پر یونانی مصنفین کی کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔ پھر مسلمانوں نے خود بھی سائنسی علوم پر غوروخوض کرنا شروع کیااور رفتہ رفتہ ان میں ایسے سائنس دان پیدا ہو گئے جن میں بعض علم طبیعات کے ماہر تھے۔ آئندہ سطور میں آپ طبیعات کے مختلف شعبوں سے متعلق مسلمان سائنسدانوں کا مطالعہ کریں گے۔

3.1- روشنی

روشنی علم طبیعات کی ایک اہم شاخ ہے۔ اس شعبہ میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ سب سے پہلے ابو یوسف ابن اسحاق الکندی نے "بصریات" پر دو کتابیں لکھیں جن میں روشنی اور نظر کو موضوع بحث بنایا گیا تھا۔ اس کی کتابوں سے آئندہ آنے والی نسلوں نے کافی استفادہ کیااور مغربی مصنفین مثلاً روجر بیکن وغیرہ نے بھی ان کتابوں سے بہت کچھ اخذ کیا۔

سائنسی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں ابن الہیثم طبیعات دانوں کا پیش رو ہے۔ اس کی کتاب "المناظر" طبیعات کی مشہور شاخ "روشنی" پر دنیا کی پہلی جامع کتاب ہے۔ اس کا اہم ترین

---

[1](مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص209-217، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ص291-306)

باب وہ ہے جس میں آنکھ کے مختلف حصوں کی تشریح کی گئی ہے اور یہ تشریح دور حاضر کی بصریاتی تحقیق سے مطابقت رکھتی ہے۔

3.2- ابن الہیثم کے نظریات

ذیل میں ہم "اردو سائنس بورڈ" کی مطبوعہ کتاب "معروف مسلم سائنس دان" کے حوالہ سے ابن الہیثم کے روشنی سے متعلق نظریات بیان کرنے جارہے ہیں۔

ابن الہیثم کے رائے میں خود روشن اجسام میں ایک صورت ذاتیہ ہے جب کہ ان اجسام میں یہ صورت عارضہ ہے جو خارجی منابع سے آنے والی روشنی سے روشن ہوتے ہیں۔ شفاف ہونا بھی ایک صورت ذاتیہ ہے۔ جس کے باعث ہوا اور پانی جیسی شفاف چیزیں نور کے گزر جانے کا باعث ہوتی ہیں۔ پتھر کی طرح کا ایک غیر شفاف جسم اپنے اوپر پڑنے والے نور کو قبول کرنے اور اپنا لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس طرح وہ خود بھی ایک روشن طبع نور کا کام دیتا ہے۔ اس کا نور صورت عارضیہ ہے کیونکہ یہ اسی وقت تک اس کے پاس رہتا ہے جب تک اس پر خارج سے شعاعیں پڑتی رہیں۔ کامل طور پر شفاف کوئی چیز نہیں ہے۔ بے شفاف جسم کے اندر ایک درجہ ناشفافی کا ہوتا ہے، جس کے سبب سے اس میں بھی عارضی نور جسم کے ملحق ہو جاتا ہے۔

وہ نور جو ایک خود منور جسم سے نکلتا ہے "نور اول" کہلاتا ہے جب کہ عارضی نور سے پیدا ہونے والا "نور ثانی" ہے۔ نور اول ہو یا نور ثانی اس کے منابع سے نکلنے کا طریقہ ایک ہی جیسا ہوتا ہے اور وہ ہر نقطہ سے تمام سمتوں میں خطوط مستقیم میں پھیلتا ہے۔ نور کی ان دونوں قسموں میں فرق صرف شدت کا ہوتا ہے۔ یعنی منبع اول سے نکلنے والے نور کی نسبت عارضی نور کمزور اور نور ثانی کمزور تر ہوتا ہے۔ اشعار کے عمل سے نور جتنا زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے اتنا ہی کمزور ہو جاتا ہے۔ شفاف اجسام کے ضمن میں عارضی طور پر ثابت اور متحرک نور میں امتیاز کیا نانچہ سورج سے روشن ہو یا کسی روشن غیر شفاف جسم کی سطح کے ہر ذرے پر سے نور ثانی جو سورج سے بلاواسطہ طور پر اس ذرے پر پڑنے والے نور سے کمزور تر ہوتا ہے، ایک روشن کرہ کی طرز پر تمام سمتوں میں روشنی خط مستقیم میں خارج کرتا ہے۔

نور کے انتشار کی دو اور صورتیں ہیں۔ ایک ہموار اجسام سے انعکاس اور دوسری ایک شفاف جسم سے دوسرے شفاف جسم میں داخل ہوتے وقت انعطاف۔ ایک ہموار سطح پر جب روشنی ڈالی جائے تو وہ ایک خود روشن چیز کی مانند عمل نہیں کرتی، بلکہ وہ پڑنے والی روشنی کو متعین سمتوں میں واپس بھیج دیتی ہے۔

ابن الہیثم کا کہنا ہے روشنی کی یہ صفت ہے کہ وہ نور اول ہو یا نور ثانی، منعکس ہو یا منعطف، اس کا اشعاع ہمیشہ خط مستقیم میں ہوتا ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ جب نور کسی شفاف جسم میں سے گزرتا ہے تو وہ جسم درجہ درجہ لطیف تر ہوتا جاتا ہے اور ایسا تقسیم کے عمل سے ہوتا ہے۔ یہ عمل گویا اسی طرح کا ہوا جیسے کسی سوراخ کو جس میں سے روشنی گزر رہی ہو تنگ کر دیا جائے۔ ابن الہیثم کا خیال ہے کہ اس تقسیم کے عمل میں ایک حد ایسی آ جائے گی جس کے بعد مزید تقسیم ممکن نہ ہو گی، لہذا روشنی ختم ہو جائے گی۔

ابن الہیثم نے ان اشیاء کو جن پر روشنی پڑتی ہے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی شفاف، نیم شفاف اور غیر شفاف۔ شفاف وہ ہے جس میں سے روشنی باآسانی گزر جائے اور اس میں سے دوسری طرف اشیاء بخوبی نظر آنے لگیں۔ جیسے ہوا، پانی اور شیشہ۔ نیم شفاف وہ جسم ہے جس میں سے کچھ روشنی گزر جائے اور کچھ رک جائے مثلاً پتلا کپڑا۔ موجودہ دور میں اس کی مثال رگڑ ہوا شیشہ ہے جسے گراؤنڈ گلاس کہتے ہیں۔ غیر شفاف وہ ہے جس میں سے روشنی بالکل نہ گزر سکے اور دوسری طرف کا کوئی جسم اس میں سے بالکل نظر نہ آئے۔

ابن الہیثم کا کہنا ہے کہ اگر کسی منور جسم سے آنے والی شعاعوں کو ایک باریک چھید میں سے گزرنے دیا جائے تو اس کی دوسری طرف رکھے ہوئے پردے پر اس منور جسم کا ایک الٹا عکس نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی اصول پر اس نے ایک کیمرہ ایجاد کیا جسے اس نے (Pinhole Camera) کا نام دیا۔

ابن الہیثم نے یونانی سائنس دانوں کے اس نظریہ کی تردید کی کہ جب کسی اندھیرے کمرے میں چراغ روشن کیا جاتا ہے تو آنکھ میں سے نظر کی کرنیں نکلتی ہیں۔ یہ کرنیں جس شے پر پڑتی ہیں وہ شے آنکھ نظر آ جاتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ روشنی کی موجودگی میں آنکھ سے کسی قسم کی " نظر کی کرنیں " باہر نہیں نکلتیں اور نہ ہی ایسی کرنوں کا کوئی وجود ہے بلکہ جب روشنی کسی جسم پر پڑتی ہے تو روشنی کی کچھ شعاعیں اس جسم کی مختلف سطحوں سے

پلٹ کر فضا میں پھیل جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض شعاعیں دیکھنے والے کی آنکھ میں داخل ہو جاتی ہیں جن کے باعث وہ شے آنکھ کو نظر آنے لگتی ہے۔

ابن الہیثم نے روشنی کے انعکاس کے مندرجہ ذیل دو قانون دریافت کیے جو موجودہ زمانے میں بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔

1) شعاع واقع (Incidenty Ray) عمودی خط (Normal) اور شعاع منعکس (Reflected Rag) تینوں ایک سطح میں پائے جاتے ہیں۔

2) زاویہ وقوع (Angle Incidence) اور زاویہ انعکاس (Angle of Reflection) آپس میں برابر ہوتے ہیں۔

ابن الہیثم نے دریافت کیا کہ جب روشنی کی شعاع ایک واسطے (Medium) مثلاً ہوا میں سے ایک د وسرے واسطے مثلاً پانی میں داخل ہوتی ہے تو وہ اپنے راستے سے ایک طرف کو پھر جاتی ہے۔

ان کے علاوہ دیگر بہت سے قوانین دریافت کئے جو آج بھی صحیح مانے جاتے ہیں۔

3.3- بو علی سینا (م 1037)

بو علی سینا (م 1037) کے نزدیک علم طبیعات حکمت نظری ہے اور اس کا موضوع موجودات اور موہومات ہیں۔ اس میں اجسام، ان کی حرکت اور سکون کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور طبعی اجسام کے لاحقات یہ ہیں:

حرکت اتصال، اتصال، قوت خلاء، نور اور حرارت وغیرہ۔ اس نے ان موضوعات کا ماہرانہ مطالعہ کیا اور بعض نئی باتیں دریافت کیں۔ "روشنی" کے ضمن میں بو علی سینا نے بتایا کہ روشنی کی رفتار خواہ کتنی بھی ہو ہمیشہ محدود رہتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ روشنی ایسے ذروں پر مشتمل ہوتی ہے جو نور افشاں جسم سے نکلتے ہیں اور اس وجہ سے روشنی کی ایک واضح رفتار ہوتی ہے۔

قدرتی اجسام (مادہ):

قدرتی اجسام کا مطالعہ طبیعات کا ایک اہم موضوع ہے۔ اس ضمن میں جن مسلمان سائنس دانوں نے قابل قدر کام کیا ہے ان میں ابن سینا کا نام نمایاں ہے۔ ابن سینا کے نزدیک جسم ایک مادی شے پر مشتمل ہے اور اس کے لیے ایک محل اور صورت کا کام دیتا ہے جس میں وہ مادی شے مرتکز ہوتی ہے اور صورت کا تعلق ٹھیک وہی ہے جو کانسی اور اس سے بنے ہوئے ایک مجسمہ میں ہوتا ہے۔

ابن سینا کے نزدیک تمام اجسام کی مشترک خصوصیت یہ ہے کہ صور کے لحاظ سے وہ ابعاد ثلاثہ کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ ابعاد جسم میں حقیقی وجود نہیں رکھتیں جب کہ فرض کی جاتی ہیں۔ اس لیے یہ مادہ کی ترکیب میں داخل نہیں ہوتیں اور اس کی تعریف کا حصہ نہیں بنتیں۔ اس کا نظریہ ہے کہ مادہ صورت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، وہ ایک ذات ہوتا ہے اور ہر ممکن صورت اختیار کر سکتا ہے۔

قدرتی اجسام میں قویٰ کا ذکر کرتے ہوئے ابن سینا بتاتا ہے کہ قدرتی اجسام میں جو قویٰ ودیعت کی گئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں:

1) پہلی قسم کے قویٰ پورے اجسام میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہیں اور یہ اجسام کی کمالیت صورتوں، فطری مقامات اور افعال میں محفوظ ہوتی ہیں۔ اگر اجسام کو ان کے فطری مقامات سے ہٹا دیا جائے یا وہ اپنی صورتوں اور فطری شکلوں کو کھو بیٹھیں تو یہ قویٰ ان اجسام کو واپس پہلی حالت میں لانے کا باعث بنتی ہیں اور اسی حالت میں رکھتی ہیں۔ ان قویٰ کو فطری قویٰ کہا جاتا ہے اور یہ اجسام کی داخلی حرکات اور ان کی حالت سکون کا داخلی اصول ہیں۔ کوئی قدرتی جسم ان کے بغیر نہیں ہے۔

2) دوسری قسم کے قویٰ اجسام پر اعضاء و آلات کے ذریعے عمل کرتی ہیں تاکہ ان کو حرکت ہو یا وہ اپنی حالت سکون میں رہیں اور اپنے جوہر خاص کو محفوظ رکھیں۔ ان میں بعض قویٰ مستقل اور بعض غیر مستقل طور پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مستقل کی مثال نباتات اور بعض غیر مستقل کی مثال حیوانات ہیں،

بعض قویٰ ایسے بھی ہیں جو غور و فکر اور تحقیق و جستجو کے ذریعے اشیاء کی ماہیت کو سمجھ لیتی ہیں۔ ان کی مثال روح انسانی میں ملتی ہے۔

3) تیسری قسم کی قویٰ یہی نتیجہ آلات کے استعمال کے بغیر محض ایک ایسے ارادے سے حاصل کر لیتی ہیں، جو ایک خاص سمت پر متعین ہوتا ہے۔ ان کی مثال روح ملکوتی میں ملتی ہے۔

ابن سینا کا کہنا ہے کہ قدرتی اجسام بعض صفات سے متصف ہوتے ہیں مثلاً حرکت، سکون، زمان، خلاء، محدودیت، اتصال، تسلسل اور تواتر۔

3.4۔ حرکت

علم الطبیعات کا ایک اہم موضوع ہے، اس ضمن میں مسلمان سائنس دانوں نے کافی کام کیا ہے۔ اس ضمن میں نئی نئی باتیں دریافت کرنے والوں میں ابن سینا کا نام نمایاں ہے۔ ابن سینا کے نزدیک حرکت ایک پائیدار اور کامل صفت نہیں بلکہ حرکت کسی چیز کا ایک فعل ہے جو اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک یہ بالقوۃ ہو۔ یہ کم و بیش ہو سکتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حرکت اشیاء میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اشیاء کی تخلیق ایک لحاتی عمل ہے جو حرکت کا مرہون منت نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ حرکت کا وجود مقدار میں ہوتا ہے جس کا اظہار اس کی کمی بیشی سے ہوتا ہے اور وہ تحفیف و افزائش اور تلطیف و تکثیف کا ذریعہ بنتی ہے۔ ان تبدیلیوں کے واقع ہونے کے دوران جسم کا تسلسل قائم رہتا ہے۔ بقول ابن سینا حرکت کا وجود ماہیت میں بھی پایا جاتا ہے اور داخلی طور پر مکان اور وضع میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کسی جسم کے اندر حرکت کے وجود کا ایک خارجی سبب ہوتا ہے، داخلی طور پر خود جسم سے حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ تحریک کے لیے محرک کی طرف نسبت ضروری ہوتی ہے۔ سبب جسم کے اندر بھی ہو سکتا ہے اور باہر بھی۔ اس کے نزدیک حرکت ایک ایسی خصوصیت ہے جس کو ایک متحرک جسم سے بغیر اس جسم کو بگاڑے جدا کیا جانا ممکن ہے۔ اس لیے متحرک ہونا ایک متحرک جسم کی فطرت کا تقاضا نہیں ہے لہٰذا جب ایک جسم حرکت میں ہوتا ہے تو یہ اس کی فطری حالت نہیں ہوتی بلکہ یا تو وہ اپنی فطرت

حالت کی طرف لوٹنا چاہتا ہے یا حالت سکون کی طرف آنا چاہتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ ایک جسم جو اپنے فطری مقام پر نہیں ہوتا وہ خط مستقیم میں حرکت کرتا ہے کیونکہ وہ اپنی طبیعت کے میلان کے باعث مختصر ترین راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔

ابوالبرکات بغدادی (متوفی 1651ء) نے بھی اشیائے متحرکہ کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے پیشرو ابن سینا کی طرح اس نظریہ کی تائید کی کہ حرکت کی علت اشیاء کا شدید میلان ہے۔اس قوت کو بعد میں قوت محرکہ (Impetus) کا نام دیا۔ یہ وہ قوت ہے جو پھینکی جانے والی چیز کو پھینکنے والا جسم تفویض کرتا ہے۔ابو البرکات کے نزدیک "شدید میلان "ایک خود تصرفی قوت ہے جو ہر عمل میں خرچ ہوتی ہے۔وہ گرنے والے اجسام کی حرکت کے اسراع کو دو علامتوں سے بیان کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ

1) کسی حرکت کرتی ہوئی چیز میں شدید اور طبعی دونوں میلان بیک وقت موجود ہو سکتے ہیں لہٰذا جب کوئی جسم گرنا شروع ہوتا ہے تو اس میں گرتے وقت ہی شدید میلان کا کچھ حصہ موجود ہوتا ہے۔ میلان طبعی جسم کو نیچے گرانے کا سبب بنتا ہے جبکہ شدید میلان کا یہ باقی ماندہ حصہ میلان طبعی کے خلاف کام کرتا ہے لہٰذا جسم کے گرنے کا عمل کو سست کرتا ہے۔ گرنے والے جسم کا اسراع شدید میلان کے بتدریج کمزور ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

2) گرنے والے اجسام کی حرکت کے اسراع کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ قوت (یعنی کشش ثقل) جو میلان طبعی پیدا کرتی ہے، گرنے والے جسم میں موجود ہوتی ہے اور متواتر میلانات طبعی اس طرح پیدا کرتی ہے کہ گرنے کے پورے عمل کے دوران اس میلان کی قوت بڑھتی رہتی ہے۔

3.5- میکانیات

"میکانیات" علم الطبیعات کی ایک اہم شاخ ہے۔اس موضوع پر مسلمانوں نے سب سے پہلے یونانی سائنس دانوں کی کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کیے جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

1) **آله ساعات الماء** (پانی کی گھڑی) ارشمیدس۔

2) **کتاب شیل الاثقال** (جز ثقیل سے متعلق)

3) **الاشیاء المتحرکه من ذاتہا** (چیزوں کا خود بخود حرکت کرنا)

4) **آلات المبقویه** (آرگن باجا جو خود بخود بجتا ہے) مارطس

5) **کتاتب الدوالیب** (گھڑی وغیرہ میں جو چکر ہوتے ہیں)مارطس

3.6- الکندی

مسلمانوں میں الکندی (م 866) نے جہاں دیگر سائنسی علوم پر کام کیا وہاں طبیعات کے مختلف شعبوں میں بھی قابل قدر معلومات فراہم کیں۔اس نے ایسے علوم کا مطالعہ کیا جو ٹیکنالوجی پر مبنی تھے۔ مثلاً گھڑی سازی، آلہ جات برائے فلکیات وغیرہ۔

3.7- احمد بن موسیٰ شاکر

احمد بن موسیٰ شاکر نے میکانیات کے موضوع پر کام کیا اور ایسی ایسی چیزیں ایجاد کیں جنھیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔اس موضوع پر اس نے ایک کتاب بھی لکھی۔

3.8- ابن فرناس (متوفی 887ء)

ابن فرناس (متوفی 887ء) نے عملی میکانیات میں نمایاں مقام حاصل کیا۔اس نے اپنے گھر میں

مک کا ماحول مصنوعی طور پر پیدا کیا گیا تھا۔اس نے ایک خاص قسم کا گھڑیال بنایا اور اسفیر یعنی کرہ فلکی بھی ایجاد کیا۔ بلور کوہی(Rock Krystal) بھی اس کی دریافت ہے۔اس نے بلور کاٹنے کا طریقہ بھی معلوم کیا۔

3.9- ثابت بن قرہ(متوفی 901ء)

ثابت بن قرہ (متوفی 901ء) نے دیگر علوم کے علاوہ میکانیات کے موضوع پر بھی کام کیا۔اس نے میکانیات پر دو کتابیں لکھیں۔

1) **فی صفته الوزن و اختلافه**، جس میں ارسطو کے حر کی اصول اور اس ڈنڈی کے توازن کے قواعد بیان کیے، جس کو وسط میں سہارا دیا گیا ہو یا لٹکایا گیا ہو اور اس کے سروں پر وزن ہو۔

2) **کتاب فی القرسطون**، جس میں لیور کے توازن کے اصول وغیرہ بیان کیے گئے ہیں۔اس نے بتایا کہ اگر دو مساوی باٹ تیسرے باٹ کو متوازن کیے ہوئے ہوں تو ان کو ہٹا کر ان کے وسطی نقطہ پر ان کے مجموعی وزن کا باٹ رکھ کر توازن کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔اس نے اس صورت کا مطالعہ بھی کیا جس میں برابر فاصلوں پر بے شمار اوزان لٹکائے گئے ہوں یا وزن مسلسل طور پر برابر پھیلا دیئے گئے ہوں۔

3.10- الفارابی(متوفی 950ء)

الفارابی (متوفی 950ء) فلسفہ، منطق، طب، عمانیات، ریاضی، اور موسیقی میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے علوم تعلیم پر 11، طبعیات پر 10، منطق پر 43، اخلاقیات پر 7 اور سیاسیات پر 7 اور موسیقی کے موضوع پر ایک کتاب لکھی جس میں میکانیات کا موضوع بھی شامل ہے۔

3.11- الکوہی(دسویں صدی عیسوی)

الکوہی (ان کا مکمل نام ابو سہل ویجن بن وشم الکوہی(Abu Sahl al- Quhi)ہے)نے ایک قسم کی مخروطی پرکار ایجاد کی جس کی ایک ٹانگ کو مخروطی تراشوں کی ڈرائنگ کے لیے چھوٹا یا بڑا کیا جا سکتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ اس پرکار کی مدد سے اصطرلاب،دھوپ گھڑیال اور اس طرح کے دیگر آلات آسانی سے بنائے جا سکتے ہیں۔اس موضوع پر اس نے ''الرسالہ فی البرکار التام'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔

3.12- ابوالقاسم زہراوی(دسویں صدی عیسوی)

ابوالقاسم زہراوی (دسویں صدی عیسوی) نے مختلف قسم کے آلات جراحی ایجاد کیے اور اپنی کتاب میں ان کی تصویریں بھی دیں۔

3.13- ابوریحان البیرونی(گیارہویں صدی عیسوی)

ابوریحان **البیرونی**(گیارہویں صدی عیسوی) نے میکانیات کے موضوع پر دو کتابیں لکھیں۔اس نے ایک شمسی گھڑی بھی ایجاد کی جس کی وضاحت اس نے اپنی کتاب "الطلال" میں کی ہے۔

3.14- الخازنی(بارھویں صدی عیسوی)

الخازنی(بارھویں صدی عیسوی) نے سکونی ترازو(hudrostatic balance) ایجاد کیا اور آلات سائنس کے صناع کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔اس موضوع پر اس نے ایک کتاب لکھی جو "میزان الحکمتہ" کے نام سے مشہور ہے۔اس کتاب میں مختلف قسم کے ترازو بنانے کی تراکیب اور ان کے طریق استعمال پر

بحث کی گئی ہے۔الخازنی کے علاوہ اس موضوع پر رازی، خیام، السفزاری اور البیرونی نے بھی کام کیا۔[1]

4-حیاتیات میں مسلمانوں کی خدمات

حیاتیات کی دو بڑی شاخیں ہیں۔

1) علم حیوانات(Zoology)

2) علم نباتات(Botany)

4.1-علم الحیوانات

اس میں مختلف جانوروں کی فطرت وعادات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے مختلف اشیاء اور جانوروں اور حیوانوں کو پیدا کیا۔ کوّے کے بارے میں روایت ہے جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو مسئلہ پیدا ہوا کہ لاش کو کہاں چھپایا جائے۔اس نے ایک کوّے کو دیکھا جو زمین میں کوئی چیز دبا رہا تھا۔اس طرح قابیل کو سوجھی کہ مقتول کی لاش کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔ پھر طوفان نوح کے ضمن میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان آنے سے قبل ایک بڑی کشتی بنائی اور طوفان کی آمد کے ساتھ ہی اس میں ہر قسم کے جانوروں اور پرندوں کو کشتی میں سوار کر لیا۔ طوفان ختم ہونے کے بعد ایک فاختہ کا ذکر ملتا ہے جو اپنی چونچ میں زیتون کا چھوٹا سا پتہ لیے ہوئے تھی۔

اسلام کی آمد سے قبل عرب اونٹ کو سواری کے لیے سدھا چکے تھے۔ان کے ہاں یہ ایک کار آمد جانور تھا۔ لغت عرب میں اونٹ کے بے شمار نام ملتے ہیں۔ عرب گھوڑے اور گدھے سے بھی سواری کا کام لیتے تھے

---

[1] مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص218-225، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ص72-88

اوران سب جانوروں کی عادات وخصائل سے واقف تھے۔اسلام نے جانوروں سے ہمدردی کا سبق دیا۔اسلام کی آمد تک عرب میں بھیڑ، بکری، گھوڑے، گدھے کو سدھا چکے تھے اور ان کے بارے میں کافی معلومات رکھتے تھے۔

4.2-ابتدائی کام

دور بنی عباس میں جب مختلف یونانی کتب کو عربی میں منتقل کیا گیا تو حیوانات سے متعلق چند ایک کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں۔ جالینوس کے زندہ جانوروں کی تشریح پر دو مقالے عربی میں منتقل کیے گئے جو "**تشریح الحیوان الحی**" کے نام سے ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کیے گئے۔اس کے علاوہ ارسطو کی کتاب "**تاریخ الحیوان**" کو بھی عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ کام یحیٰی ابن بطریق نے انجام دیا۔ جالینوس کی ایک کتاب جو مردہ جانوروں سے متعلق تھی "**تشریح حیوان المیت**" کے نام سے عربی میں منتقل کر لی گئی۔ یہ صرف ایک مقالے پر مشتمل تھی۔

4.3-حیوانات میں مسلمانوں کی خدمات

حیوانات میں ابو عبیدہ (دوسری صدی ہجری) نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ابو عبیدہ نے حیوانات پر قریباً ایک سو کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے تقریباً پچاس کتب صرف گھوڑے کے بارے میں تھیں۔اسی دور میں عبد المالک ابن القریب الاسمعی (ولادت 122ھ) نے تاریخ فطرت کے بارے میں عربوں کی معلومات جمع کیں اور حیوانات کے مختلف انواع کا مطالعہ کیا۔اس نے انسان کے علاوہ گھوڑے،اونٹ، بھیڑ، بکری اور جنگلی جانوروں سے متعلق متعدد کتابیں لکھیں۔اس نے "**خلق الانسان**" نامی ایک کتاب بھی لکھی جس میں انسانی جسم اور فطرت کو موضوع بحث بنایا گیا تھا۔ دور بنی عباس میں ابو اسحاق اور بشیر ابن المعتمر نے "تاریخ فطرت" میں خاصی دلچسپی لی۔ عثمان عمر (متوفی 255ھ) نے ارتقاء کے بارے میں اظہار کیا اور حیوانات میں اپنی بقا کے لیے ماحول سے ہم آہنگی پر خصوصی زور دیا۔اس کی کتاب "**کتاب الحیوان**" اس

وقت کی ایک معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب میں تقریباً ساڑھے تین سو حیوانات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ الفارابی نے حیوان شناسی کو سائنسی علوم کی درجہ بندی میں ایک منفرد مقام عطا کیا۔ چوتھی صدی ہجری میں ''اخوان الصفاء'' کی مجلس نے انسان اور حیوانات کے درمیان تنازعہ کی کہانی تخلیق کی جس میں حیوانات اور انسان کے درمیان مکالمات کے ذریعے انسان کو حیوانات سے افضل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

پانچویں صدی ہجری میں ابوالحسن علی احمد ابن مسکویہ، البیرونی اور ابن سیناو غیرہ نے حیوانات پر کافی کام کیا۔

ابن مسکویہ پہلا مسلمان سائنسدان ہے جس نے واضح طور پر انسان کی ابتداء اور ارتقاء کے بارے میں نظریہ پیش کیا۔ اس نے زندگی کا ارتقاء درجہ بدرجہ جمادات سے نباتات اور پھر حیوانات تک تجویز کیا۔ اس نے جمادات، نباتات اور حیوانات میں بھی مختلف ارتقائی مدارج کی نشاندہی کی۔

البیرونی نے اپنی کتاب میں انسان کے شامہ سامعہ اور لامسہ حواس کا مطالعہ کیا۔ اس نے اپنی تصنیف "الشفاء" میں حیوانات کی نفسیات پر بحث کی ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں اندلس کے مشہور فلسفی نے ارسطو کی دو کتابوں "اعضائے حیوانات "اور "پیدائش حیوانات "کی شروح لکھیں۔ ابن رشد اور ابن ماجہ نے بھی حیوانات پر مقالے تحریر کیے۔ الجواقی نے گھوڑوں پر کتابیں لکھیں۔ شرف الزمان طاہر المروزی نے 514ھ میں "طبائع الحیوان " کے نام سے کتاب لکھی۔ ابن البیطار گھوڑوں کے علاج معالجہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ ساتویں صدی ہجری میں زکریابن محمد بن محمود قزوینی نے "عجائب المخلوقات "اور "غرائب الموجودات" کے نام سے کتابیں لکھیں جن میں مویشیوں، درندوں، حشرات اور پرندوں وغیرہ کا مطالعہ کیا گیا تھا۔

اسی دور میں شمس الدین الدمشقی نے بھی حیوانات پر کام کیا۔ اس کی کتاب "فی عجائب البر والبحر "حیوانات اور جمادات پر ایک انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں ایشیاء اور افریقہ کے مختلف علاقوں کے علاوہ ہندوستان خصوصاً بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے دریاؤں میں پائے جانے والے حیوانات کا تذکرہ بھی شامل ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں حمد اللہ مستوفی نے "نزہت القلوب" نامی کتاب لکھی جس میں بشریات، جغرافیہ اور حیوانات کا مطالعہ کیا گیا تھا۔اس کتاب میں 228 حیوانات کا تذکرہ شامل ہے۔ 773 ہجری میں کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری نے "کتاب الحیوان" کے نام سے کتاب لکھی جس میں 931 حیوانات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بعد میں اس کتاب کی کی تلخیص "**حاوی الحصان من حیاۃ الحیوان**" کے نام سے محمد عبدالقاہر الدمیری نے تحریر کی۔ایک تلخیص محمد بن عمر القدومی نے بھی کی ہے۔اس کے اور بہت سے خلاصے لکھے گئے۔

نویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالکریم الصفاوی نے زکریا کی کتاب "**عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات**" اور الدمیری کی کتاب "**حیات الحیوان**" کو ایک ہی کتاب میں اکٹھا کیا اور اس کا نام "**الملتقات من عجائب المخلوقات و حیاۃ الحیوان**" تجویز کیا۔ جلال الدین السیوطی مصری نے "**حیات الحیوان**" کا خلاصہ نظم کیا۔

4.4- نباتات میں مسلمانوں کی خدمات

نباتات کے سلسلے میں مسلمانوں کی خدمات زیادہ تر جڑی بوٹیوں اور پودوں کے خواص وغیرہ سے متعلق ہیں۔ اکثر طبیبوں نے اپنی طبّی کتابوں میں علم نباتات کو داخل کیا ہے۔ اکثر سائنس دان طب، حیوانات، نباتات، کیمیا اور دیگر علوم پر یکساں دسترس رکھتے تھے۔ سائنسی علوم میں تخصّص کا دور بہت بعد کی بات ہے۔ نباتات میں مسلمانوں کا پہلا کام جابر بن حیان کی کتاب "**الحدود**" ہے جس میں علم النبات اور علم الفلاحت کا بیان ہے۔ عبد المالک ابن الاسمعی نے "**کتاب النبات و الاشجار**" نامی کتاب لکھی۔ جو حیوانات اور پودے قدیم زمانے میں اس زمین پر پائے جاتے تھے ان کے کئی قسم کے آثار ملتے ہیں جنہیں رکازات (Fossils) کہا جاتا ہے۔ یہ رکازات حیاتیاتی ارتقاء کے مطالعہ کے لیے ناگزیر ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ رکازات کی دریافت اہل مغرب نے کی لیکن یہ سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ رکازات کی دریافت کا سہرا دراصل "**اخوان الصفاء**" کے سر ہے۔ "**اخوان الصفاء**" نے دریافت کیا تھا کہ رکازات سمندری حیوانات کی پتھر میں

بدلی ہوئی صورت ہیں۔ جن علاقوں میں یہ رکازات ملتے ہیں وہ زمانہ قدیم میں سمندر کا حصہ تھے مگر اب خشکی میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ انھوں نے حیوانات کی طرز زندگی اور حساسیت کی بنیاد پر درجہ بندی کی۔ ارتقاء کے بارے میں "اخوان الصفا" نے الجاحظ کے نظریہ کی توثیق وتائید کی۔

گیارھویں صدی عیسوی میں عثمان ابوالحسن المسعودی نے اپنی کتاب "التنبیه الاشرف" میں نظریہ ارتقاء پیش کیا اور عثمان اور الجاحظ کی توثیق کی کہ انسان پہلے جمادات پھر نباتات اور پھر حیوانات کے زمرے میں آیا اور پھر ترقی کرتے ہوئے انسان بنا۔ یہی بات بعد میں ابن خلدون نے بھی کی۔

ابن مسکویہ پہلا مسلمان سائنسدان ہے جس نے واضح طور پر انسانی ابتداء اور ارتقاء کے بارے میں نظریہ پیش کیا۔ اس نے زندگی کا ارتقاء درجہ بدرجہ جمادات سے نباتات اور پھر حیوانات تک تجویز کیا۔ اس نے جمادات، نباتات اور حیوانات میں بھی مختلف ارتقائی مدارج کی نشاندہی کی۔ مثلاً انگور اور کھجور ارتقائے نباتاتی کی آخری شکل ہیں اور بندر باعتبار ارتقاء انسان سے ایک درجہ پیچھے ہے۔ البیرونی نے بھی نامیاتی ارتقاء کے بارے میں کافی کام کیا۔ وہ نباتات کے بارے میں خاصا علم رکھتا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ پھول کی پتیوں کی تعداد ہمیشہ طاق ہوتی ہے۔ ابن سینا پہلا شخص ہے جس نے حیوانات، نباتات اور حیوانات کو ترتیب وار منضبط کیا۔

ابن رشد نے یہ نظریہ پیش کیا کہ قانون ارتقاء کا اثر جمادات، نباتات اور حیوانات پر یکساں ہوتا ہے۔ ابن البیطار نے بھی نباتیات کا گہرا مطالعہ کیا اور ملکوں ملکوں کا سفر کر کے چودہ سو جڑی بوٹیوں پر ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب نباتیات کا ایک انسائیکلوپیڈیا تصور کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مسلمان سائنس دانوں نے علم نباتات میں بھرپور کام کیا۔

4.5۔ چند مشہور ماہرین حیاتیات اور ان کی خدمات

4.5.1۔ الجاحظ

ابو عثمان عمرو بن بحر المعروف الجاحظ (متوفی 869ء) حیاتیات بالخصوص حیوانیات کا ماہر تھا۔ اس نے

''کتاب الحیوان'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں جانوروں کے مخصوص گروہوں کی باتوں پر مبنی معلومات درج کی گئی تھیں۔ اس کتاب میں ممالیہ جانوروں، اہم پرندوں اور خصوصی طور پر کچھ حشرات مثلاً مکھیوں، مچھروں، بچھوؤں وغیرہ سے متعلقہ معلومات بھی دی گئی تھیں۔ اس نے بتایا کہ کون سے جانور دوڑتے، کون سے رینگتے اور کون سے تیرتے ہیں۔ اس نے جانوروں کو دو گرہوں یعنی گوشت خور اور سبزی خور میں تقسیم کیا ہے۔ اس نے کتے کے خاندان اور بلی کے خاندان کے جانوروں کا فرق واضح طور پر بیان کیا ہے اور جگالی کرنے والے جانوروں کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اس نے پرندوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول شکار کرنے والے پرندے، دفاع سے عاری پرندے اور ننھے منھے پرندے۔ اس کا خیال ہے کہ جانوروں کو مفید اور ضرر رساں جانوروں میں تقسیم کرنا غلط ہے کیونکہ جو جانور انسان کے لیے نقصان دہ ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری مخلوقات کے لیے فائدہ مند ہوں۔ اس ضمن میں اس کا عقیدہ ہے کہ خالق نے کوئی چیز بے فائدہ نہیں بنائی۔ اس کا نظریہ ہے کہ کچھ جانور از خود پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی مثال اس نے برف میں سے مینڈک نکل آنے کی دی ہے۔ اس نے جانوروں کو خصی کرنے اور نشہ دینے کے اثرات بھی بیان کیے ہیں اور جانوروں میں جنسی باقاعدگی جیسی باتیں بھی بیان کی ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں جانوروں کی تصاویر بھی دی ہیں۔

4.5.2۔ عبدالمالک اصمعی

عبدالمالک اصمعی نے علم الحیوان پر پانچ کتابیں لکھی کتاب الخیل، کتاب الابل، کتاب الشات کتاب الوحوش اور خلق الانسان۔ اس نے علم حیاتیات کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر ایک حصے کے جانوروں کی خصوصیات بیان کی ہیں۔

4.5.3- ابوعبیدالبکری

ابوعبید (متوفی 1094ء) جو ماہر لسانیات ہونے کے ساتھ ماہر حیوانیات بھی تھا۔ اس نے جڑی بوٹیوں سے حاصل ہونے والی سادہ ادویات پر ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں زیادہ تر ان جڑی بوٹیوں پر تحقیق کی گئی جو جزیرہ نمائے اندلس میں پائی جاتی تھیں۔

4.5.4- ابن البیطار

ابن البیطار جڑی بوٹیوں اور نباتات کے علوم پر دسترس رکھتا تھا۔ اس نے جڑی بوٹیوں اور نباتات کی تحقیق اور خواص معلوم کرنے کے لیے بہت سے ملکوں کا سفر کیا۔ اس نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھیں۔ جن میں سے ایک کا نام "**المغنی فی الادویتہ المفردہ**"اور دوسری کا نام "**جامع المفردات الادویتہ والاغذیتہ**" ہے۔ اس نے متقدمین کی تحقیق شدہ جڑی بوٹیوں اوران کے خواص میں قریباً400 ناموں کا اضافہ کیا۔ اس نے ابن میمون کی کتاب "**شرح اسماء العقار**" کا ترجمہ کیااوراس سے بھرپور استفادہ کیا۔

4.5.5-القزوینی

زکریاابن محمد ابن محمود الجوینی القزوینی (متوفی 1283ء) نے احوال الکائنات کے ضمن میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "**عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات**" ہے۔ اس کتاب میں جہاں کائنات کی دوسری چیزوں پر بحث کی گئی ہے وہاں نباتات اور حیوانات پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اس نے جگہ جگہ پودوں، جانوروں اور معدنیات کے وہ طبّی خواص بیان کیے ہیں جو قدیم اطباء نے اپنی کتابوں میں تحریر کیے تھے۔

قزوینی نے اپنی کتاب میں جنگلی، برّی، ہوائی اور بحری جانوروں کی شکلیں، صورتیں، ان کی عادتیں، ان کے رنگ ڈھنگ اور جہاں جہاں وہ پائے جاتے ہیں ان مقامات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ جانوروں کے ذکر کے ساتھ ساتھ حسب موقع اسلامی تاریخ کے ایمان افروز واقعات کا ذکر بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں جس جانور کا ذکر شروع کیا ہے اس کی تفصیل کے بعد پھر اس کے اعضائے طبعی و طبّی خواص کا ذکر کیا ہے۔ اور اگر اس جانور کو خواب میں دیکھا جائے تو اس کی جو تعبیر ہے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہر جانور کے ذکر کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ قزدینی نے انسان کو بھی حیوانات میں داخل کر کے اسی سے ابتدا کی ہے۔ انسان کے ذکر میں القزدینی کی چند باتیں ملاحظہ ہوں۔

1) انسان کے کسی عضو کو چوٹ لگ جائے تو ہتھیلی سے اسے دبانے سے درد میں آرام ملتا ہے اور یہ انسانی بدن کی تاثیر کی وجہ سے ہے وگرنہ اسے زنبور وغیرہ سے دبایا جائے تو درد میں اضافہ ہوتا ہے۔

2) کسی شخص کی دکھتی ہوئی آنکھ کی طرف مسلسل دیکھا جائے تو دیکھنے والی کی آنکھ بھی دکھنے لگے گی۔

لے تو اس کے قدموں کی جگہ پر کچھ نہ اُگے گا۔

4) نابینا آدمی کثرت نکاح کا شائق ہوتا ہے۔

5) حائضہ عورت کے بارے میں بھی کچھ لکھا ہے جو جدید تحقیق کے مطابق درست نہیں لگتا۔

القزوینی نے جن جانوروں کا ذکر کیا ہے ان میں شیر، بھیڑیا، چیتا، ہاتھی، لومڑی، بندر، گائے، گدھا، چوہا، نیولا، سانپ، چیونٹی، بچھو، عقاب، گدھ، الو، کبوتر، مکھی، مگرمچھ، کچھوا، مینڈک اور سرطان قابل ذکر ہیں۔

4.5.6- الدمیری

محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ کمال الدین الدمیری (متوفی 1405ء) نے "کتاب الحیوان" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں جانوروں سے متعلق عوام الناس میں پائے جانے والے غلط خیالات و تصورات کی اصلاح کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ان تمام حیوانات کے بارے میں ممکنہ حد تک مکمل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید اور عربی ادب میں کیا گیا ہے۔ ارسطو اور الجاحظ کی متعلقہ تصانیف کے حوالے سے ہر جانور کی عادات کا ذکر کیا گیا ہے اور حیوانات سے متعلقہ اسلامی روایات کو بھی لیا گیا ہے اور ہر جانور کی شرعی اور مذہبی حیثیت کا تعین بھی کیا گیا ہے۔ حیوانات سے حاصل کردہ مختلف ادویات اور مصنوعات کے طبّی اور دیگر خواص بھی بیان کیے گئے ہیں۔ الدمیری نے مختلف حیوانات کے کوائف درج کرتے ہوئے 805 مصنفین کا حوالہ دیا ہے جن میں ارسطو، الجاحظ، ابن سینا اور قزوینی کے نام نمایاں ہیں۔

"حیات الحیوان" مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہے۔ بعض نے اس کی تلخیص شائع کی ہے۔ اس کی ایک تلخیص اردو زبان میں بھی موجود ہے۔ جانوروں کے طبّی خواص سے متعلق چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

1) ہاتھی کی ہڈی بچے کے گلے میں ڈالی جائے تو بچے کی مرگی جاتی رہتی ہے۔

2) ہاتھی کا دانت اگر کسی درخت پر لٹکایا جائے تو اس سال اس درخت کو پھل نہیں لگتا۔

3) لومڑی کی چربی ملنے سے گنٹھیا کو آرام آجاتا ہے۔

4) گائے کی چربی ہڑتال میں ملا کر اسے جلا کر اس کا دھواں دینے سے گھر سے بچھو اور سانپ بھاگ جاتے ہیں۔

5) گدھے کے پاؤں کے ناخن کی انگوٹھی بنا کر اگر مرگی کے مریض کو پہنادی جائے تو مریض اچھا ہو جائے گا۔

6) کسی کالے کتے کی زبان جو شخص اپنے ہاتھ میں رکھے گا کوئی کتا اس پر حملہ آور نہیں ہوگا۔

7) کالی بلی کا گوشت کھانے والے پر کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔

8) شیر کی چربی بدن پر ملنے سے کوئی درندہ قریب نہیں آتا اور نہ ہی بدن میں جوئیں پڑتی ہیں۔

9) بھیڑیئے کی کھال پر بیٹھنے سے آدمی قولنج سے محفوظ رہتا ہے۔

10) بندر کا دانت انسان کے گلے میں ٹکا دیا جائے تو اسے نیند نہیں آئے گی۔

(اوپر حیوانات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے عین ممکن ہے کہ وہ سب جدید تحقیق کے مطابق درست نہ ہو)[1]

---

[1](مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص258-265، محمد طفیل ہاشمی: اندلس میں مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، پروگیسو بکس اردو بازار لاہور، 1988ص198-210، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج، نشریات، لاہور 2007، ص108۔204، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ص31-88)

خود آزمائی

سوال نمبر 1: علم طب میں مسلمان سائنسدانوں کے کارنامے بیان کریں۔

سوال نمبر 2: علم طب میں مسلمان سائنسدان کی وہ کون سے نئی اختراعات ہیں جو انہیں اس وقت کے سائنسدانوں سے ممتاز کرتی ہیں؟

سوال نمبر 3: علم جراحت، علم ادویہ، اور علم العلاج میں مسلمانوں کے امتیازات بیان کریں۔

سوال نمبر 4: علم کیمیا تعریف کریں اور مسلمان سائنسدان کی کیمیا کے شعبے میں خدمات بیان کریں۔

سوال نمبر 5: جابر بن حیان، الکندی اور زکریا رازی کی علم کیمیا میں خدمات بیان کریں۔

سوال نمبر 6: ابن الہیثم کے روشنی سے متعلق نظریات بیان کریں۔

سوال نمبر 7: علم طبیعات میں مسلمان سائنسدان کے وہ کون سے نئے انکشافات ہیں جو موجودہ وقت میں بھی کارآمد ہیں؟

سوال نمبر 8: مسلمان سائنسدانوں کی سائنس کے مختلف شعبوں میں اہم کتب مع مصنّف تحریر کریں۔

سوال نمبر 9: حیاتیات کے شعبہ میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات پر مفصّل نوٹ تحریر کریں۔

سوال نمبر 10: علامہ قزوینی، الجاحظ، کمال الدین الدمیری اور ابن بیطار کی خدمات بیان کریں۔

یونٹ نمبر:08

سائنس کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی خدمات (2)

فلکیات، ریاضیات، زراعت، جغرافیہ، اسلحہ سازی، فن تعمیر اور جہاز رانی میں مسلمانوں کی خدمات

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

اسلاف کی تاریخ اور کارناموں سے واقفیت آنے والی نسلوں میں فخر واعتماد کے علاوہ مستقبل میں کچھ کر گزرنے کی امنگ پیدا کرتی ہے۔ مسلمانوں نے سائنس کے مختلف شعبوں میں جو اہم خدمات انجام دی ہیں، ان کا ایک مختصر جائزہ یہاں اس لئے پیش کیا گیا ہے تاکہ نئی نسل نہ صرف ان سے آگاہ ہو، بلکہ وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح سائنس کے شعبے میں آگے بڑھے۔ مسلمانوں نے علم فلکیات، ریاضی، فن تعمیر، اسلحہ سازی، جغرافیہ اور فن جہازرانی میں کون سی اہم خدمات سرانجام دیں، اس یونٹ میں ان سب کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔ مسلمانوں کی انہی علمی و سائنسی خدمات کا اعتراف بہت سے غیر مسلموں نے بھی کیا ہے، جیسے جارج سارٹن نے کہا "گیارہویں صدی عیسوی میں علم و حکمت کا حقیقی ارتقاء مسلمانوں کا رہین منت تھا۔ اس زمانے میں اچھوتی اور نادر خدمات کا تعلق۔۔۔اول تا آخر مسلمانوں ہی کی سعی کا نتیجہ ہیں۔"[1]

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. علم فلکیات میں مسلمان سائنسدانوں کے کارنامے بیان کر سکیں۔
2. علم ہیئت اور فلکیات میں مسلمان سائنسدان کی نئی اختراعات جو انہیں جدید سائنسدانوں سے ممتاز کرتی ہیں، سے آگاہ ہو سکیں۔

---

1 (مزید تفصیل کے لئے دیکھیئے تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور،، ص ص 232-205،242، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج، نشریات، لاہور 2007)

3. علم ہیئت،اور فن تعمیر میں مسلمانوں کے امتیازات بیان کر سکیں۔
4. علم ریاضی کی تعریف اور ریاضیات کے شعبہ میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
5. علم زراعت، فن تعمیر اور اسلحہ سازی میں مسلمان سائنسدانوں کی ایجادات واضح کر سکیں۔
6. مسلمان سائنسدانوں کی سائنس کے مختلف شعبوں میں اہم کتب پر تبصرہ کر سکیں۔
7. علم جغرافیہ، فن جہاز رانی اور اسلحہ سازی میں مسلمانوں کی خدمات بیان کر سکیں۔

1۔ فلکیات اور علم ہیئت میں مسلمانوں کی خدمات

1.1۔ فلکیات اور علم ہیئت کا مفہوم

مسلمان اس علم کو علم ہیئت یعنی کائنات کی ہیئت کا علم اور علم الافلاک (فلکیات) یعنی کرات سماوی کا علم کہتے ہیں۔ الفارابی اور ابن رشد "صناعته النجوم التعلیمیه" سے نظری علم ہیئت مراد لیتے ہیں اور "صناعته النجوم التجریه" سے ستاروں کا مشاہدہ۔ انگریزی میں علم ہئیت یا فلکیات Astronomy کہتے ہیں۔

ارسطو کی تقسیم علوم کے تتبع میں مسلمان بالاتفاق علم ہئیت کو علوم ریاضیہ میں سے ایک تصور کرتے ہیں۔ یونانیوں کی طرح وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ علم ہیئت کا مقصد صرف ستاروں کی ظاہری حرکات کا مطالعہ اور ہندسی نقطہ نظر سے ان کی تعبیر ہے، اس لیے یہ اس علم پر مشتمل ہے جسے ہم ہیئت کروی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (اس میں سیاروں کے مداروں کا حساب لگایا جاتا ہے اور اس سے زائچوں کی ترتیب میں کام لیا جاتا ہے)۔ "آلات کے نظریے" بھی اس میں شامل ہیں۔ ارسطو کے مفہوم میں شہابات (جن میں دم دار تارے، اور ٹوٹتے ہوئے تارے وغیرہ بھی شامل ہیں) اور اس علم کا مطالعہ جسے ہم ابتدائی فلکی و سماوی طبیعات (یعنی حرکات اجرام فلکی کی اصل افلاک کی نوعیت، ستاروں کی روشنی وغیرہ) سے تعبیر کرتے ہیں، تمام تر طبیعات اور مابعد الطبیعات کے دائرے میں شامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ان تجربی معلومات کا ماحاصل ہے جو بذریعہ حساب، یا آلات رصد کی مدد سے، زمان شب و روز کے تعین کے لیے ضروری ہیں۔ اس سے خاص طور پر مساجد میں پانچ نمازوں کے اوقات کی تعین مقصود ہے اور اسے علم المیقات یا علم المواقیت (مقررہ اوقات کا علم) کہتے ہیں۔

اسلام کے قرون اولیٰ میں عرب کے لوگ عملی ہیئت کا کچھ علم رکھتے تھے۔ بسا اوقات رات کے سفر میں بدوؤں کا چاند اور روشن ترین ستاروں کے سوا کوئی اور رہنما نہ ہوتا تھا۔ وہ ان کے مقامات طلوع و غروب سے

واقف تھے اور ان سے رات کے اوقات کا تقریباً اندازہ کر سکتے تھے۔ وہ یکے بعد دیگرے نمودار ہونے والے ستاروں کے جھرمٹوں میں جنہیں منازل القمر کہتے ہیں چاند کے اضافی مقام کو دیکھ کر سالانہ فصلوں کا تعین بھی کر سکتے تھے۔ حضری قبائل میں سے اکثر یہ سمجھتے تھے کہ فصلی موسموں اور موسمی پیش گوئیوں کا تعلق بعض ستاروں کے سالانہ طلوع یا فضا میں منازل کے غروب (نوہ) سے ہے۔

1.2-علم ہیئت میں مسلمانوں کی خدمات

علم ہیئت میں مسلمانوں نے اہل ایران اور اہل ہند کے علم سے وسیع استفادہ کرتے ہوئے بطلیموس کی روایت کو قائم رکھا۔ اسلام کے اولین ہیئت دانوں نے جو دوسری صدی ہجری / آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں بغداد میں بام عروج پر پہنچے علم ہیئت میں اپنے کام کی بنیاد زیادہ تر ان فلکیاتی جدولوں پر رکھی جو ایران اور ہندوستان میں تیار ہوئی تھیں۔ زمانہ قبل از اسلام کے ایران میں علم ہیئت کا اہم ترین کام جو محفوظ حالت میں پایا گیا زیج شاہی یا زیج شہریاری کی شکل میں تھا۔ یہ کتاب جو ساسانی بادشاہ نوشیرواں عادل کے عہد میں تقریباً 555 عیسوی میں تیار ہوئی زیادہ تر ہندیوں کے فکر و عمل پر مبنی تھی۔

ساسانی ہیئت دانوں کے ہاں اس کام کو وہی حیثیت حاصل تھی جو ہندوؤں کے ہاں سدھانت یا یونانیوں کے ہاں **المجطی** کو حاصل تھی۔ مسلمانوں کے علم ہیئت کی تشکیل میں اس کتاب کی افادیت اتنی اہم تھی جتنی موخر الذکر دو کتابوں کی۔ اس کتاب کی کئی خصوصیات تھیں۔ مثلاً اس میں نئے دن کا آغاز دوپہر کے بجائے نصف شب سے کیا جاتا تھا۔ ابو الحسن نے اس کا عربی ترجمہ کیا اور اس کے ساتھ مشہور مسلم ماہر نجوم ابو معشر کی شرح بھی شامل ہے۔ زیج شاہی نے خلیفہ ابو منصور عباسی کے عہد کے مشہور ہیئت دانوں ابن النوبخت اور ماشاء اللہ کے فلکیاتی علم و عمل کے لیے بنیاد فراہم کی۔ انہی ماہرین نے بغداد کا شہر بسانے کے لیے ابتدائی حساب اور تخمینہ تیار کرنے میں مدد دی۔ عباسی خاندان کے پہلے سرکاری ہیئت دان محمد الفزاری کے وقت سے ہندوستانی علوم کا براہ راست اثر واضح طور پر شروع ہوا۔ سن 771ء میں ہندوستان کے ماہرین علوم کی ایک جماعت ہندوستانی علوم کی تعلیم دینے اور کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے میں مدد دینے کے سلسلے میں بغداد آئی۔ اس سے ایک یا دو سال بعد

الفزاری کی زیچ جو برہما گپت کی سدھانت پر مبنی تھی منظر عام پر آئی۔الفزاری نے علم ہیئت کے موضوع پر کئی نظمیں بھی کہیں۔علاوہ ازیں وہ پہلا مسلمان تھا جس نے اصطرلاب تیار کیا اور بعد میں اس آلے کو اسلامی ہیئت میں ایک خصوصی حیثیت حاصل رہی۔الفزاری کا کارنامہ سدھانت کبیر کے نام سے مشہور ہوا اور یہ کتابیں تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی میں خلیفہ المامون کے وقت تک علم ہیئت کی واحد بنیاد کا کام دیتی رہی۔

الفزاری کا ایک اور ہم عصر یعقوب ابن طارق بھی مسلمانوں کو ہندوستان کے علم ہیئت سے متعارف کرانے میں مددگار ثابت ہوا۔ اس نے ایک ہندوستانی پنڈت سے تعلیم پائی اور علم ہیئت کا ماہر ہو گیا۔ اسلامی سائنس کے دھارے میں ہندوستانی علم ہیئت اور ریاضی کو داخل کرنے میں دوسروں کے مقابلے میں ان دو اشخا ص نے سب سے زیادہ کوشش کی۔اس زمانے میں سنسکرت زبان کی دوسری تصانیف جن میں آریہ بھٹ کی سدھانت بھی شامل تھی مستند ذرائع کی حیثیت سے استعمال ہوتی رہیں یہاں تک کہ المامون کے عہد میں یونانی زبان کی تصانیف کو عربی میں منتقل کیا گیا۔

المامون کی سرپرستی میں جب غیر ملکی تخلیقات کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کی تحریک شروع ہوئی تو علم ہیئت پر یونان کی کتابیں بھی دستیاب ہونے لگیں۔اس طرح ہندوستان اور ایران کے علوم کی وہ اجارہ داری ختم ہو گئی جو اس میدان میں اس وقت تک قائم تھی اور ان کی جگہ کسی حد تک یونان کی تصانیف نے لے لی۔ المجسطی کا کئی بار ترجمہ ہوا۔اسی طرح (Tetrabiblos) کا "**کتاب الاربعه**" کے نام سے کئی بار عربی میں ترجمہ کیا گیا نیز بطلیموس کی فلکیاتی جداول کا بھی ترجمہ ہوا۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ یونانی اور سریانی کے دوسرے تراجم نے اسلامی علم ہیئت کے طلوع کا پس منظر تیار کیا اور تیسری صدی ہجری میں سائنس کی بعض شخصیات جلوہ گر ہوئیں۔ الخوارزمی جس نے ریاضی کی اہم تصنیفات کے علاوہ علم ہیئت کی اہم جدولیں بھی چھوڑیں اور ابو معشر فلکیات پر چھائے رہے۔ موخر الذکر مسلمان نجومی ہے جس کا مغرب میں اکثر حوالہ دیا جاتا ہے اور جس کی کتاب المدخل الی احکام النجوم کا متعدد بار

لاطینی میں ترجمہ ہوااوراسے شائع کیا گیا۔المامون کے عہد میں الفرغانی بھی موجود تھا جس کی تصنیف "**کتاب فی الحرکات السماویه جوامع علم النجوم**" مشہور تھی۔

تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں علم ہیئت کی توسیع کی رفتار تیز تر ہو گئی۔التبریزی نے المجسطی کی شرح لکھی اور کروی اصطرلاب پر اس کی لکھی ہوئی کتاب اس موضوع پر عربی کی بہترین تصنیف شمار ہوتی ہے۔اس کے ہم عصر ثابت ابن قرہ نے بھی علم ہیئت میں اہم کردار ادا کیا۔اپنے نظریے کے جواز میں اس نے بطلیموسی علم ہیئت کے آٹھ کروں میں نویں کرے کا اضافہ کیا۔

اس کے ہم وطن البستانی نے جس کو بعض ماہرین نے عظیم ترین ہیئت دان قرار دیا ہے،ثابت ابن قرہ کی پیروی کرتے ہوئے اس کے سلسلہ تحصیل علم کو جاری رکھا تاہم اس نے اعتدالین کے ارتعاشی نظریہ کو مسترد کر دیا۔البستانی نے اسلامی علم ہیئت میں بعض نہایت صحیح مشاہدات کیے۔اس نے اوج خورشید کی اس تبدیلی کو معلوم کیا جو بطلیموس کے وقت سے پیدا ہو چکی تھی۔اس نے رویت ہلال کا وقت معلوم کرنے کا ایک نیا طریقہ بھی دریافت کیا۔علاوہ ازیں اس نے سورج اور چاند گرہن کا تفصیلی مطالعہ بھی کیا جسے ڈنھورن نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں حرکت قمر کی تدریجی تبدیلی کو معلوم کرنے کے لیے استعمال کیا۔علم ہیئت البستانی کی اہم ترین تصنیف جس میں کئی جداول بھی شامل ہیں مغرب میں(Dezientia Stellarum)کے نام سے مقبول ہے۔یورپ کے زمانہ احیائے علوم تک اس کتاب کا شمار علم ہیئت کی بنیاد تصانیف میں ہوتا رہا۔اس لحاظ سے یہ باعث تعجب نہیں کہ مشہور اطالوی محقق نلینو نے کتابوں کی تدوین،ترجمہ اور حواشی لکھنے میں جتنا مطالعہ البستانی کی تصانیف کا کیا ہے اور جس قدر اہمیت اسے دی ہے وہ دور جدید میں کسی اور مسلم ہیئت دان کی تصنیفات کو حاصل نہ ہوئی۔

چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی میں ابو سہل الکوہی اور عبدالرحمان الصوفی جیسی شخصیات نے فلکیاتی مشاہدات کا سلسلہ جاری رکھا۔موخر الذکر اپنی کتاب "**صور الکواکب**" کے لیے خاص طور پر مشہور ہے۔اسلامی امور کے نامور مورخ جی۔سارٹن نے اس کتاب کو اور ابن یونس اور الغ بیگ کی زیجوں کو مسلمانوں

کی مشاہداتی فلکیات کے تین عظیم الشان کارنامے قرار دیے ہیں۔ صورالکواکب جس میں ستاروں اور مجموعہ ہائے نجوم کی شکلوں کا ایک نقشہ دیا گیا ہے، مشرق و مغرب میں وسیع طور پر مقبول ہوئی۔ اس کے مخطوطات ازمنہ وسطیٰ کی سائنسی تصانیف کے حسین ترین نسخوں میں سے ہیں۔ اسی زمانے میں ابوالسعید السجزی بھی تھا جس کی وجہ شہرت وہ اصطرلاب تھا جو اس نے سورج کے گرد زمین کی گردش کی بنا پر تیار کیا تھا۔ ابوالوفاالبوزجانی جس کا ذکر پہلے ایک ممتاز اور جلیل القدر مسلم ریاضی دان ہونے کے علاوہ شہرت یافتہ ہیئت دان بھی تھا۔ اس نے بطلیموس کی تصانیف کو قابل فہم بنانے کے لیے المجسطی کو آسان پیرائے میں قلمبند کیا۔ علاوہ ازیں اس نے حرکت قمر کی ناہمواری کے دوسرے حصے کا اس انداز سے ذکر کیا کہ انیسویں صدی عیسی میں فرانسیسی محقق (L.AM. Sedillot) نے اس سے متاثر ہو کر ابوالوفا کے بارے میں یہ بحث چھیڑ دی کہ اس نے چاند کی تیسری عدم مساوات کو دریافت کیا تھا۔ اس سلسلے میں موجودہ رائے اس سے مختلف پائی جاتی ہے اور اس کی دریافت کا سہرا ٹائیکو براکے سر باندھا جاتا ہے۔

آخر میں ابوالوفا کے ایک ہم عصر کیمیادان اور ہیئت دان ابوالقاسم المجریطی کا ذکر معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ شہرت کیمیاگری اور طلسمات کے بارے میں اس کی تحریریں ہیں۔ المجریطی جو ایک ماہر ہیئت دان تھا محمد ابن موسیٰ الخوارزمی کے جدولوں اور بطلیمو کی کتاب (Planispherium) کے حواشی لکھے اور اصطرلاب پر ایک رسالہ تحریر کیا۔ علاوہ ازیں اس نے اور اس کے شاگرد الکرمانی نے رسائل اخوان الصفا کو اندلس میں متعارف کرایا۔

پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی علمی جدوجہد اپنے نقطہ عروج تک پہنچ چکی تھی۔ اسی صدی میں کئی مشہور ہیئت دانوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان میں البیرونی بھی تھا جس نے عرض بلد اور طول بلد کو معلوم کرنے، سطح ارضی کی پیمائش اور علم ہیئت کے متعدد اہم حسابات کی جہ سے اپنے لیے اس میدان میں ایک بلند مقام حاصل کر لیا۔ ابن یونس نے جو قاہرہ میں فاطمی سلطنت کا ہیئت دان تھا 397ھ/1007ء میں اپنی زیج (زیج الحاکمی) کو مکمل کر کے اسلامی ہیئت میں ایک گراں بہا اضافہ کیا۔ اس زیج میں

کئی مستقلات کی بڑی صحت کے ساتھ از سر نو پیمائش کی گئی تھی، چنانچہ اس کا شمار اسلامی دور میں تیار ہونے والی صحیح ترین زیجوں میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کے مورخین نے جن میں مارٹن بھی شامل ہے ابن یونس کو مسلمان ہیئت دانوں میں ممتاز ترین درجہ دیا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ ایک ماہر ریاضی دان بھی تھا جو علم ہیئت کردی کے مسائل کو (Orthogonal Projections) کی یکساں ارتعاشی حرکت (Isometric Oscillatiory Motion) کا مطالعہ کیا۔

اسی صدی کے دوسرے نصف میں الزرقانی بھی گزرا ہے جو اندلس کا پہلا ممتاز مشاہدہ کرنے والا ہیئت دان تھا۔ اس نے ایک نیا فلکیاتی آلہ ایجاد کیا جس کا نام صفیحہ تھا اور جو اہل مغرب کے یہاں Sphaea) (Arzachelis کے نام سے مشہور تھا۔

الزرقانی کے بعد اندلس کا علم بطلیموس کی مخالف رو میں ترقی پذیر ہوا۔ مخالف اس لحاظ سے اس نظریے پر تنقید شروع ہو گئی جس کے مطابق سیاروں کی دوری گردش کو دائروں کی مدد سے ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ چھٹی صدی ہجری / بارہویں صدی عیسوی میں جابر ابن افلح نے جسے مغرب میں (Geber) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور جس کا مشہور کیمیادان جابر ابن حیان کے ساتھ مغالطہ بھی ہوتا ہے۔ بطلیموس کے نظریہ سیارگان کو ہدف تنقید بنانا شروع کیا۔ دو فلسفیوں ابن باجہ اور ابن طفیل جسے مغرب والے (Abubaser) کے نام سے جانتے ہیں نے بھی بطلیموس کے نظریہ سیارگان کو ہدف تنقید بنانا شروع کیا ابن باجہ نے ارسطو کے علم کائنات سے جو اس وقت اندلس میں مقبول ہو رہا تھا متاثر ہو کر ایک ایسا نظام سیارگان تجویز کیا جو کلیہ خارج المرکز دائروں پر مبنی تھا۔ ابن طفیل کو ایک ایسے نظریے کا مصنف گردانا جاتا ہے جسے اس کے ایک شاگرد، ساتویں صدی ہجری کے البروجی نے بہتر طور پر پروان چڑھایا۔ کوپرنیکس کے یہاں علم ہیئت کی وہ تمام باتیں جو نئی نظر آتی ہیں وہ الطوسی اور اس کے شاگردوں کے مکتبہ فکر میں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں۔ مراغہ کی علمی روایت کو الطوسی کے براہ راست شاگردوں مثلاً قطب الدین الشیرازی اور محی الدین المغربی کے علاوہ ان ہیئت دانوں نے بھی زندہ رکھا جنھیں الغ

بیگ نے سمر قند میں جمع کیا تھا۔ یہ روایت آج کے جدید زمانے تک دنیائے اسلام کے مختلف خطوں میں بدستور چلی آتی ہے۔ قدیم تصنیفات پر بہت سے حواشی تحریر کیے گئے۔

مسلمانوں کے علم ہیئت کی یہ بعد کی روایت بطلیموسی ماڈل کے ریاضیاتی نقائص کو درست تو کرتی رہی مگر یہ بطلیموس کے بند نظام کی حدود کو توڑ نہ سکی جنھوں نے قرون وسطیٰ کے لوگوں کے زاویہ نگاہ کو جکڑ رکھا تھا۔ یہ درست ہے کہ بعد کے بہت سے مسلمان ہیئت دانوں نے بطلیموس کے علم ہیئت کے مختلف پہلوؤں کو ہدف تنقید بنایا اور یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ البیرونی جیسے ہیئت دان سورج کے گرد زمین کی حرکت کے امکان سے باخبر تھے بلکہ یہاں تک کہ سیاروں کی یہ حرکت دائرے کے بجائے بیضوی مدار پر ہو سکتی ہے جس کا اشارہ البیرونی کے ان سوالات سے ملتا ہے جو ابن سینا سے کیے گئے تھے۔ اس کے باوجود ان میں سے کوئی شخص دنیا کے روایتی نظریات کو توڑنے کا ویسا اقدام نہ کر سکا جو احیائے علوم کے زمانے میں یورپ میں کیا گیا۔ کیونکہ اس طرح نہ صرف علم ہیئت میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا بلکہ دینی، فلسفی اور معاشرتی حلقوں میں بھی ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔ انسانوں کے دلوں پر عمل ہیئت کے انقلاب کے اثرات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا جب تک مسلمانوں کے یہاں علوم پر ایک مخصوص طبقے کی حکمرانی رہی اور صرف دانشوروں کے سینوں میں علوم کے پرورش پانے کا عمل جاری رہا اس قت تک طبعی میدان کی کچھ حدود و قیود کو قائم رکھا گیا تاکہ روحانی میدان کو سمجھنے اور اسے وسعت دینے کی آزادی برقرار رہے۔ کائنات کی چار دیواری کا جو تخیل موجود تھا اس کے علامتی مفہوم کی حفاظت ہوتی رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرانے علما کو یہ نظر آتا تھا کہ ان دیواروں کو توڑنے سے کائنات کا علامتی شیرازہ برباد ہو جائے گا بلکہ ایسے بیشتر لوگوں کے لیے کائنات کے معنی بھی مسخ ہو کر رہ جائیں گے جن کے لیے آسمان کو ایک طرف تو خلا میں گھومتا ہوا ایک چمکدار مادہ متصور کرنا اور اس کے ساتھ ہی اسے اللہ کا تخت بھی سمجھنا مشکل تھا۔ چنانچہ فنی امکان موجود ہونے کے باوجود دنیا کے مروجہ نظریے کو خیر باد کہنے کا قدم نہ اٹھایا گیا اور مسلمان اس نظام ہیئت کے نشو و نما اور تکمیل ہی پر قانع رہے جو انہیں یونانیوں، ہندوؤں اور ایرانیوں سے ورثے میں ملا تھا اور جو اسلامی دنیا کے نظریے کے ساتھ پوری طرح مربوط ہو چکا تھا۔

مسلمانوں کے علم ہیئت کی متعدد نئی خصوصیات میں سے بطلیموسی نظام میں پیدا کی جانے والی مختلف رقیق اصطلاحات کے علاوہ الغ بیگ کی وہ جدول ستارگان بھی شامل ہے جو بطلیموس کے بعد پہلی نئی جدول تھی۔ علاوہ ازیں ان خصوصیات میں وتروں کے طریقہ حساب کی جگہ جیبوں (Sines) کے طریقہ حساب اور علم مثلث کو رائج کرنا بھی شامل ہے۔ مسلمان ہیئت دانوں نے اسکندریہ والوں کے عمومی نظام میں دو اہم امور کے لحاظ سے ترمیم کی۔ پہلی ترمیم ان آٹھ کروں کو رد کرنا تھا جنھیں بطلیموس نے ہر فلک تک یومیہ گردش کو منتقل کرنے کے لیے فرض کر رکھا تھا۔ مسلمانوں نے ان کی جگہ ستاروں کے بغیر ایک فلک کو کائنات کی آخری حد تک ثوابت کے فلک سے اوپر مقرر کیا جو اپنی یومیہ گردش کے دوران میں سب افلاک کو اپنے ساتھ گھماتا تھا۔ دوسری ترمیم جو جو فلسفہ علوم کے لیے بڑی معنی خیز تھی افلاک کی نوعیت کو بدلنے سے متعلق تھی۔ علم ہیئت کے متعدد مسائل میں سے جو مسائل مسلمان ہیئت دانوں کے لیے خاص طور پر باعث دلچسپی تھے ان میں اجرام فلکی کی نوعیت، حرکت ستارگان اور سیاروں کے فاصلے اور جسامت شامل تھے۔ فاصلوں اور جسامت کا تعلق انہوں نے ان ریاضیاتی ماڈلوں سے معلوم کیا تھا کہ جنھیں ہیئت دان استعمال کیا کرتے۔ علاوہ ازیں انھیں بیانیہ علم ہیئت میں بھی یقیناً دلچسپی تھی جیسا کہ ستاروں کی نئی فہرستوں اور ان کے تازہ مشاہدات فلکی سے ظاہر ہوتا ہے۔

1.3-اجرام فلکی کی نوعیت

یہ بات مشہور ہے کہ بطلیموس، المجسطی میں کرہ ہائے سماوی کو خالصتاً ہندسی اشکال کے طور پر زیر بحث لایا تھا۔ جن کو اس لیے فرض کر لیا گیا تا کہ "مظاہر فطرت کو بچایا جا سکے"۔ اس طرح وہ اپنی یونانی ہیئت دانوں کی روایت پر عمل پیرا ہوا جن کو افلاک کی اصل ہیئت سے اتنی غرض نہ تھی جتنی ان کی حرکات کو ریاضیاتی قوانین کے مطابق بیان کرنے کے ذرائع سے تھی۔ مسلمانوں نے اس نقطہ نظر سے انحراف کرتے ہوئے اپنے حقیقت پسندانہ زاویہ نگاہ کے عین مطابق بطلیموسی افلاک کو "ٹھوس بنانے" کی طرح ڈالی اور اس سلسلے میں انھوں نے اس رجحان کی پیروی کی جو بطلیموس سے منسوب کتاب میں پایا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ علوم فطرت کا مقصد یہ قرار دیا کہ حقیقت کے ان پہلوؤں کو دریافت کیا جائے جن کا طبعی لحاظ سے کوئی وجود بھی ہو نہ کہ ایسی ذہنی ساختیں

بنائی جائیں جن کو حقیقت کے کسی پہلو سے ضروری مناسبت کے بغیر فطرت کے اوپر زبردستی جڑ دیا جائے۔ اس طرح بطلیموس کے خیالی افلاک کو ٹھوس حیثیت دینے کی وجہ سے مطالعہ فطرت کے لیے علوم ریاضی کے مقصد اور معانی میں زبردست تبدیلی واقع ہوئی۔ یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے جس کا فلسفہ علوم سے گہرا تعلق ہے۔ افلاک کی طبعی تشریح کرنے کے رجحان کا اظہار تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی کے ہیئت دانوں اور ماہر ریاضی ثابت ابن قرہ کے تحریروں سے اور خصوصاً افلاک کی ساخت پر اس کی لکھی ہوئی کتاب سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کا اصل نسخہ اب غالباً ناپید ہو چکا ہے مگر بعد کے کئی مصنفین جیسے موسیٰ بن میمون اور البرٹس میگنس کی تحریروں میں اس کتاب کے اقتباسات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ثابت ابن قرہ نے افلاک کو ایسے ٹھوس کروں کے طور پر تصور کیا جن کے مابین ایک لچک دار سیال مادہ موجود ہو۔

یونانیوں کے خیالی افلاک کو ٹھوس اجسام کا روپ دینے کے عمل کو الہیثم نے جاری رکھا جو علم ہیت کے مقابلے میں علم المناظر کے مطالعے میں زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ اپنی کتاب "خلاصہ نجوم" میں الہیثم سیاروں کی حرکت نہ صرف خارج المرکز دائروں کے حوالے سے بلکہ ایک ایسے ماڈل کی مدد سے بھی تشریح کرتا ہے جس نے کیپلر کے زمانے تک عیسائی دنیا پر ایک گہرا اثر قائم رکھا تاہم یہ بات باعث تعجب ہے کہ مسلم فلاسفروں اور عالموں نے بطلیموسی افلاک کو ٹھوس شکل دینے کے نتائج کو بالعموم لائق توجہ نہیں سمجھا۔ مشائین اندلس مثلاً ابن طفیل اور ابن رشد ارسطو کی طبیعات کے دفاع کے لیے بطلیموسی نظام پر حملے کرتے وہ الہیثم کے کام کو نظر انداز کر جاتے اور اس کی شاید یہ وجہ تھی جیسا کہ دوہیم کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے ان کا استدلال کمزور پڑ جاتا۔ بہر حال الفانسو کے حکم پر جب الہیثم کے رسالے کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ شائع کیا گیا تو اس کام سے بطلیموس کے لاطینی حامیوں کے ہاتھوں میں ارسطو کے معتقدین کے حملے سے بچنے کے لیے ایک ہتھیار آ گیا۔ دنیائے اسلام میں ہیئت دانوں نے اس تصنیف کو قبولیت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا اور تین صدیوں بعد نصیر الدین الطوسی نے الہیثم کے خلاصہ نجوم پر مبنی اور اس کے خیالات کی مکمل پیروی کے ساتھ افلاک کے متعلق ایک رسالہ تحریر کیا۔

اس طرح لکھتا ہے۔

"دائروں کی حرکت اور اس فرضی نقطے کو جن کے متعلق بطلیموس نے محض تجریدی انداز میں بحث کی ہے ہم چپٹی یا کروی سطحوں پر منتقل کر دیتے ہیں جن کو اسی ایک حرکت سے متحرک کیا جائے گا۔ درحقیقت یہ اندازپیشکش زیادہ صحیح ہے۔ علاوہ ازیں یہ زیادہ قابل فہم بھی ہے۔ ہماری توضیح ان توضیحات سے زیادہ مختصر ہوگی جس میں صرف اس فرضی نقطے اور ان خیالی دائروں سے مدد لی جاتی ہے۔ ہم نے افلاک میں پائی جانے والی مختلف النوع حرکات کا اس طرح مطالعہ کیا ہے کہ ان میں سے ہر حرکت کو ایک کروی جسم کی سادہ، مسلسل اور نہ رکنے والی حرکت میں تبدیل کیا جا سکے۔ اس طرح وہ سب اجسام جنہیں ان حرکات کے لیے مقرر کیا جائے بیک وقت سرگرم عمل کیے جا سکتے ہیں اور اس عمل کے دوران میں ان کے محل وقوع میں کوئی غلطی پیدا نہ ہوگی نہ ہی ان کے راستے میں کوئی ایسی چیز حائل ہو سکے گی جس سے وہ ٹکرا جائیں یا جسے دبانا یا توڑنا پڑے۔ علاوہ ازیں یہ اجسام اس حرکت کے دوران ایک ایسے مادے کے ذریعے سے ایک دوسرے سے منسلک رہیں گے جو ان کے مابین موجود ہے"۔

افلاک کی تشریح کرتے ہوئے الہیثم لکھتا ہے کہ کائنات کے آخری کنارے پر:

"ارفع اور حقیقی آسمان موجود ہے جو تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور جو ثوابت کے کرہ کے ساتھ پیوست ہے۔ اپنے قطبین پر جو کہ زمین کے قطبین بھی ہیں مشرق سے مغرب کی طرف تیزی سے گھومتا ہے اور اپنی گردش کے دوران میں وہ مختلف کواکب کے تمام افلاک کو بھی اپنے ساتھ ساتھ لیے جاتا ہے۔۔۔ وہ خود بغیر ستاروں کے ہے"۔

جہاں تک ثوابت کے فلک کا تعلق ہے یہ:

ایک کرہ ہے جو دو کروی سطحوں کے درمیان واقع ہے۔ان سطحوں کا مرکز وہی ہے جو اس کرے کا اور زمین کا ہے۔اس کرے کی بیرونی سطح سب سے بڑے فلک کے ساتھ ملی ہوئی ہے جس کے اندر تمام متحرک افلاک موجود ہیں اور جو انھیں اپنے ساتھ تیزی سے متحرک رکھتا ہے۔اس کرے کی اندرونی سطح زحل کے مدار سے ملی ہوئی ہے۔ یہ ثوابت کا فلک دو ساکن قطبین پر بروج کی ترتیب کے مطابق مغرب سے مشرق کی طرف گھومتا ہے۔اس کی حرکت سست یعنی ایک سو سال کے عرصے میں یہ صرف ایک درجہ گھومتا ہے جب کہ دائرے میں تین سو ساٹھ درجے ہوتے ہیں۔اس فلک کے قطبین وہی ہیں جو ان بروج کے فلک کے ہیں جن میں سے سورج گزرتا ہے۔ بطلیموس بھی جس نے متقدمین کے مشاہدات اور خود اپنے مشاہدات سے اسے دریافت کیا تھا اس کا ذکر کرتا ہے۔ تمام ثوابت اس فلک میں جڑے ہوئے ہیں جو اس کے اوپر اپنے محل وقوع کو کبھی تبدیل نہیں کرتے۔ان کے باہمی فاصلوں میں کوئی تغیر و تبدیل نہیں ہوتا بلکہ وہ اکٹھے بروج کی ترتیب کی سمت میں اور اپنے افلاک کی سمت حرکت کے مطابق چلتے ہیں۔

بالائی تین سیاروں یعنی زحل، مشتری اور مریخ کے کرے نہ صرف افلاک کی تعداد کے لحاظ سے جو ان کے لیے مقرر ہیں بلکہ اس حرکت کے لحاظ سے بھی جو انہیں گردش میں رکھتی ہے ایک دوسرے سے مکمل طور پر مشابہ ہیں۔ان میں سے ہر سیارے کا اپنا اپنا کرہ ہے جو دو باہم متوازی کروی سطحوں سے بنتا ہے۔ان سطحوں کا مشترک مرکز زمین کا مرکز ہے۔ ہر کرہ اپنے سے پچھلے والے کرے سے پیوست ہے۔ پہلا فلک زحل کا ہے جس کی بیرونی سطح ثوابت کے کرے کی سطح سے گھری ہوئی ہے اور اس کی اندرونی سطح مشتری کے کرے سے ملی ہے۔ علاوہ ازیں مشتری کے کرے کی اوپر والی سطح زحل کے کرے کو چھوتی ہے اور اس کی نچلی سطح مریخ کے کرے کو چھوتی ہے۔ بالآخر مریخ کے کرے کی بیرونی سطح مشتری کے کرے کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ جب کہ اس کی اندرونی سطح سورج کے مدار کو مس کرتی ہے۔ان میں سے ہر فلک ایک ہی طرح کی سست رفتار سے اور ایک ہی محور کے گرد گھومتا ہے جو بروج کے فلک کے قطبین میں سے گزرتا ہے۔

الغرض مسلمانوں نے علم فلکیات میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں اور بقول محمد اکرم چغتائی دور بنی

مشاہدات اور فلکیاتی جدولوں کی بدولت مسلمانوں نے دنیا بھر میں فلکیات کے علم میں بہت اضافہ کیا،اور آج بھی بے شمار ستاروں کے جدید نام عربی ناموں سے ماخوذ ہیں جیسے **الطاہر** (altair)، **الدبران** (Aldahbran)،ذنب الا سد(Danebola) وغیرہ۔[1]

2- ریاضیات میں مسلمانوں کی خدمات

ریاضی ریاضت سے ماخوذ ہے جس سے مراد مشق، ورزش اور ریاضت ہے، علم ریاضی سیکھنے کے لئے چونکہ ذہنی ریاضت کی جاتی ہے ،اس لئے اسے ریاضی کہا جاتا ہے۔ ریاضی میں شامل اہم علوم علم حساب، علم ہندسہ، علم جبر و مقابلہ اور علم جیو میٹری ہیں۔اہم مسلمان سائنسدانوں کی ریاضی میں خدمات حسب ذیل ہیں:

2.1- الخوارزمی

ابو جعفر بن موسیٰ الخوارزمی (نویں صدی عیسوی) کا شمار خلیفہ مامون الرشید کے دور کے نامور سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ وہ فلکیات اور جغرافیہ کے لیے علم ریاضی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس کی اہم تصنیف "الجبرا" عملی ریاضی کے موضوع پر ہے۔اس تصنیف کا مقصد لوگوں کی وراثت، شراکت، تجارت اور قانونی مقدمات کے مختلف مسائل کے حل کے بارے میں آسان حساب طریق کار سے روشناس کرانا تھا۔اس تصنیف کے پہلے حصہ میں الجبرے پر اس مضمون کے جدید مفہوم کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے اور دوسرا حصہ پیمائش اور مساحت سے تعلق ہے۔ کتاب کے تیسرے حصے میں ترکے کے مسائل حل کیے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک

---

1 پروفیسر عبداللہ ھارون، ایس ایم شاہد: اسلام اور سائنس، ایور نیو پیلس، اردو بازار، لاہور، ص 495-509، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور ، ص 243-257، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج، نشریات، لاہور 2007

''الجبرا'' کا مفہوم منفی مقداروں کو ساکت کرنا ہے اور ''المقابلہ'' سے مراد متوازن کرنا ہے۔ اس سے کسی مساوات کے طرفین کی ایک جیسی قوت رکھنے والی مثبت مقداروں کو مختصر کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ "**الجبرا**" اور "**المقابله**" کے مجموعی علم کا نام "**الجبرو المقابله**" ہے جسے مختصر الفاظ میں "**الجبرا**" کا نام دیا جاتا ہے۔ الجبرا کے موضوع پر الخوارزمی کی کتاب کا پورا نام "**کتاب المختصر فی حساب الجبرا و المقابله**" ہے۔

خوارزمی نے الجبرے کی علامتیں استعمال نہیں کیں بلکہ رقوم کو الفاظ میں درج کیا ہے۔ اس نے اعداد کو بھی ہندسوں کے بجائے الفاظ میں لکھا ہے۔ وہ نامعلوم مقدار کے لیے "شے" اور کسی مقدار کی دوسری طاقت کے لیے "مال" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ "مال" کا لفظ بعض مقامات پر صرف مقدار کے لیے بھی آیا ہے۔ دوسری طاقت کے ساتھ پہلی طاقت کو بیان کرتے وقت وہ پہلی طاقت کے لیے "جذر" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اکائی کے لیے اس نے "درہم" کا لفظ استعمال کیا ہے جو ایک کرنسی کی اکائی بھی ہے۔

اس نے اپنی کتاب میں عملی پیمائش پر بھی کافی بحث کی ہے اور دائرے اور دوسری سطح اشکال کا رقبہ معلوم کرنے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف ٹھوس اجسام مثلاً مخروط، اہرام اور ناقص اہرام کا حجم معلوم کرنے کے طریقے بھی بیان کیے ہیں۔

محققین کا خیال ہے کہ الخوارزمی نے الجبرے میں ہندی ریاضی دانوں سے استفادہ کیا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس نے مشہور یونانی ریاضی دان اقلیدس سے بھی کافی حد تک اکتساب کیا ہے۔ الخوارزمی نے ہندی اعداد کے استعمال پر بھی کتاب لکھی تھی جو لاطینی ترجمہ کی صورت میں دستیاب ہے۔ اس کتاب نے بہت سی تحقیقات اور تصنیفات کو جنم دیا۔ پھر خوارزمی کا نام ہندی اعداد سے اس قدر وابستہ ہوا کہ ہندی اعداد پر مشتمل جدید ریاضی کی ہر تصنیف کا نام اس کے نام کی لاطینی صورت یعنی (Algorismus) پر رکھا جانے لگا۔

اس کی کتابوں کی بہت سی زبانوں میں تراجم اس امر کا ثبوت ہیں کہ وہ ایک بڑا ریاضی دان تھا۔ اہل مغرب صدیوں تک اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ موجودہ زمانے میں بھی اس کے پیش کردہ کلیوں اور

قاعدوں کو مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔

2.2- الفرغانی

الفرغانی (نویں صدی عیسوی) بنیادی طور پر ایک انجنیئر تھا۔اس کی کتاب **"جامع الفرغانی"** میں جہاں فلکیات وغیرہ پر بحث کی گئی ہے وہاں مختلف موضوعات میں ریاضی کو بھی داخل کیا گیا ہے۔ خصوصا جیومیٹری سے متعلقہ مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔تاہم یہ کتاب مکمل طور پر ریاضی کی کتاب نہیں بلکہ ریاضی کو جزوی طور پر لیا گیا ہے۔

2.3- حبش الحاسب

(متوفی 874ء) بنیادی طور پر ایک ہیئت دان تھا۔ اس نے ہیئت پر جو کتابیں لکھیں ان میں ریاضی خصوصاً جیومیٹری اور حسابی عمل بھی شامل ہیں۔اس کی تصانیف سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑا ریاضی دان بھی تھا۔

2.4-الکندی

الکندی کا شمار حکمائے اسلام میں ہوتا ہے۔ وہ بھی ریاضی میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔اس نے دیگر علوم کے علاوہ ریاضی اور جیومیٹری کے موضوعات پر بھی کتابیں لکھیں۔اس کی ہیئت اور فلکیات کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں بھی ریاضیاتی اصول و قواعد شامل ہیں۔ اس نے اقلیدس کے نظریات کا تتبع کیا ہے اور ساتھ ہی اقلیدس کے بعض مسائل پر تنقید بھی کی ہے۔اس نے طبعی شعبہ میں اجزااور اثرات کے مابین ریاضیاتی رشتے قائم کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

2.5-الماہانی

ابو عبد اللہ محمد بن الماہانی (نویں صدی عیسوی) ایک مہندس اور حساب دان تھا۔ عمر خیام کے قول کے مطابق الماہانی وہ پہلا سائنس دان تھا جس نے ارشمیدس کے ایک اہم مسئلے کا حل الجبرے کے اصولوں کے

مطابق نکالنے کی کوشش کی۔ یہ مسئلہ ایک کمرے کو کسی مستوی کے ذریعے ایسے حصوں میں تقسیم کرنے سے متعلق تھا جن کے حجم آپس میں دی گئی نسبت کے مطابق ہوں۔ یہ مسئلہ الماہانی پوری طرح حل نہ کر سکا۔ بعد میں الخازن نے اسے حل کیا۔ الماہانی نے اقلیدس کی کتاب "اولیات" کے بعض حصوں کی شرح بھی لکھی۔ اس نے کچھ ہندسوں کی فرمائش پر مبنی لاؤس کی گمشدہ کتاب "SHAERICA" کی جلد اول و دوم کے کچھ حصے نئے سرے سے ترتیب دے کر ایک اصلاح شدہ مسودہ تیار کیا۔

2.6-الجوہری

العباس ابن سعید الجوہری (نویں صدی عیسوی) ایک ہیئت دان ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر ریاضی دان تھا۔ اس نے اقلیدس کی کتاب "عناصر" کی شرح لکھی جس کا نام **"کتاب التفسیر اقلیدس"** تھا۔ اس نے اقلیدس کی ایک اور کتاب کی شرح بھی لکھی۔ اس نے اقلیدس کے مسائل میں اضافہ کیا۔ الجوہری نے جیومیٹری کے چھ مسائل بیان کیے اور انھیں ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

2.7-حسن بن موسیٰ شاکر

حسن بن موسیٰ شاکر ہندسہ اور جیومیٹری کا بہت بڑا محقق تھا۔ اس نے نہ صرف جیومیٹری میں صرف اقلیدس کے لکھے ہوئے مسئلوں کی وضاحت کی بلکہ خود بھی نئے مسائل وضع کیے۔ جیومیٹری میں اس کا خاص کارنامہ وہ مسائل ہیں جو اس نے بیضے (Ellipse) کے متعلق بیان کیے ہیں۔ اس سے پہلے ریاضی دان صرف دائرے ہی کے مسائل سے واقف تھے، انھیں بیضے کے مسئلوں سے آگاہی ہی نہ تھی اور نہ وہ بیضے کو بنانے کا قاعدہ جانتے تھے۔

2.8-ثابت بن قرہ

ثابت بن قرہ (متوفی 901ء) فلکیات، میکانیات اور طب میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر ریاضی دان بھی تھا۔ اس نے ریاضی کی قریباً تمام شاخوں میں کام کیا اور بہت سی قدیم ریاضی کی کتابوں کو یونانی

سے عربی میں منتقل کیا۔اس نے اقلیدس کی "عناصر" اور بطلیموس کی "**المجسطی**" کی شرحیں بھی لکھیں۔اس کی تصنیف "**کتاب المفروضات**" قرون وسطی میں بے حد مقبول ہوئی۔اس کتاب میں ابتدائی جیومیٹری اور مذہبی الجبرے کے چھتیس مسائل ہیں۔اس نے مرکب نسبتوں کے بارے میں ایک کتاب لکھی جو ''کتاب فی تالیف النسب'' کے نام سے مشہور ہوئی۔اس نے "**رسالته فی شکل القطاع**" میں کامل کروی، متوازی الاضلاع تھیوری کا نیا اور عمدہ ثبوت فراہم کیا۔اس تھیوری کو مختلف شکلوں میں بیان کرنے کے لیے اس نے مرکب نسبتوں کی ذاتی تھیوری سے کام لیا۔ثابت نے علم المساحت کے سلسلہ میں ''مقالتہ فی مساحات المجسمات المکافتہ'' نامی کتاب بھی تحریر کی۔اس کی مساحت پر ایک اور کتاب "**فی مساحته الاشکال المسطحته والمجسمته**" ہے جس میں مستوی شکلوں کے رقبے اور ٹھوس جسموں کا حجم اور سطحی رقبہ معلوم کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔علاوہ ازیں اس نے ریاضی پر بہت سی کتابیں لکھیں۔

2.9-احمد بن یوسف

احمد بن یوسف (متوفی 912ء) اپنے وقت کا ایک بہت بڑا ریاضی دان تھا۔اس نے نسبت و تناسب، مماثل قوسین اور بطلیموس کی ایک کتاب کی شرح لکھی جن کا بعد میں لاطینی میں ترجمہ ہوا۔احمد کی ریاضیاتی خدمات آج تک تسلیم کی جاتی ہیں۔

2.10-ابو کامل شجاع

ابو کامل شجاع بن اسلم بن محمد شجاع (متوفی 930ء) الحاسب المصری (مصر کا حسابدان) کہلاتا ہے۔اسے الجبرا میں بھی مہارت نامہ حاصل تھی اور جیومیٹری میں بھی۔اس کی ایک کتاب کا نام "**الطرائف فی الحساب**" ہے جس کا موضوع غیر معین مساواتوں کا مکمل حل ہے۔الجبرا اور جیومیٹری پر اس کی کتاب کا نام "**الهمس و العشر**" ہے اس میں چار درجی مساواتوں اور غیر ناطقی سروں والے مخلوط دو درجی جملوں کے حل سے بھی بحث کی گئی ہے۔اس کی ایک اور کتاب "**فی الجبر و المقابله**" ہے۔

2.11-ابراہیم ابن سنان

ابراہیم ابن سنان (متوفی 946ء) طب، فلکیات اور ریاضی کا ماہر تھا۔ قطع مکانی (Parabola) اور تحصیل و ترکی (Analysis and Synthesis) اس کے اہم موضوع تھے۔ ریاضی میں تحقیق کی بدولت اسے ریاضیاتی فلسفے کے مسائل کو حل کرنے والے اولین عرب ریاضی دانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی تحقیق اپنے زمانے میں عملی جیومیٹری پر تنقید کی صورت رکھتی تھی۔

2.12-الفارابی

ابو نصر محمد بن طرخان الفارابی (متوفی 950ء) جو بنیادی طور پر ایک فلسفی تھا، ریاضی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے اقلیدس کی کتاب "عناصر" اور بطلیموس کی کتاب "Almagets" پر شرحیں لکھیں، تاہم ریاضی کا وہ فن جو اس کی توجہ کا مرکز بنا، موسیقی تھا۔

2.13-الخازن

مشہور فلکیات دان اور ریاضی کا ماہر تھا۔ الخازن ریاضی، علم ہندسہ اور سیاروں کے خطوط حرکت پر مبنی نجومیاتی حسابات کا ماہر تھا۔ خیام کے مطابق اس نے مخروطی اشکال کی مدد سے مکعب مساوات کا پہلا حل تلاش کیا اور اقلیدس کی پانچویں شق کا خام ثبوت پیش کیا۔

2.14-ابوالوفاء

ابوانصر محمد بن یحیٰ البوزجانی (متوفی 998ء) ماہر فلکیات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر ریاضی دان بھی تھا۔ اس کی عملی حساب پر ایک کتاب کا نام " **كتاب فى مايحتاج اليه الكتاب والعمال من علم الحساب** " ہے جس میں ریاضیاتی سائنس کے حوالے سے تاجر حضرات اور منشی گیری کے پیشہ سے منسلک لوگوں کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے تین حصے نظریاتی و اصولی ریاضی کے مسائل پر ہیں اور بقیہ چار حصوں میں کام کے معاوضے کی ادائیگی، تخمینی عمل، متعدد اجناس کے تبادلے اور فروخت سے متعلقہ

مسائل حل کیے گئے ہیں۔اس کتاب میں مساحت و پیمائش کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔اس نے اعداد و شمار اور حسابات کو ہندسوں کے بجائے الفاظ میں درج کیا ہے۔

2.15-الجیلی

(گیارھویں صدی عیسوی) نے "اصول حساب الہند" نامی کتاب لکھی جس میں فلکیاتی حسابات میں ہندی طریق کار کو روشناس کرایا گیا ہے۔اس میں ہندی اعداد اور نظام اعشاریہ کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

2.16-الکرجی

الکرجی جسے الکرخی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے علم ریاضی میں مہارت نامہ رکھتا تھا۔اس نے الجبرائی علم الاحصاء کی پہلی اور مکمل بلکہ واحد تھیوری پیش کی اور الجبرا کے علم کو ایک نیا رخ دیا۔بعضوں کے نزدیک وہ "کثیر رقمہ اعداد"(Polynomials) کے الجبرا کا سب سے پہلا مصنف ہے۔

2.17-المجریطی

ابو القاسم مسلمہ بن احمد الفرضی المجریطی نے "معاملات" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں فروخت، تشخیصی فہرست جائیداد اور محصولات وغیرہ کو موضوع بحث بنایا گیا تھا۔اس میں ریاضیاتی، ہندسی اور الجبرے کے عوامل کا استعمال کیا گیا ہے۔

2.18-ابن عراق

ابن عراق (متوفی 1036ء) جو ایک ہیئت دان تھا علم جیومیٹری کا بھی ماہر تھا۔اس نے تکونیات کے سلسلہ میں بھی ماہرانہ خدمات انجام دیں۔

2.19-ابن الہیثم

سائنس دان ابن الہیثم (متوفی 1040ء) ماہر بصریات اور ہیئت دان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت

بڑا ریاضی دان بھی تھا۔اس نے یہ مسئلہ پیش کیا کہ انعکاس کرنے والی سطح، جو مستوی، کروی، اسطوانی یا مخروطی ہو سکتی ہے اور مقعر یا محدب کے بالمقابل دو نقاط سے سطح پر واقع ایک یا زیادہ نقاط دریافت کرنا جہاں سے ایک نقطہ کی روشنی منعکس ہو کر دوسرے نقطہ پر پہنچتی ہے۔اس نے مذکورہ مسئلہ کو حل کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔اس کی تین کتابیں اقلیدس کی کتاب "عناصر" کے تین مختلف حصوں سے پیدا ہونے والے اشکلات کا حل پیش کرتی ہیں۔اس نے "اقلیدس کے عناصر کے اشکلات کا حل" بھی دریافت کرنے کی کوشش کی اور اس موضوع پر ایک کتاب بھی تحریر کی۔اس نے اقلیدس پر تنقید کی ہے اور اس کے بعض اصولوں کے برعکس اپنی طرف سے اصول وضع کیے ہیں۔اس نے مساحت پر بھی کئی کتابیں لکھیں۔

2.20-النسوی

ابو الحسن احمد النسوی (گیارہویں صدی عیسوی) نے حساب اور جیومیٹری میں نمایاں خدمات انجام دیں۔اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اعشاری نظام کا نظریہ حساب میں استعمال کیا تاہم اس قول کی تردید کی جاتی ہے۔اس نے اپنی کتاب میں مکمل اعداد اور عام کسروں کا ہندوستانی طریق کار پیش کیا ہے۔اس نے جیومیٹری پر بھی کافی کام کیا اور "**الاشباع**" نامی کتاب تحریر کی۔اس نے ارشمیدس کی کتاب Lemmata کی درستی اور اصلاح بھی کی۔

2.21-البیرونی

ابوریحان البیرونی (متوفی 1050ء) نے حساب پر آٹھ اور جیومیٹری پر پانچ کتابیں تحریر کیں۔

2.22-الجیانی

ابو عبد اللہ محمد بن معاذ الجیانی (گیارہویں صدی عیسوی) فلکیات اور ریاضی کا ماہر تھا۔اس نے کروی مثلثات کے موضوع پر "**کتاب مجہولات فی الکرہ**" نامی کتاب لکھی۔اس نے جیومیٹری میں استعمال ہونے

والی پانچ مقداروں عدد، خط، سطح، زاویہ اور مجسم کا تعین کیا۔ اس نے اقلیدس کی کتاب کی پانچویں فصل میں پائے جانے والے مبہم تصورات کی وضاحت کرنے کے لیے ایک کتاب لکھی۔

2.23-عمر خیام

عمر خیام (متوفی 1131ء) ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر ریاضی دان بھی تھا۔ اس نے فلکیات پر جو کتابیں لکھیں ان میں ریاضیاتی پہلو بھی شامل ہیں۔ اس نے الجبرے پر ایک کتاب لکھی جو **"رسالته فی البراہین علیٰ مسائل الجبر و المقابلته"** ہے۔ اس نے ہندی الجبرا پر کچھ اصولوں کا اضافہ کیا اور مربع المربع، مربع المکعب اور مکعب المکعب کے اضلاع دریافت کیے۔ اس نے اپنی ایک کتاب میں حساب خصوصاً ہم عاد نسبتوں کا اطلاق کیا ہے۔ اسی کتاب میں اس نے موسیقی سے متعلقہ ریاضیاتی مسائل بھی حل کیے ہیں۔ اس نے ایک کتاب میں اقلیدس پر بھرپور تبصرہ کیا ہے اور حساب کی نظری بنیادوں کو موضوع بنایا ہے۔ اس کی مکعب مساواتوں کے ہندسی نظریے کی تشکیل کو کسی مسلمان ریاضی دان کی کامیاب ترین کوشش کہا جا سکتا ہے۔

2.24-الاقلیدسی

الاقلیدسی (بارہویں صدی عیسوی) نے ریاضی پر ایک کتاب لکھی جس کا نام **"کتاب الفصول فی الحساب الہندی"** ہے۔ اس کتاب میں ہندی اعداد اور اعداد کی مقامی قیمت سے بحث کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں حسابیاتی عملوں کا طریقہ بھی سمجھایا گیا ہے۔

2.25-شرف الدین الطوسی

شرف الدین الطوسی (متوفی 1213ء) ماہر فلکیات ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر ریاضی بھی تھا۔ الجبرا کے موضوع پر اس نے **"کتاب فی الجبر و المقابلہ"** نامی کتاب تصنیف کی۔ اس کی اصطرلاب پر لکھی گئی کتابوں میں بھی ریاضیاتی مسائل شامل ہیں۔

2.26-نصیرالدین طوسی

محمد بن محمد بن الحسن المعروف نصیر الدین طوسی (متوفی 1274ء) ہیئت اور فلسفہ کے علاوہ علم ریاضی میں بھی ماہر تھا۔اس نے بہت سی یونانی ریاضی دانوں کی کتابوں پر حواشی تحریر کیے۔اس نے حساب، جیومیٹری اور تکونیات پر خود بھی کتابیں لکھیں۔

2.27-الشیرازی

قطب الدین محمود الشیرازی(متوفی 1311ء) نے ہندسے کے موضوع پر نصیر الدین طوسی کی کتاب "تحریر اصول اقلیدس" کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور لڑھکنے کی حرکت اور مستوی و منحنی کے مابین نسبت پر ایک رسالہ لکھا۔اس نے ریاضیاتی ہیئت پر بھی کام کیا۔

2.28-ابن البناالمراکشی

ابوالعباس احمد بن محمد بن عثمان المعروف ابن البناالمراکشی (متوفی 1321ء) نے "رفع الحجاب" نامی کتاب لکھی جس میں کسر کی ایک قسم سے بحث کی گئی ہے جو موجودہ دور میں مسلسل کسروں سے مطابقت رکھتی ہے۔

2.29-الکاشی

غیاث الدین جمشید مسعود المعروف الکاشی (متوفی 1429ء) نے ریاضیاتی، فلکیاتی مطالعہ میں نمایاں نتائج اخذ کیے۔اس نے "مفتاح الحساب" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ابتدائی ریاضی کی ایک معتبر کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ اس میں حساب دانوں مثلا ہیئت دانوں ، زمین کا سروے کرنے والوں، ماہرین تعمیرات، منشیوں اور تاجروں کی ضروریات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔اس میں الجبرا کے مسائل بھی شامل ہیں۔اس نے حسابی قواعد کو ہندسوں کے بجائے الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

2.30- قاضی زادہ الرومی

المعروف صلاح الدین موسیٰ پاشا (متوفی 1436ء) نے ریاضی میں قابل قدر کام کیا۔ اس نے الجبرا اور جیو میٹری سے متعلقہ مسائل پر ایک کتاب بھی لکھی۔ اس کی کتاب " **رسالته فی الحساب** " میں الجبرا اور ناپ تول کے اوزان کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کی ایک کتاب کا نام " **شرح اشکال التاسیس** " ہے جس میں اقلیدس کی کتاب "عناصر" سے 35 مسئلے دیئے گئے ہیں۔

2.31- الغ بیگ

الغ بیگ (متوفی 1449ء) جو فلکیات اور ہیئت میں مہارت رکھتا تھا ریاضی میں بھی کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے تکونیاتی جداول تیار کیے۔

2.32- القلصاوی

ابوالحسن علی بن محمد بن علی القلصاوی (متوفی 1486ء) اسپین کا آخری ریاضی دان سمجھا جاتا ہے۔ اس نے الجبرا اور حساب کے موضوع پر کتابیں اور بعض کتب کی شرحیں لکھیں۔ القلصاوی نے اپنی کتابوں میں الجبری مساواتوں میں علامتوں کا استعمال کیا جب کہ اس سے قبل ہندسوں کو الفاظ میں لکھا جاتا ہے۔ اس نے غیر کامل مربعوں کا جذر حاصل کرنے کے لیے متواتر تخمینہ کا طریقہ استعمال کیا۔ اس نے کثیر ضلعی اعداد جیسے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا۔

3- ریاضیات میں مسلمانوں کی خدمات کا مختصر جائزہ

عرب عام طور پر علم ریاضی سے واقف تھے۔ وہ روزمرہ حساب کتاب اور تجارت سے متعلق ضروری اصول و قواعد سے بھی واقف تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد میراث کے مسئلہ میں کسری اعداد سے واقفیت حاصل کرنا بھی ضروری ہو گیا۔ اس سلسلہ میں فقہائے اسلام نے کافی غور و خوض کیا اور میراث کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے مطابق ریاضیاتی اصول و قواعد منضبط کیے۔

دور بنی عباس میں جب دار الحکمت کے نام سے ایک علمی ادارہ قائم ہوا تو یونانی سائنسدانوں کی بے شمار کتب کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا جن میں ریاضی سے متعلقہ تصانیف بھی شامل تھیں۔اس طرح عرب یونانی ریاضی دانوں سے آشنا ہوئے اور ان سے متاثر ہو کر خود بھی ریاضی میں نئی نئی باتیں وضع کرنے لگے۔اسی اثنا میں بہت سے مسلمان ریاضی دان پیدا ہوئے۔

مسلمان سائنس دانوں میں زیادہ تر لوگ علم ہیئت اور علم فلکیات کے ماہر تھے اور بعض فلسفی کے طور پر مشہور ہوئے۔ان علوم کے ماہرین بھی علم ریاضی میں کمال رکھتے تھے۔ بعض حضرات نے صرف ریاضی ہی پر کام کیا اور ریاضی کی مختلف شاخوں کو موضوع بحث بنایا۔ان ریاضی دانوں کی کتابیں مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئیں، خصوصی طور پر لاطینی میں زیادہ تراجم ہوئے۔یہ کتابیں یورپ پہنچیں تو وہاں کے اہل علم نے ان سے استفادہ کیا اور ریاضی کے ارتقاء میں حصہ لیا۔ بقول کاراڈی واکس مسلمانوں نے مختلف علوم میں بہت بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔انھوں نے ریاضیات میں اعداد کا استعمال سکھایا حالانکہ وہ ان کے موجد نہ تھے۔اور اس طرح وہ روز مرہ زندگی میں علم الحساب کے بانی بن گئے۔انھوں نے الجبرا کو زیادہ صحیح علم بنایا اور اسے بے انتہا ترقی دی۔اس کے علاوہ ہندسہ تحلیلی کی بنیادیں استوار کیں۔وہ بلاشبہ سطحی و کروی مثلثات (ٹرگنو میٹری) کے موجد تھے۔ جن کا یونان میں کوئی وجود نہ تھا۔رابرٹ بریفالٹ مسلمانوں کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ : دنیائے حاضر پر اسلامی علوم و فنون کا بڑا احسان ہے۔عربوں نے علم کے ان تمام سرچشموں سے جو دستیاب ہو سکتے تھے اپنا علم حاصل کیا۔انھوں نے قدیم علوم میں تحقیق کی نئی روح پیدا کی۔ریاضی کو ترقی دی اور تجربے اور مشاہدے کی پیمائش کے اسلوب اختیار کیے۔انھوں نے یونانیوں کے علمی نظریات پر تنقید بھی کی اور ان پر اضافہ بھی کیا۔اسی طرح جارج سارٹن نے بھی مسلمانوں کی علمی و سائنسی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ

"گیارہویں صدی عیسوی میں علم و حکمت کا حقیقی ارتقاء مسلمانوں کا رہین منت تھا۔اس زمانے میں اچھوتی اور نادر خدمات کا تعلق صرف ریاضی سے ہے اور اول تا آخر مسلمانوں ہی

کی سعی کا نتیجہ ہے"۔[1]

4-زراعت میں مسلمانوں کی خدمات

"علم الزراعت" کو عربی زبان میں "علم الفلاحت" بھی کہتے ہیں۔ فلاحت سے مراد ہے کاشتکاری، کھیتی باڑی، زراعت۔

آئندہ سطور میں زراعت میں مسلمانوں کی خدمات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

4.1-ابن الوحشیہ

ابو بکر احمد بن علی ابن المختار المعروف ابن وحشیہ علم طب، موسمیات، نباتیات اور زراعت میں مہارت نامہ رکھتا تھا۔ اس نے زراعت کے موضوع پر "**الفلاحته النبطیه**" نامی کتاب لکھی۔ یہ کتاب غالباً 904ء میں مکمل ہوئی۔ 930ء میں اس کے ایک شاگرد احمد بن الحسنین بن علی نے اس کی نقول تیار کروائیں۔ یہ کتاب عملی زراعت سے تعلق رکھتی ہے۔ بعد میں اس کتاب کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا۔

4.2-الزہراوی

ابوالقاسم خلف ابن عباس الزہراوی جو قرطبہ کا رہنے والا تھا ایک ماہر سرجن اور طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ زراعت اور نباتات میں بھی شغف رکھتا تھا۔ اس نے علم زراعت پر ایک مختصر سی کتاب لکھی جس کا نام "**کتاب الفلاحته**" ہے۔

---

1 (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور،، ص ص 232-205،242، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج، نشریات، لاہور 2007)

4.3-ابن وافد

ابن وافد ایک ماہر طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ علم نباتات اور علم زراعت میں دلچسپی رکھتا تھا۔اس نے طیطلہ کے بادشاہ المامون کی فرمائش پر بادشاہ کی پھلواڑی میں ایک باغ لگایا تھا۔اس کے ایک شاگرد ابن بصال نے بادشاہ کے اس باغ کو مطالعہ اور تحقیق کا مرکز بنایا تھا۔اس نے علم فلاحت پر ایک مختصر کتاب لکھی جس کا نام "مجموع الفلاحته" ہے۔

4.4-ابن بصال

ابن بصال جو وافد کا شاگرد تھا اور طلیطلہ کا رہنے والا تھا نے اپنی ساری زندگی فلاحت و زراعت کے مطالعہ میں صرف کر دی۔وہ طلیطلہ کے بادشاہ المامون کی ملازمت میں بھی رہا اور باغبانی سے متعلقہ خدمات انجام دیتا رہا۔اس نے علم فلاحت پر ایک کتاب لکھی اور بعد میں اس کتاب کی تلخیص "کتاب القصده البیان" کے نام سے لکھی جو سولہ ابواب پر مشتمل تھی۔یہ کتاب ابن بصال کے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے۔

4.5-ابو عمر احمد

ابو عمر احمد جو ابن بصال کا ہم عصر تھا نے "المقنع" نامی کتاب لکھی۔اس نے اس کے علاوہ زراعت پر کئی کتابیں لکھیں۔

4.6-علی ابن اللونقہ

ماہر نباتات تھا اور فلاحت میں شغف رکھتا تھا۔اکثر مورخین نے اس کی فلاحت سے متعلقہ خدمات کا ذکر کیا ہے۔

4.7-محمد بن مالک

غرناطہ کا رہنے والا تھا اور علم فلاحت میں مہارت رکھتا تھا۔وہ ابن بصال کا ہم عصر تھا۔

4.8-ابن العوام

ابن العوام علم زراعت میں مہارت رکھتا تھا۔اس نے زراعت پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "**کتاب الفلاحت**" ہے۔زراعت پر اس کی کتاب کو اس موضوع پر اندلس ہی میں نہیں بلکہ از منہ وسطیٰ کی بہترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔یہ کتاب کافی عرصہ یورپ میں شعبہ زراعت میں بطور نصاب داخل رہی۔یہ کتاب انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں ہسپانوی زبان میں شائع ہوئی۔کتاب الفلاحت کے ماخذ کا سلسلہ عربی سرچشموں بالخصوص ابن الوحشیہ کی تصنیف سے لے کر یونانی معلومات تک پہنچتا ہے۔اس میں مصنف نے اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات بھی بیان کیے ہیں۔بعض کا کہنا ہے کہ ابن العوام کی عربی ماخذ سے استفادہ کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ زراعت، باغبانی اور چمن آرائی سے عربوں کو بالخصوص شغف تھا۔چنانچہ سپین کے باغوں میں آج بھی ایک حد تک عربی نمونوں کا اتباع کیا جاتا ہے۔

4.9-ابو عثمان

ابو عثمان سعد بن ابو جعفر نے "**اصول صناعته الفلاحته**" نامی کتاب لکھی جو منظوم ہے اور ابن البصال وغیرہ کی کتابوں کے مطالب پر مبنی ہے۔مصنف نے بعض مقامات پر اپنے ذاتی مشاہدات بھی بیان کیے ہیں۔

4.10-ابو حنیفہ الدینوری

ابو حنیفہ نے نباتات اور زراعت پر خصوصی کام کیا۔اس کی کتاب "**کتاب النبات**" ایک مستند کتاب ہے جس میں زراعت سے متعلقہ پہلوؤں پر بھی بحث کی گئی ہے۔

5-زراعت

فلاحت و زراعت میں مسلمان مصنفین نے زیادہ تر مندرجہ ذیل موضوعات پر کتابیں، رسالے یا مقالے تحریر کیے ہیں۔

1) باغبانی: اس ضمن میں قلم لگانا، پیوند کاری کرنا، بیج بونا، درختوں کی برید کرنا، آبیاری کرنا، پودوں کو کیاریوں میں بونا، باغات کے گرد باڑ لگانا، باغات کی نگہداشت کرنا وغیرہ کو موضوع بحث بنایا۔ پھلدار پودوں مثلاً انگور، سیب، زیتون وغیرہ سے متعلقہ معلومات فراہم کرنے کے لیے درختوں اور پودوں کی بیماریوں کا علاج بھی تجویز کیا گیا ہے۔

2) سبزیاں: سبزیاں بونے اور ان کی نگہداشت کے لیے ضروری ہدایات دی گئی ہیں۔

3) فصلیں: مختلف فصلوں کے بونے کے موسموں اور کاشت کے طریقوں سے متعلقہ ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں۔

4) شہد کی مکھیاں پالنا: بعض مصنفین نے شہد کی مکھیاں پالنے اور ان سے شہد حاصل کرنے سے متعلقہ معلومات فراہم کی ہیں۔

5) پرورش حیوانات: بعض مصنفین نے پرورش حیوانات کو موضوع بحث بنایا ہے اور حیوانات کی بیماریوں کا علاج بھی تجویز کیا ہے۔

6) اراضی سے متعلقہ معلومات: بعض مصنفین نے کاشتکاری کے لیے استعمال کی جانے والی زمینوں سے متعلق کتابیں لکھی ہیں اور بعضوں نے پیمائش اراضی اور زراعتی موسموں کی تقویم کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔

7) مرغبانی: بعض مصنفین نے مرغیاں پالنے کے فن پر کتابیں تحریر کی ہیں۔

8) نظام زمینداری: بعضوں نے زمینداری کے نظام پر کتابیں لکھی ہیں۔

9) تحفظ اناج: بعض مصنفین نے اناج کو محفوظ رکھنے اور ذخیرہ کرنے کے طریقوں پر بحث کی ہے۔

6-آبپاشی

بعض مصنفین نے طریق آبپاشی پر کتابیں لکھی ہیں۔(1)

7-فن تعمیر میں مسلمانوں کی خدمات

7.1-فن تعمیر اور مسلمان

مسلمانوں نے فن تعمیر میں جدت، نفاست اور پختگی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب کو بھی پیش نظر رکھا۔ ان کے فن تعمیر میں تصویروں، مورتیوں وغیرہ کو کوئی وقعت نہیں دی گئی۔ تمام تر دلفریب اور دلکشی فن کی پختگی سے پیدا کی گئی ہے۔ عربوں کے فن تعمیر میں انفرادیت صاف طور پر دکھائی دیتی ہے اور یہ انفرادیت عمارتی تکنیک اور آرائش دونوں صورتوں میں ملتی ہے۔ عمارتی تکنیک میں ستون، گنبد، محراب، مینار اور ڈاٹوں وغیرہ کا استعمال داخل ہے اور آرائش میں بیل بوٹے، ہندسی شکلیں، پچ کاری اور قرآنی آیات کی خطاطی وغیرہ شامل ہے، مسلمانوں سے پہلے جو ستون استعمال کیے جاتے تھے وہ عام طور پر چھوٹے ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے جب بڑی اور عالی شان عمارتیں تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو بعض جگہ ان کو بڑے بڑے ستونوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انھوں نے چھوٹے ستونوں کو جوڑ کر اس خوبصورتی سے بڑا بنایا کہ جوڑ کا کہیں پتا نہ چلتا تھا۔ انھوں

---

1 مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور،، ص 266 تا 269، 205، حبیب احمد، صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج، نشریات، لاہور 2007

نے ستونوں میں جدت بھی پیدا کی۔ مسلمانوں کے فن تعمیر میں گنبد کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ گنبد عمارت کی ساخت اور اس ظاہری شکل وصورت اور لوگوں کے مزاج کے مطابق مختلف جگہوں اور عمارتوں میں مختلف طرز کے بنائے گئے۔ بعض جگہ ان کی شکل لمبوتری اور بعض جگہ کروی، بیضوی یا مخروطی تھی۔ گنبد محلات پر بھی بنائے گئے لیکن مساجد میں خصوصی طور پر بنائے گئے حتیٰ کہ مسجد کا گنبد بنانا لازم ہو گیا۔ مساجد اور محلات میں محرابوں کا رواج بھی مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔

عربوں کے بعد ایرانیوں نے فن تعمیر میں از حد نفاست پیدا کی۔ انھوں نے گچ اور چونے سے نہایت عمدہ استر کاری کی۔ انھوں نے مساجد کے میناروں میں بھی جدت پیدا کی۔ انھوں نے مذہبی اور سرکاری عمارات کے سامنے برآمدے تعمیر کیے۔ ایران کی مسجدوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں خصوصاً اصفہان کی تمام پرانی مسجدوں میں زمین دوز راستے بنائے گئے ہیں تاکہ عورتیں ان راستوں سے براہ راست مسجد میں پہنچ کر نماز میں شریک ہو سکیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد مسلم بادشاہوں نے فن تعمیر میں خصوصی دلچسپی لی۔ مغلیہ دور میں بننے والی عمارتوں میں ایرانی فن تعمیر کا عکس نمایاں ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی عمارتیں ہندوؤں کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہیں۔ ان کی اکثر عمارتوں میں دیوان اور دالان ہی دکھائی دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی عمارات میں ایک اہم بات یہ ہے کہ ان میں روشنی کے گزرنے کا خصوصی بندوبست کیا گیا ہے جب کہ ہندوؤں کی عمارات میں تاریکی کا عنصر زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ اس سے اشارہ ہے کہ اسلام اس دنیا میں علم وہنر کی روشنی پھیلانے کا داعی ہے جس سے تمام تر تاریکیاں زائل ہو جاتی ہیں۔ ہندوؤں کی عمارات میں مورتیاں وغیرہ دکھائی دیتی ہیں جب کہ مسلمانوں کی عمارتوں میں ان کا وجود نہیں۔

7.1.1-فن تعمیر کا ابتدائی دور

اسلام میں پہلی مسجد کی تعمیر قبا میں کی گئی جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضور اکرم ﷺ نے مزدوروں کے ساتھ خود کام کیا۔ یہ مسجد پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی

۔ مدینہ میں قیام کے بعد نبی کریم ﷺ نے جو مسجد تعمیر کی وہ مسجد نبوی کے نام سے آج تک موجود ہے۔ اگرچہ بعد میں اس میں توسیع کی گئی۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلّفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ دیواریں کچھ اینٹوں کی تھیں جن پر کھجور کے پتوں کا چھپر ڈالا گیا تھا۔ ستون کھجور کے تھے۔ ابتدا میں قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ صحابہ نماز کے لیے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست گاہ پر بچھا لیں۔ نبی کریم ﷺ نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔

نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی سے فراغت کے بعد ازواج مطہرات کے لیے مکان بنوائے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ ان میں سے پانچ کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے تھے۔ یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔

مسلمانوں نے اپنے ابتدائی عہد میں جو عمارتیں تعمیر کیں وہ نہایت سادہ قسم کی تھیں اور ہر قسم کے تکلفات اور آرائش سے پاک تھیں۔ مثلاً اس دور کی مساجد ہی کو دیکھیے۔ مسجد ایک چوکور عمارت ہوتی تھی، پتوں اور مٹی سے لپٹی ہوتی تھی۔

7.1.2-اموی عہد

امویوں کے عہد حکومت میں اسلامی فن تعمیر نے ترقی کرنا شروع کی۔ امیر معاویہ کے عہد میں زیادہ بن ابی سفیان نے بصرہ میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جس کی دیواریں پختہ اینٹوں سے بنائی گئی تھیں اور دیواروں پر گچ سے استر کاری کی گئی تھی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ پہلی مسجد تھی جس میں مینار تعمیر ہوا۔ دور بنو امیہ میں مصر کے اموی حاکم مسلمہ نے جامع مسجد فسطاط کی از سر نو تعمیر کی، چاروں کونوں پر ایک ایک مینار بنوایا۔ اس مسجد میں محراب کا اضافہ کیا گیا۔ اموی دور کی جن عمارتوں کو خوبصورتی میں زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ قبۃ الصخرہ، مسجد بیت المقدس اور مسجد دمشق ہیں۔

خلیفہ ولید بن عبد المالک نے اپنے عہد حکومت میں مسجد نبوی کو منہدم کرواکر اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کی جس کا دالان بہت کشادہ تھا اور اس میں ایک بلند منبر بنایا گیا تھا۔ مسجد کے ستون پتھروں سے تراشے ہوئے ٹکڑوں سے تیار کیے گئے تھے اور مسجد کے صحن میں ایک فوارہ بھی لگایا گیا تھا۔ اس مسجد کے تمام در و دیوار اور عمارت پر طلائی کام کیا گیا تھا اور جگہ جگہ قرآنی آیات کندہ کی گئی تھیں۔

7.1.3-دور بنو عباس

بنو عباس کے عہد میں بڑے بڑے شہر بسائے گئے اور بڑے بڑے محلات اور مساجد تعمیر کرائی گئیں۔ اس عہد میں محلات کی بکثرت تعمیر ہونے سے انجنیئرنگ کا سائنس اور فن تعمیر کو بھی بہت فروغ نصیب ہوا۔ قوس، مینار، گنبد، محرابیں پرانی عرب تعمیرات کی خصوصیات میں سے ہیں۔ اس عہد میں مملکت میں ہزارہا مساجد تعمیر ہوئیں جن کی دیواروں پر گلکاریوں میں انواع واقسام کی رنگ آمیزیاں نہایت عمدہ اور خوش سلیقگی سے کی گئی تھیں۔ مساجد کی محرابیں پھولوں اور انواع و اقسام کے بیل بوٹوں سے مزین تھیں۔ تاریخی عمارات میں بادشاہوں کے محلات اور ولیوں کے مقابر آج بھی قابل دید ہیں۔

دور ابن عباس میں "تعمیر بغداد" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بغداد ایک گول شہر کی صورت میں تعمیر کیا گیا تھا جس کے چاروں طرف ایک خندق اور اینٹوں کی بنی ہوئی دوزبردست فصیلیں تھیں۔ شہر کے مرکز میں تیسری دیوار سے محصور سبز گنبد تھا جس میں خلیفہ کی اقامت گاہ تھی۔ اس کی تعمیر میں ایرانی معماروں نے بھی اپنے فن تعمیر کی نفاست اور پختگی کا ثبوت دیا تھا۔

7.2-اندلس میں مسلمانوں کا فن تعمیر

قرطبہ کی جامع مسجد اندلس کے مسلمانوں کے فن تعمیر کا ایک نہایت عمدہ اور دلکش نمونہ ہے۔ یہ مسجد اندلس میں اموی حکومت کے بانی عبد الرحمان الداخل نے تعمیر کروائی تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس مسجد میں توسیع و آرائش کا عمل انجام پاتا رہا۔ یہ مسجد چھ سو فٹ لمبی اور اڑھائی سو فٹ چوڑی تھی۔ پوری عمارت سنگ مرمر

کے خوبصورت ستونوں پر قائم تھی جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق 1493 اور دوسری روایت کے مطابق 1293 تھی۔ مسجد میں اکیس دروازے تھے، جن میں سے چند دروازے عورتوں کے لیے مخصوص تھے۔ ایک خاص اور خفیہ دروازہ خلیفہ کے لیے بنایا گیا تھا جس سے گزر کر وہ سیدھا منبر تک پہنچ سکتا تھا۔ اس مسجد میں گیارہ صفوف تھیں۔ صفوف کے درمیان جو محرابی چھتے تعمیر کیے گئے تھے وہ نہایت ہی خوبصورت تھے۔ اس میں ڈاٹوں کا دوہرا سلسلہ تھا۔ ستونوں اور محرابوں پر نہایت عمدہ نقش کاری کی گئی تھی۔ اس مسجد میں ہزاروں فانوس آویزاں تھے جن میں سے تین چاندی کے اور بقیہ پیتل کے تھے۔

7.2.1-جامع قرطبہ

جامع قرطبہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کرسٹین پرائس لکھتا ہے کہ: دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی ہم ان ستونوں کے درمیانی راستوں سے گزرتے ہیں جو آٹھویں عیسوی میں بنائے گئے تھے۔ چکنے سنگ مرمر کے جو ستون پرانی رومی عمارتوں سے لیے گئے تھے وہ اتنے اونچے نہیں تھے کہ ان پر چھت ڈالی جاسکتی۔ عرب معماروں نے اونچائی میں اضافے کے لئے دوہری محرابوں کا ایک نیا طریقہ اخذ کیا اور اپنے ذوق رنگ آمیزی کی مدد سے سرخ اینٹ اور ہلکے بادامی رنگ کے پتھر کی متبادل دھاریاں ڈال کر محرابیں تعمیر کیں۔

7.2.2-مدینۃ الزہری

"مدينة الزهرىٰ" یا قصر زہرا کی تعمیر بھی مسلمانوں کے فن تعمیر کا عمدہ نمونہ تھی۔ یہ شہر قرطبہ سے شمال مغرب میں چار میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی کے دامن میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر میں تیرہ سال لگے تھے اور عبدالرحمان اپنے سرکاری عہدہ داروں اور وسیع حرم کے ساتھ اس نئے محل میں 961ء میں منتقل ہوا تھا۔ یہ قصری شہر تین اونچے مسطح چبوتروں پر تعمیر کیا گیا تھا جو پہاڑی کے ڈھلوان میں واقع تھے۔ کھدائی میں برآمد ہونے والے کھنڈرات سے پتا چلتا ہے کہ احاطے کی دیوار میں بڑا دروازہ شمال کی جانب تھا جہاں ایک چوڑا ڈھلوان تھا جس پر سے اسپ سوار گزر سکتے تھے اور نیچے اتر کر دو بڑے دروازوں میں داخل ہو سکتے تھے۔ دائیں طرف سب سے اوپر کے میدان میں مکانات، صحن، باورچی خانے اور تنور خانے تھے اور بائیں طرف ایک بڑا دالان تھا جس کی چھت ستونوں

پر قائم تھی جس کے سامنے ایک باغ تھا۔ باغ کی دوسری طرف ایک اور ڈھلوان نیچے کی جانب دوسرے میدان کی سطح تک جاتا تھا جہاں ایک حمام تھا جس کے ساتھ متعدد چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے اور حمام کے مغرب میں ایک دیوان خلیفہ سے رسمی ملاقات کے لئے تھا جہاں سے ایک بڑا مستطیل حوض نیچے نظر آتا تھا۔

7.2.3-قصرالحمراء

اس محل کی بنیاد محمد الاحمروائی غرناطہ نے 1248ء میں رکھی تھی۔ یہ عمارت غرناطہ سے باہر ایک ٹیلہ پر تعمیر کی گئی تھی جس کی لمبائی 2430 فٹ اور چوڑائی 674 فٹ تھی۔ اس کے صحن میں سنگ مرمر کا فرش لگا ہوا تھا جس کے دونوں جانب خوبصورت ستونوں کی قطاریں تھیں۔ اس قصر کی دیواروں پر خوبصورت نقاشی کی گئی تھی اور جگہ جگہ خط کوفی میں بادشاہوں کی تعریف و توصیف میں بعض اقوال درج تھے۔ قصر الحمرا کے صحن کے بیچوں بیچ 124 فٹ لمبا، 37 فٹ چوڑا اور 5 فٹ گہرا ایک حوض بنا ہوا تھا۔ اس محل کی سب سے بڑی خصوصیت اس کے مختلف حصوں کا آپس میں وہ تناسب ہے جس کے باعث عمارت میں ایک خاص حسن پیدا ہو گیا۔

7.2.4-قصرفاطمیہ

اس عہد حکومت کی یادگار فاطمی قصر ہے جو کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ یہ قصر بارہ مربع کوشکون پر مشتمل تھا جن میں سے ہر ایک کوشک دوسرے کوشک سے زیادہ دلکش تھا۔ آخری کوشک میں جس کے فرش اور پردے یونانی ساخت کے تھے، ایک بڑا طلائی تخت دھرا تھا جو شکاری مناظر سے مزین تھا۔ آج فاطمی قصر کے آثار میں سے کچھ باقی نہیں، صرف چھتوں کے وہ شہتیر باقی ہیں جن پر دربار اور دیہات کی زندگی کے مناظر کندہ ہیں۔ ان میں ہمیں شکاری اور شاہین باز، بانسری اور عود کے موسیقار اور ایرانی زائروں کی طرح کے صحرائی مسافر نظر آتے ہیں۔

7.2.5-جامع الازہر

"جامع الازہر" فاطمی دور کی سب سے مشہور عمارت ہے جو 972ء میں تعمیر ہوئی۔ اس مسجد کا صحن بڑا ہے۔ محرابیں بہت ہی نوکدار ہیں جو اینٹوں سے بنائی گئی ہیں۔ یہ محرابیں 380 ستونوں پر قائم ہیں۔ مسجد کے مینار بہت بھاری اور مربع شکل کے ہیں جن کے گرد لوہے کے کٹہرے بنے ہوئے ہیں۔ [1]

8-جہاز رانی

انسان جب پرندوں کو فضا کی بلندیوں میں اڑتے دیکھتا رہا تو اس کے دل میں بھی اُڑنے کی خواہش جنم لیتی رہی۔ پرندوں کے لیے اپنی خالی خولی اور ہلکی پھلکی ہڈیوں کی وجہ سے فضائی اڑان ممکن تھی جبکہ انسان کے اعصاب اس کے بدن کے وزن کو اڑانے کے لیے کافی نہ تھے۔ تاہم مختلف ادوار میں مختلف معاشروں کے لوگوں نے اپنے بازؤں کے ساتھ پر باندھ کر اُڑنے کی کوشش کی اور پہاڑی ڈھلانوں سے کود کر مختصر سی اڑان بھی کی مگر ان میں سے اکثر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس دیرینہ خواہش کی تکمیل 17 ستمبر 1903ء میں اس وقت ہوئی جب رائٹ برادران نے اپنے خود ساختہ ہوائی جہاز کی پہلی کامیاب پرواز کی جو صرف 12 منٹ پر مشتمل تھی۔ 1903ء میں کامیاب ہونے والا انسان ایک صدی گزرنے سے بھی بہت پہلے ستاروں پر کمندیں ڈالنے لگا اور اس نے آواز سے تیز رفتار سفر کرنے والے جہاز ایجاد کر لیے۔ ایسا کرتے وقت صدیوں کا انسانی شعور اس کی پشت پناہی کرتا ہے۔

---

1 مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور،، ص 169۔175، 205، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج، نشریات، لاہور 2007۔

دنیا کا سب سے پہلا ہوائی جہاز اسلامی سپین کے مسلمان سائنسدان عباس بن فرناس نے نویں صدی عیسوی میں ایجاد کیا اور اسے اُڑانے میں کامیاب ٹھہرا۔ اس نے اپنے جہاز کے دائیں بائیں بڑے بڑے پر بھی لگائے تھے جو جہاز اور اس کا بوجھ اٹھائے دور تک چلے گئے، تاہم وہ جہاز کی لینڈ نگ ٹھیک طرح سے نہ کر سکنے کی بناء پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ دراصل اس نے اپنے جہاز کی دُم نہیں بنائی تھی اور وہ اس بات سے آگاہ نہیں تھا کہ پرندے اپنے دُم کی مدد سے زمین پر واپس اُترتے ہیں۔

ہوائی اُڑان کی حد تک عباس بن فرناس کی یہ کوشش بنی نوع انسان کے اذہان پر ایک دستک تھی۔ بڑی بڑی ایجادات کے پس منظر میں انسان کی ایسی ابتدائی کوششیں بنیاد بنتی ہیں۔ اسلامی سپین کی تاریخ میں میسر اس ایک مثال سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کے مسلمان سائنسدان سائنس و ٹیکنالوجی کے فروغ میں کس قدر جنونی انداز اختیار کر چکے تھے کہ اپنی جان کو بھی داؤ پر لگا دینے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ [1]

9-اسلحہ سازی میں مسلمانوں کی خدمات

اسلام سلامتی کا دین ہے اور اپنے ماننے والوں کو امن و سکون سے زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ لڑائی میں کسی سے پہل کرنے سے روکتا ہے لیکن اپنے دفاع کی اجازت بھی دیتا ہے۔ جب پانی سر سے گزر جائے اور کوئی دوسری قوم مسلمانوں کو ستانے سے باز نہ آئے تو اسلام کی رو سے مسلمانوں پر جہاد و قتال واجب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی ہم دیکھتے ہیں کہ غزوات میں صحابہ کرام جو ہتھیار استعمال کرتے تھے ان میں تیر، کمان، نیزہ، تلوار، ڈھال اور خود (زرہ بکتر) وغیرہ استعمال کرتے رہے

---

1 (مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر طاہر القادری: اسلام اور جدید سائنس، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 2010، ص 184-186، تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، 278-290، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس و طب کا عروج، نشریات، لاہور 2007)

ہیں۔ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ خود بھی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ بعض غزوات میں جنگی ہتھیار خریدنے کے لئے صحابہ کرام سے چندہ جمع کرنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے عہد میں عراق اور شام کی مہموں اور فتنہ ارتداد کی مہموں میں ہمیں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں میں تلواریں نظر آتی ہیں۔اسی طرح حضرت عمر کے عہد میں عراق، ایران، شام، فلسطین اور مصر میں ہونے والی لڑائیوں میں بھی تلوار کا استعمال زیادہ ہے، تلوار کے ساتھ خود (زرہ) اور ڈھال لازم و ملزوم دکھائی دیتے ہیں۔ ایرانیوں اور رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس تلواروں کے علاوہ چمڑے کی زرہیں اور تیر نظر آتے ہیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرہ طوائف میں مسلمانوں نے پہلی بار منجنیق اور دیگر قلعہ شکن آلات کا استعمال کیا۔ حضرت عثمان غنی کے عہد میں پہلی مرتبہ ایک زبردست بحری بیڑہ تیار کیا گیا۔امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں بحری طاقت کو فروغ دیا۔اور جہاز سازی کے کارکانے قائم کئے جن میں تقریباً سترہ سو جنگی جہاز اور جنگی کشتیاں تیار کی گئیں۔ ولید بن عبد المالک نے اپنے عہد حکومت میں بحری بیڑے پر خصوصی توجہ دی۔ان دنوں جہازوں کی نقل و حرکت کے لئے تیونس اور سکندریہ میں زبردست بحری اڈے قائم تھے۔ جہاز سازی کا سب سے بڑا کارخانہ تیونس کی بندرگاہ میں قائم کیا گیا تھا جہاں بیسیوں جہاز سالانہ تیار ہوتے تھے۔اموی عہد حکومت میں منجنیقوں کا استعمال کثرت سے کیا گیا جن سے دشمن کے قلعوں اور فصیلوں کو برباد کر دیا جاتا تھا۔اموی عہد میں مسلمانوں نے محمد بن قاسم کے زیر کمان راجا داہر کی سرکوبی کے لئے جو حملہ کیا اس میں بھی منجنیق استعمال کی گئی تھی۔

عباسیوں کے عہد حکومت میں فوجی تنظیم کی دیکھ بھال کے لئے "دیوان الجند" کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا گیا جو فوجی سامان اور جنگی آلات وغیرہ سے متعلقہ انتظام کا ذمہ دار بھی تھا۔

9.1-ابتدائی توپ

منجنیق کو ہم ابتدائی توپ کہہ سکتے ہیں۔ جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ ابتدا میں منجنیق سے صرف پتھر برسانے کا کام لیا جاتا تھا بعد میں اس سے آگ برسانے کا کام بھی لیا جانے لگا۔ علاوہ ازیں لوہا اور گولہ بارود برسانے کا کام بھی لیا جانے لگا۔

9.2-آتشیں اسلحہ

دمشق کے ایک مسلمان کاریگر نے ایک آلہ ایجاد کیا جو "نفت" کہلاتا تھا۔ یہ لکڑی کا ایک بڑا برتن (ڈرم) تھا جس کی دم بہت بڑے نیزے کی طرح طویل تھی۔ اس سے جو آواز نکلتی تھی وہ بجلی کی کڑک کے مانند تھی اور یوں لگتا تھا کہ آتشیں اژدھا ہوا میں اڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ اس میں سے از حد تیز روشنی نکلتی تھی جس کے باعث رات کو دور دور تک کی چیزیں دکھائی دیتی تھیں۔ جب یہ ڈرم پھٹ کر زمین پر گرتا تو ہر طرف آگ پھیل جاتی تھی۔ نفت کا استعمال سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبی جنگوں میں کیا تھا۔ اس عہد میں نفت سازوں کو خصوصی طور پر فوجی محکمہ میں بھرتی کیا جاتا تھا جو فوجی انجنیئروں کے ماتحت فنی خدمات انجام دیتے تھے۔

9.3-گن پاؤڈر

صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں نے جو بارود استعمال کیا اسے "گن پاؤڈر" کہا جا سکتا ہے۔

9.4-ابتدائی پستول

مصریوں نے ایک قسم کا آلہ تیار کیا جس سے پٹاخے یا پستول کی سی آواز پیدا ہوتی تھی، جسے سن کر دشمن

ڈر جاتے تھے۔ان آلات کو"سوار یخ" کہا جاتا تھا۔اس ابتدائی پستول کو ہم ابتدائی توپ بھی کہہ سکتے ہیں۔

9.5-مختلف قسم کی توپیں

مسلمانوں نے جنگوں میں جو ہتھیار استعمال کیے ان میں سے مندرجہ ذیل آلات کو ہم توپوں کی ایک شکل کہہ سکتے ہیں:

1) منجنیق
2) زیات
3) سطیر
4) ماخیل البارود
5) قواریہ النفت

ماخیل البارود اور قواریہ النفت میں بارود استعمال کیا جاتا تھا۔ سلطان یوسف کے عہد میں جو توپ استعمال ہوئی اسے "ہندام النفت" (بارودی انجن) کہا جاتا تھا۔ اس توپ سے بڑے بڑے گولے یا لوہا خارج ہوتا تھا۔اس توپ میں گولے بارود کے ذریعے گرم ہو کر نکلتے تھے اور جہاں گرتے تھے آگ لگا دیتے تھے۔

عثمانیوں کے عہد حکومت میں استنبول کے محاصرے کے دوران ایسی توپیں بھی استعمال ہوئیں جن کی مدد سے 400 کلو گرام کے گولے دو چار کلو میٹر کے فاصلے سے پھینکے جا سکتے تھے۔ سلطان سلیم سوم نے اپنے عہد حکومت میں منجنیقات اور دھات کاری کو متعارف کرانے کے لیے خصوصی انتظامات کیے اور مکتب قائم کیے جن میں فن اسلحہ سازی کی ترتیب دی جاتی تھی۔

مسلمانوں نے تلوار سازی اور دیگر جنگی ہتھیاروں کو بہتر سے بہتر اور کارکردگی کے اعتبار سے موثر سے موثر بنانے پر کافی توجہ دی۔تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ گولہ اور بارود کا استعمال سب سے پہلے مسلمانوں

نے ہی کیا۔ مغربی اقوام نے بارود کا استعمال مسلمانوں ہی سے سیکھا تھا۔ منجنیق اور نفث خصوصی طور پر مسلمانوں کی ایجادات ہیں۔ توپوں کا استعمال سب سے پہلے مسلمانوں نے کیا تھا۔[1]

خود آزمائی

سوال نمبر 1: علم فلکیات میں مسلمان سائنسدانوں کے کارنامے بیان کریں۔

سوال نمبر 2: علم ہیئت اور فلکیات میں مسلمان سائنسدان کی وہ کون سے نئی اختراعات ہیں جو انہیں اس وقت کے سائنسدانوں سے ممتاز کرتی ہیں؟

سوال نمبر 3: علم ہیئت، اور فن تعمیر میں مسلمانوں کے امتیازات بیان کریں۔

سوال نمبر 4: علم ریاضی کی تعریف کریں اور مسلمان سائنسدانوں کی ریاضیات کے شعبہ میں خدمات بیان کریں۔

سوال نمبر 5: ابن الزہراوی، ابن الوحشیہ اور ابن العوام کی علم زراعت میں خدمات بیان کریں۔

سوال نمبر 6: مسلمانوں کے دور میں فن تعمیر کے چند شاہکار کا تفصیل سے بیان کریں۔

سوال نمبر 7: علم اسلحہ سازی میں مسلمان سائنسدانوں کی وہ کون سی نئی ایجادات ہیں جو موجودہ وقت میں بھی کارآمد ہیں؟

---

1 تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص 179۔181، ڈاکٹر طاہر القادری: اسلام اور جدید سائنس، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 2010،205، حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق، اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس وطب کا عروج، نشریات، لاہور 2007۔

سوال نمبر 8: مسلمان سائنسدانوں کی سائنس کے مختلف شعبوں میں اہم کتب مع مصنّف پر نوٹ تحریر کریں۔

سوال نمبر 9: علم جغرافیہ کے شعبہ میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات پر مفصّل نوٹ تحریر کریں۔

سوال نمبر 10: فن جہاز رانی اور اسلحہ سازی میں مسلمانوں کی خدمات بیان کریں۔

یونٹ نمبر:09

مسلمانوں میں سائنسی تحقیق کے زوال کے اسباب اوراس کے احیاء کی تدابیر

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

ساتویں صدی سے تیرہویں صدی عیسوی میں قرآن حکیم کی کائنات میں غور و فکر کی ترغیب کے زیر اثر بہت سے عظیم مسلمان سائنس دان اور دانشور پیدا ہوئے جنھوں نے کیمیا، طبیعات، فلکیات، طب، ریاضی اور جغرافیہ میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ان عظیم سائنس دانوں نے یونانی علوم سے بھرپور استفادہ بھی کیا۔ ان کی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا اور ان کی تحقیقات و مشاہدات سے آگے بڑھ کر سائنسی علوم میں بیش بہا ترقی کی۔ اس دور میں عظیم دانشور اور سائنس دان پیدا ہوئے جن میں جابر بن حیان، محمد بن زکریا الرازی، ابن الہیثم، بو علی سینا، البیرونی، الخوارزمی، عمر خیام، ابن رشد، جاحظ، ابن مسکوی اور خازنی وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن بعد ازاں مسلمانوں پر مختلف وجوہات کی بنا پر (جن کا ذکر اس یونٹ میں آگے آرہا ہے) جمود طاری ہو گیا، اور وہ قرآنی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے آپس میں ہی دست و گریباں ہو گئے اور اور قرآن کے پیغام علم و حکمت اور تفکر و تدبر کو بھلا بیٹھے، پھر ان میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو بقول امام غزالی:

> "دوسری آفت اس شخص کی پیدا کردہ ہے جو اسلام کا نادان پیرو ہے وہ سمجھتا ہے مذہب کو بچانے کے لئے ضروری ہے ہ ہر علم و حکمت کا انکار کیا جائے اور ان علوم کو جہل قرار دیا جائے۔ لہٰذا ایسا مذہبی شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ مذہب کو ان (جدید) علوم کے انکار سے تقویت پہنچتی ہے، دراصل مذہب کے حق میں ایک زبردست جرم کا مرتکب ہوتا ہے حالانکہ شرع میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو علم و حکمت کے خلاف ہو"۔

ایسے ہی خیالات کی ترویج کی وجہ سے مسلم معاشرہ سائنسی علوم اور تسخیر کائنات سے دور ہوتا گیا اور یوں مسلمان زوال کا شکار ہو گئے۔ اس یونٹ میں مسلمانوں میں سائنسی زوال کے انہی اسباب کو تفصیل سے بیان کیا ہے ، اور موجودہ دور میں سائنسی علوم کے احیائے نو کے لیے علمی اور عملی تجاویز کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کے نے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. مسلمانوں میں سائنسی زوال کے اسباب بیان کریں سکیں۔
2. مسلمان ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی صورت کا جائزہ لے سکیں۔
3. سائنس کی تشکیل نو اور مسلم ممالک میں سائنس کی تشکیل نو کے لئے مختلف تجاویز پر بحث کر سکیں۔
4. سائنس کی تشکیل نو میں حائل رکاوٹوں کو واضح کر سکیں۔
5. مسلم امہ کے زوال کے اسباب کی وضاحت کر سکیں۔
6. اسلامی ممالک میں سائنس کے احیا کے لئے عملی تجاویز کو بیان کر سکیں۔
7. مسلمانوں میں سائنسی تحقیق کے زوال کے اسباب اور اس کے احیاء کی تدابیر پر نوٹ لکھ سکیں۔

1۔ مسلمانوں میں سائنسی تحقیق کے زوال کے اسباب

زوال سے مراد کسی قوم کی وہ حالت ہے جب وہ شکست کی منزل سے گزرنے کے بعد اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے دوسری قوموں کی محتاج ہو جائے۔ اس کی خود ارادیت ختم ہو جائے اور اس کے بیشتر اہم فیصلے دیگر اقوام کے حکم وہدایت پر منحصر ہوں، وہ معاشی، سیاسی اور سماجی حیثیت سے دوسری اقوام کی دست نگر ہو اور اس طرح تخلیقی، علمی، سائنسی اور فنی صلاحیتوں سے تقریباً محروم ہو جائے۔ اخلاقی اور روحانی اقدار کو ایسی قوم زیادہ دیر تک نہیں سنبھال نہیں سکتی، نتیجتاً وہ امانت و دیانت جیسی اہم صفات سے محروم ہو کر اخلاقی پستی کا مظہر بن جاتی ہے۔

بعض مفکّرین نے میں سائنسی تحقیق کے زوال کے مندرجہ ذیل اسباب لکھے ہیں:

1.1 حکومتی سرپرستی کا فقدان

علوم وفنون حکومت اور امراء کی سرپرستی سے پھیلتے اور ترقی کرتی ہیں۔ ابتدا میں عباسی خلفاء علوم وفنون میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے سائنسی علوم کی ترویج وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان علوم پر دولت کے دریا بہادیے جس کے نتیجے میں بے شمار سائنس دان پیدا ہوئے۔ لیکن جب خلفاء وسلاطین عیش وعشرت کی جانب مائل ہو گئے تو درباروں میں علماء وفضلا کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیا تو سائنسی علوم کو زوال آنے لگا۔ سائنس دان، ہیئت دان، اطباء وماہرین فن کی حوصلہ افزائی اور مالی امداد کرنے والا کوئی نہ رہا تو سائنسی علوم کو زوال آ گیا۔

1.2 حکومتوں کا نفاق اور زوال

مسلمان جب تک آپس میں امن واتحاد سے رہتے رہے، علوم وفنون ہی ترقی کرتے رہے۔ لیکن جب مسلمانوں میں نفاق پیدا ہو گیا تو ایک متحدہ اسلامی ریاست کئی حصوں میں بٹ گئی۔ خلافت عباسیہ جو پورے عالم اسلام کی ایک متحدہ حکومت تھی واثق باللہ تک تو متحد تھی۔ عباسی خلیفہ قوت ووقار اور اختیار کا سرچشمہ تسلیم کیا

جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد متوکل کے عہد میں عباسی خلافت پر پہلی ضرب پڑی جس سے اس کے اقتدار میں کافی حد تک کمی واقع ہو گئی۔ اس کے بعد آنے والے خلفاء کمزور سے کمزور ہوتے چلے گئے اور کئی خود مختار ریاستیں قائم ہو گئیں یہاں تک کہ فتنہ تاتار اٹھا اور سقوط بغداد کی نوبت آ گئی۔ عباسی خلیفہ معتصم باللہ نہایت کمزور اور غیر ذمہ دار تھا اس کا وزیر بہت چالاک تھا، اس نے خلیفہ کو اپنی مٹھی میں لیا ہوا تھا۔ اس نے خلیفہ کو ایسے غلط مشورے دیے جن کی وجہ سے ملک کا نظام یکسر بگڑ گیا وہ تاتاریوں سے ملا ہوا تھا۔ اس نے تاتاریوں کو بغداد پر حملے کی دعوت دی۔ خلیفہ مستنصر باللہ کے عہد میں تاتاری سلطنت عباسیہ کے ملحقہ علاقوں پر قابض ہو چکے تھے اور تاتاریوں اور عباسیوں کی سرحدیں آپس میں مل گئی تھیں۔ معتصم باللہ کے وزیر نے جب تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی تو نصیر الدین طوسی نے جسے ہلاکو خان کے دربار میں بڑا اثر ورسوخ حاصل تھا ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے پر مزید اکسایا۔ چنانچہ ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر دیا اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہلاکو خان نے تین دن تک بغداد میں قتل عام کیا اور ہر چیز کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس نے شہر کی عمارتوں کو منہدم کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علمی ذخیرہ کو بھی آگ لگادی اور ہزاروں کتابیں دریائے دجلہ کی نذر کر دیں۔

1.3 علمی ذخیرہ میں کمی

مسلمانوں نے بیش بہا علمی ذخیرہ جمع کیا تھا۔ جس میں سائنسی علوم پر صدہا کتابیں تصنیف کی گئی تھی، سقوط بغداد سے ضائع ہو گئیں۔ اب یہی علاج رہ گیا تھا کہ اس میدان میں از سر نو تحقیقات اور تجربات کیے جائیں۔ یہ کام مالی سرپرستی کے بغیر بہت مشکل تھا اس لیے نئی نسلوں نے اس طرف بہت کم توجہ دی۔

1.4 تحقیق و تجسس کا فقدان

ہر دور میں جیسے جیسے حکومتوں کا رخ بدلتا رہتا ہے لوگوں کے رجحانات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ابتداء میں حکومتوں کا رخ جدید علوم و فنون یعنی فلسفہ، ہیئت، طب، فلکیات وغیرہ کی طرف زیادہ تھا، چنانچہ سائنسی علوم نے

ترقی کی اور بے شمار سائنس دان پیدا ہوئے۔ زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ سلاطین وامراء کا رحجان عیش پرستی کی طرف ہوتا چلا گیا تو لوگوں کا رخ بھی سائنسی علوم کے بجائے رقص وموسیقی کی طرف ہو گیا۔ آنے والی نسلوں نے سائنسی علوم کو بے کار سمجھا۔ حکومتیں بدل گئیں تو اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ علمی اقدار بھی بدل گئیں، چنانچہ مسلمانوں میں سائنس دان پیدا ہونے بھی بند ہو گئے۔

1.5 مذہبی تعصب

بعض کٹر قسم کے کم علموں نے یہ تاثر دیا کہ سائنسی علوم غیر اسلامی ہیں، اس لیے ان کا حاصل کرنا گناہ ہے۔ اسی تصور کی بنا پر آنے والی نسلیں سائنسی علوم سے دور ہوتی چلی گئیں حالانکہ اسلام اور سائنس میں متصادم نہیں ہے۔ اسلام نہ صرف سائنسی علوم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اس میدان میں آگے بڑھنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے، جیسے اس سے پہلے بہت سے مقامات پر بات ہو چکی ہے مسلم امہ کی بحیثیت مجموعی پستی اور سائنسی تحقیق میں بالخصوص موجودہ حالت اور زوال کے نتائج درج ذیل ہیں۔

2۔ اسلامی ممالک کی موجودہ حالت

2.1 علمی اور تحقیقی میدان میں پستی

دنیا میں ترقی کا پہلا اصول علم اور تحقیق کے میدان میں آگے بڑھنا ہے، اس وقت پوری اسلامی دنیا میں صرف 500 یونیورسٹیاں ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کو اگر ہم مسلمانوں کی مجموعی تعداد پر تقسیم کریں تو ایک یونیورسٹی 30 لاکھ مسلمان نوجوانوں کے حصے میں آتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں صرف امریکہ میں 5 ہزار 7 سو 58 یونیورسٹیاں ہیں اور ٹوکیو کے شہر میں 1000 یونیورسٹیاں ہیں۔ عیسائی دنیا کے 40 فیصد نوجوان یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں جبکہ اسلامی دنیا کے دو فیصد نوجوان یونیورسٹی تک پہنچ پاتے ہیں، پوری عرب دنیا میں صرف 35 ہزار فل ٹائم ریسرچ سکالرز ہیں جبکہ صرف امریکہ میں ان کی تعداد 22 لاکھ ہے۔ پوری اسلامی دنیا اپنے جی ڈی پی کا صرف اعشاریہ 2 فیصد ریسرچ پر خرچ کرتی ہے جبکہ عیسائی دنیا اپنی آمدنی کا پانچ فیصد علم و

تحقیق پر لگاتی ہے۔ اس وقت دنیا میں 200 بڑی یونیورسٹیاں ہیں، ان دو سو یونیورسٹیوں میں سے 54 امریکہ، 24 برطانیہ، 17 آسٹریلیا، 10 ہالینڈ، 9 فرانس، 9 کینیڈا اور 7 سوئٹزر لینڈ میں ہیں، ان دو سو یونیورسٹیوں میں اسلامی دنیا کی صرف ایک یونیورسٹی ہے جبکہ اس فہرست میں بھارت کی تین یونیورسٹیاں آتی ہیں، اگر ہم اس فہرست کا جائزہ لیں تو دنیا کی پہلی بیس یونیورسٹیاں امریکہ میں ہیں، کمپیوٹر کے پہلے دس بڑے ادارے امریکہ میں ہیں اور دنیا کے 30 فیصد غیر ملکی طالب علم امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ پوری دنیا میں امریکہ اپنے جی ڈی پی کا دو اعشاریہ چھ فیصد ہائیر ایجوکیشن پر صرف کرتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں یورپ ایک اعشاریہ دو (1.2) اور جاپان ایک اعشاریہ ایک (1.1) فیصد خرچ کرتے ہیں۔ امریکہ ٹیکنالوجی اور ایجادات میں پوری دنیا میں پہلے نمبر پر آتا ہے، اس کی کمپنیاں تحقیق پر سب سے زیادہ رقم خرچ کرتی ہیں، امریکہ تحقیقی اداروں کے معیار میں سب سے آگے ہے اور اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ نوبل انعام یافتہ سائنسدان امریکہ میں ہیں۔[1] چین اور بھارت علم اور ٹیکنالوجی میں نئی طاقت بن کر ابھر رہے ہیں، امریکی ماہرین کا خیال ہے چین 2045ء میں امریکہ کی جگہ لے لے گا، اس کی وجہ علم و تحقیق ہے، چین میں اس وقت 9000 اور بھارت میں 8407 یونیورسٹیاں ہیں۔ یہ دونوں ملک ہر سال 9 لاکھ 50 ہزار انجنئیر پیدا کر رہے ہیں، اس کے مقابلے میں امریکہ میں ہر سال صرف 70 ہزار نئے انجنئیر مارکیٹ میں آتے ہیں، اس قت دنیا میں 120 کیمیکل پلانٹس ہیں، ان میں سے 50 چین میں ہیں۔ لہٰذا آپ دیکھ لیجئے اس وقت ہر وہ ملک ترقی یافتہ ہے جو علم و تحقیق، یونیورسٹیوں اور شرح خواندگی میں دنیا سب سے آگے ہے اور ہر وہ ملک پسماندہ ہے جو علم میں پیچھے ہے اور بدقسمتی سے اسلامی دنیا اس شعبے میں سب سے پیچھے ہے۔(2)

---

[1] مزید تفصیل ملاحظہ ہو جناب جاوید چوھدری کا مضمون: آج کی عالمی صورتحال اور عالم اسلام۔ نوائے شریعت، پاکستان شریعت کونسل کا نیوزلیٹر، زیر نگرانی مولانا زاہدالراشدی (جامع مسجد امن، لاہور، ستمبر 2006ء) ص 2-1

[2] ایضاً۔

2.2 معاشی تنزّل

ترقی کا دوسرا اصول معیشت ہوتی ہے، 61 اسلامی ممالک کا مجموعی جی ڈی پی صرف 2 ٹریلین ڈالر ہے جبکہ امریکہ صرف مصنوعات اور خدمات کے شعبے سے 12 ٹریلین کماتا ہے، امریکہ کے صرف ایک شہر لاس ویگاس کی معیشت سوا تیرہ ٹریلین ڈالر ہے، امریکہ سٹاک ایکسچینج وال سٹریٹ 20 ٹریلین ڈالر کی مالک ہے، صرف کوکا کولا کمپنی کے نام کی قیمت 97 ارب ڈالر ہے۔ دنیا میں اس وقت 36 ہزار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں ان میں سے 25 ہزار کا تعلق امریکہ سے ہے، دنیا کے 25 امیر ترین لوگوں میں سے 12 کا تعلق امریکہ سے ہے۔ دنیا کی 52 فیصد فیکٹریاں عیسائی دنیا میں ہیں جبکہ دنیا کی 70 فیصد صنعتوں کے مالک عیسائی اور یہودی ہیں، دنیا کی دس ہزار بڑی ایجادات میں سے 6103 ایجادات امریکی جبکہ 8315 ایجادات عیسائیوں اور یہودیوں نے کی ہیں، اسلامی دنیا جتنی رقم کا تیل فروخت کرتی ہے امریکہ اور یورپ اس سے دوگنی رقم کی ہر سال شراب بیچتے ہیں۔ امریکہ کے سروسز کے شعبے کی آمدنی پوری اسلامی دنیا کے مجموعی جی ڈی پی سے زیادہ ہے اور 61 اسلامی ممالک ہر سال ایکسپورٹس سے جتنی رقم حاصل کرتے ہیں اتنی رقم ہالینڈ صرف پھول بیچ کر کماتا ہے۔[1]

2.3 اتحاد کا فقدان

وہ امت جس کو پوری دنیا کی امامت کے لئے بھیجا گیا تھا اور جس کا فرض منصبی یہ تھا کہ "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالے گئے ہو، تم معروف کا حکم کرتے ہو اور منکرات سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو،"[2] لیکن آج وہ امت خود راہنمائی کی زیادہ محتاج ہے۔ وہ امت جس نے اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کر کے بنیان مرصوص بن کر اور باطل کا مقابلہ کرنا تھا وہ خود تفرقے کا شکار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امت نے ان اسلامی احکامات کو پسِ پشت ڈال دیا جو ان کی وحدت کا ذریعہ تھے، رسول پاک ﷺ نے امت کو باہم جوڑنے کے لئے جو ہدایات عطا کیں تھیں آج امت ان پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے زوال کا شکار ہے۔ قرآن

---

[1] صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی: عالم اسلام: چند تلخ حقائق، خون جگر ہونے تک (خورشید گیلانی ٹرسٹ، لاہور) ص 122-11

[2] آل عمران 3:110

نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

{إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} (1)

تمام مومن بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح رکھو اور ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مسلمان کا مسلمان سے ایسا تعلق ہوتا ہے جیسے دیوار کے اجزاء جو ایک دوسرے سے پیوست ہو کر آپس کی تقویت بنتے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے۔

الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا(2)۔

مسلمانوں کی آپس کی محبت اور رحمت و مہربانی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

لوگو تمہارا خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن تم اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔(3) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے،نہ تو اس پر ظلم کرے،نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے اور نہ ہی اس کی تکذیب کرے اور نہ ہی اس کی تحقیر کرے۔(4) آج عددی اعتبار سے یہ امت کثیر ہے لیکن پھر بھی اتنی کمزور کہ ہر جگہ پٹ رہی ہے،وجہ اس کی فکری وحدت اور آپس کے اتحاد کا فقدان ہے۔

---

[1] [الحجرات:10]

[2] صحيح البخاري، بَابُ نَصْرِ المَظْلُومِ، جزء3، ص129، حديث2446

[3] بحوالہ قاضی سلیمان منصور پوری: رحمت للعالمین (غلام علی اینڈ سنز کراچی) ج1ص

[4] صحیح مسلم, کتاب البر والصلہ بحوالہ اربعین نووی (شرح) نعمانی کتب خانہ، لاہور۔ص 230۔ترجمہ و تشریح عبدالحفیظ و ظفر اقبال

2.4 مسلمانوں کا آپس میں انتشار اور افتراق

اگرچہ حضور ﷺ کی تعلیمات افراط و تفریط سے پاک راہ معتدل کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور بنی نوع انسان کو پرامن بقائے باہمی (Peaceful Mutual Co-Existance) کے اصول کے ذریعے ایک کنبہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن بدقسمتی سے آج مسلمان ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آپس میں ہی دست و گریباں ہیں۔ وہ امت جو ہر لحاظ سے ناقابل تقسیم وحدت تھی اور جسے بنیان مرصوص بن کر زمانے میں اسلام کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا آج وہ افتراق و تشتّت (Division & Fragmentation) کا شکار ہے۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور گروہ مسلکوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں اور چھوٹے چھوٹے فروعی اور نقطہ نظر کے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک کرتے ہیں جو انتہائی خطرناک ہے۔[1] کسی بھی معاملہ میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مذموم چیز نہیں کیونکہ قدرت کے نظام میں سو فیصد یکسانیت (Monotony) محال ہے۔ لیکن اختلاف رائے کو اتنا بڑھا لینا کہ باہم نزاع اور جنگ و جدال تک بات پہنچ جائے یہ بہرحال مذموم ہے۔ غیر منصوص احکام کے بارے میں اختلاف رائے خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں، جب نئے نئے مسائل سامنے آئے جن کا ذکر قرآن و احادیث میں صراحتاً نہ تھا، تو اختلاف رائے ہوا اور یہ اختلاف رائے عقل و دیانت کی بنا پر ناگزیر بھی تھا۔ (2)

لیکن بات کبھی بھی مستقل جھگڑوں اور ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر تک نہیں پہنچی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اس حوالے سے حضور ﷺ اور صحابہ کے بے شمار ارشادات ہیں اور ائمہ کرام نے تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ (3)

---

[1] تفصیل ملاحظہ ہو مفتی محمد شفیع: وحدت امت (مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 1985ء) ص 17، 47-44۔

[2] ایضاً، ص 18-17

[3] ایضاً، ص 16

2.5 قرآن حکیم سے دوری

قرآن حکیم سے بُعد بھی مسلمانوں کی پستی کا ذریعہ ہے۔ جب مسلمان قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا تھے تو ان میں عروج کی طرف لے جانے والی وہ تمام صفات تھیں جو قرآن چاہتا ہے۔ تحقیق و ترقی مسلمانوں کا خاصہ تھا، جیسے کہ گذشتہ دو ابواب میں تفصیل موجود ہے،[1] لیکن مرور زمانہ سے جب قرآن صرف تبرک اور ثواب کی چیز بن کر رہ گیا اور عملی زندگی اور سائنسی تحقیق میں اس سے راہنمائی لینا ترک کر دی گئی[2] تو مسلمانوں میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں جو قرآن نہیں چاہتا اور یہی چیز مسلمانوں کے زوال کا نقطہ آغاز بن گئی۔[3]

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ "[4]

"جب تک تم اس قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو تم نہ ہلاک ہو سکتے ہو اور نہ ہی گمراہی تمہارا مقدر بن سکتی ہے۔"[5]

لیکن فی زمانہ امت مسلمہ ہلاکت اور گمراہی کی طرف جا رہی ہے وجہ اس کی قرآن سے دوری ہے۔

خوار از مہجوری قرآں شُدی	شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شُدی
اے چو شبنم بر زمین افتندہ	در بغل داری قرآن زندہ

آج بھی شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی امت کے حوالے سے یہ تشخیص سو فی صد درست ہے:

---

[1] مفتی محمد شفیع: معارف القرآن (دار العلوم کراچی، کراچی) ج2، ص14

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] موطا امام مالک، تحقیق، عبد الباقی جلد 2 صفحہ 899

[5] طبرانی کبیر عن جبیر ابن مطعم۔ اور جامع ترمذی: باب ماجاء فی فضل القرآن (مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دین اور دنیاوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کا اختلاف اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن حکیم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"[1]

2.6 حقیقی ایمان ویقین سے محرومی

اللہ رب العزت کا مسلمانوں سے غلبے اور نصرت کا وعدہ قرآن عظیم میں کئی جگہ کیا گیا ہے، مثلا ملاحظہ ہوں چند آیات ربانی:

{وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ}[2]

ہم پر یہ حق تھا (اور ہے) کہ مومنوں کی مدد کریں۔

{كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ}[3]

اور ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں۔

{وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ}[4]

اللہ مومنوں کا ولی اور حمایتی ہے۔ اور

{وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ}[5]

کہ تم ہی غالب رہو گے۔

---

[1] مولانا محمد شفیع، وحدت امت، ص 40-39

[2] [الروم:47]

[3] [یونس:103]

[4] [آل عمران:68]

[5] [آل عمران:139]

لیکن اس وقت امت مسلمہ (جس کی مجموعی صورتحال کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے) عددی کثرت اور جغرافیائی اہمیت کے باوجود دنیا میں مغلوب اور کمزور ہے بلکہ پٹ رہی ہے اور سائنسی میدان میں بہت پیچھے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اب بھی اپنی جگہ سچا ہے لیکن مسلمان آج اس ایمان کی قوت سے محروم ہیں جو اسے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنائے ہوئے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس لئے تو فرماتا یہ کہ غلبہ تمہارا ہی ہے لیکن شرط یہ ہے {إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ}[1] اگر تم حقیقی طور پر مومن ہو۔[2] بلکہ حدیث میں ایمان باللہ کی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّكُمْ لَوْ عَرَفْتُمُ اللَّهَ حَقَّ الْمَعْرِفَةِ لَمَشَيْتُمْ عَلَى الْبُحُورِ، وَلَزَالَ بِدُعَائِكُمُ الْجِبَالُ، وَلَوْ أَنَّكُمْ خِفْتُمُ اللَّهَ كَحَقِّ الْخَوْفِ لَعَلِمْتُمُ الْعِلْمَ الَّذِي لَيْسَ مَعَهُ جَهْلٌ، وَمَا بَلَغَ ذَلِكَ أَحَدٌ قَطُّ» [3]

یعنی اگر تم اللہ کی معرفت کماحقہ حاصل کر لو تو تم سمندروں پر چلو اور تمہاری دعا سے پہاڑ ٹل جائیں۔

گویا آج امت مسلمہ مجموعی اعتبار سے اس ایمان حقیقی سے محروم ہے جس کی بنا پر نصرت و غلبے کا وعدہ ہے، فرشتوں کے نزول کے مژدے ہیں، وہ وعدے آج بھی ہیں لیکن فضاء بدر پیدا کرنی ہے، ایمان ابراہیم کا احیاء کرنا ہے اور {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا} [4] کے مطابق دوبارہ اس تعلق کو قوی بنانا ہے جسے امت مجموعی اعتبار سے کمزور کر چکی ہے۔

---

1 [آل عمران:139]

2 آل عمران:139:3

3 تعظيم قدر الصلاة، أبو عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِي (المتوفى: 294هـ)، مكتبة الدار - المدينة المنورة، الطبعة: الأولى، 1406، جلد2، صفحہ808

4 [النساء:136]

مادی اسباب اپنی جگہ اہم ہیں (جن میں ایک سائنسی میدان میں آگے بڑھنا بھی ہے) اور رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں حاصل کرنا ضروری ہے۔

{وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ} (1)

اور ان سے لڑنے کے لیے جو کچھ قوت سے اور صحت مند گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر رعب پڑے۔

لیکن اس دوران حقیقی مسبب کو نہ بھلایا جائے جو تمام اسباب کو موثر بنانے والا ہے، کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے۔

2.7 درپیش چیلنجز کا تدارک

جذبات اور جوش کے بجائے اگر ٹھنڈے دل سے امت مسلمہ کے مسائل اور زوال کی کی بنیادی وجہ پر غور کیا جائے تو ایک بات قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں {وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا} (2) اور کسی فرد یا جماعت پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا بمطابق {وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيدِ} (3) خصوصاً وہ امت جسے وہ خود اپنی کتاب میں خیر امہ اور امت وسط کے القابات سے شرف بخشتا ہے، وہی خدا پھر اسی امت کو ظالموں کے حوالے کر کے کمزور کر دیتا ہے اور ان کی مدد بھی نہیں کرتا۔ امت کی اس حالت کو پہلی امتوں کے واقعات کی روشنی میں وہ صاف بیان کرتا ہے:

---

[1] [الأنفال:60]

[2] [النساء:122]

[3] [ق:29]

{وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ}[1]

انہوں نے ہمارا نقصان نہیں کیا لیکن وہ (ہم سے روگردانی کر کے) اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔

گویا اللہ رب العالمین کے تمام وعدے سچے ہیں، وہ اب بھی امت کے آخری حصے کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہتا ہے جو اس نے السابقون الاولون کے ساتھ کیا۔ لیکن ان کے لئے مادی و سائنسی اور دنیاوی تیاری کے ساتھ رب تعالیٰ سے اپنے تعلق کو دوبارہ از سرِ نو استوار کرنا پڑے گا اور آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں پیچھے لوٹ کر اپنے خدا سے معاملہ صاف اور رابطہ قوی بنانا پڑے گا۔ اور اسی سچے خدا اور حقیقی طاقت کا سہارا پکڑنا ہو گا جسے چھوڑ کر ہم بہت آگے نکل آئے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جسے آپ ﷺ نے بھی بیان فرمایا:

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا»، فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: «بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزَعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ»، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: «حُبُّ الدُّنْيَا، وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ»[2]

"عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تمہارے خلاف دنیا کی قومیں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو خوان کی طرف دعوت دیتے ہیں، کسی نے پوچھا

---

[1] [البقرة:57]

[2] سنن أبي داود، المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ) ،الناشر: المكتبة العصرية، صيدا – بيروت، جلد 4، صفحه 111، حديث 4297

کیا یہ (ذلت و شکست) اس وجہ سے ہو گی کہ ہم لوگ اس زمانے میں تعداد میں کم ہو جائیں گے ؟آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں بلکہ تعداد میں تم اس زمانے میں بھی زیادہ ہو گے۔ لیکن اس زمانے میں تمہاری حیثیت سیلاب کے اوپر بہنے والے خس و خاشاک اور جھاگ کی ہو گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وھن کی بیماری ڈال دے گا" پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ **وھن** کیا چیز ہے ؟آپ ﷺ نے فرمایا: "دنیا کی محبت اور موت سے نفرت"۔

دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کیوں آتی ہے، جب انسان کا اپنے اللہ سے تعلق کمزور پڑ جاتا ہے، اس کے وعدوں پر یقین اور اعتماد کے بجائے عاجلہ (دنیا) کے عیش و آرام کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے، پھر رب تعالیٰ کی مدد ہٹ جاتی ہے اور جب وہ کسی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اور اعلیٰ سے اعلیٰ ٹیکنالوجی انسان (یا اس جماعت) کو ذلت سے نہیں بچا سکتی: اللہ کا وعدہ ہے:

{إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ}[(1)]

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا، اور اگر اس نے مدد چھوڑ دی تو پھر ایسا کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے۔

{وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ}[(2)]

اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے ہٹانے والا کوئی نہیں، اور اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو پھیرنے والا نہیں۔

---

[1] [آل عمران:160]

[2] [یونس:107]

یہی وہ خدائی طاقت تھی جس نے حضور ﷺ اور صحابہ کو ہر میدان میں غلبہ سے ہمکنار کیا اور جسے ایران کے گورنر نے خوب بیان کیا جب ایک جنگ میں ایران کے شکست خوردہ ھرمزان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

> ''ماضی میں جب کبھی عرب والوں نے آپ پر حملہ کیا تو آپ نے اتنی آسانی سے شکست دے دی، لیکن کیا وجہ ہے اب انہی عربوں نے آپ کی عظیم سلطنت (فارس) کو شکست دے دی۔ ھرمزان نے جواب دیا: ماضی کی جنگوں میں ایرانیوں کا مقابلہ صرف عربوں سے ہوتا تھا اور ان پر غلبہ حاصل کرنا کچھ مشکل نہ تھا لیکن اب کی بار ایران کے مقابلے میں عربوں کے ساتھ ان کا خدا (جو تمام طاقت کا سرچشمہ) بھی موجود ہے تو ہم کیسے ایسی طاقت کو شکست دے سکتے ہیں۔ [1]

امت کو اس عظیم طاقت کو ساتھ لینے کی ضرورت ہے جس کی طاقت میں نہ کبھی کمی آئی ہے اور نہ ہی کبھی وہ کسی سے شکست کھاتی ہے۔ ہم دعویٰ تو نبی رحمت ﷺ کی امت میں ہونے کا کرتے ہیں اور لیکن کبھی اس نبی ﷺ اور اس کے خدا سے وہ رشتہ تعلق جوڑا ہی نہیں جو دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیوں کی کنجی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے:

{إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ} [2]

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔

آج امت مسلمہ اگرچہ سنت الٰہی کے مطابق سزا بھگت رہی ہے لیکن اب بھی اگر وہ اصلاح احوال پر کمر

---

[1] شاہکار رسالت: حضرت عمر فاروقؓ کی سوانح حیات بحوالہ مضمون What happend to Islam after Umar ماہنامہ طلوع اسلام مئی 2006ء

[2] [الرعد:11]

بستہ ہو جائے تو

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

3۔مسائل کے حل کے لیے عملی اقدامات

آج امت مسلمہ کو{وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا}[1] کی روشنی میں قرآن حکیم جو کہ اللہ کی مضبوط رسی ہے کو مضبوطی سے تھامنا ہو گا اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں آپس میں ہر سطح پر اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ اتحاد کی درج ذیل صورتیں امت کی بقا اور ترقی اور اس کے مسائل کے حل کے لئے انتہائی ضروری ہیں:

1. مسلم ممالک کی مشترکہ تنظیم OIC کو فعال بنانے کی ضرورت کا احساس جتنا شدت سے اکیسویں صدی میں ہوا اتنا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ یہ تنظیم اگر فعال ہو کر تمام امت مسلمہ کے ممالک کو اپنے دست و بازو سمجھتے ہوئے ان میں ایسا فکری و نظری اتحاد پیدا کرے کہ تمام امت جسد واحد بن جائے تو ممکن نہیں کہ دوسرے ممالک اور اقوام اسلامی ممالک پر قبضے کریں اور ان پر ہر قسم کے ظلم روا رکھیں۔ یہ امت کی کمزوری اور ضعف کی غماز ہے کہ باطل بلا خوف و خطر اُمہ کے کسی بھی ملک پر چڑھ دوڑتا ہے اور اسے روکنے والا کوئی نہیں۔
2. اسی طرح امت کی دولت مشترکہ کے قیام کے لئے اقدامات کئے جائیں تاکہ امت کا سرمایہ غیر ملکی بینکوں سے امت مسلمہ کے مفاد میں صرف کیا جاسکے۔ (کیونکہ اس وقت مسلم ممالک کا 1.3 ٹریلین ڈالر کا سرمایہ

---

[1] [آل عمران:103]

امریکہ اور یورپی ممالک میں لگا ہوا ہے)[1]۔

3. امت کی معاشی ترقی اور استحصال سے بچنے کے لئے اسلامی ممالک کی مشترکہ منڈی کا قیام بھی انتہائی ضروری ہے۔

4. { وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ}[2] کی روشنی میں آج امت کو اپنے رعب اور دبدبہ (Deterrence) کو قائم رکھنے کے لئے جدید اسلحہ سے لیس ہونا انتہائی ضروری ہے، اس کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی بنیادی شرائط میں سے ہے۔

5. آج تمام امت مسلمہ کو یورپی یونین کی طرز پر اپنی علیحدہ کرنسی (مثلاً اسلامی دینار و درھم) اور دفاع کا نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ امت کے جسد واحد کے اعضاء کی طرف باطل میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔

6. موجودہ دور ابلاغ عامہ اور پراپیگنڈے کا دور ہے۔ اس میں عسکری وار کی طرح میڈیا وار نہایت اہم ہے۔ اکثر اوقات مغربی میڈیا حقائق کو مسخ (Distort) کرتے ہوئے مسلمان ممالک میں ہونے والے واقعات کو

---

[1] قرآن حکیم کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 103 کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی قرآن کو حبل اللہ کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں قرآن کی مدح اور عظمت کے بیان میں آپ ﷺ نے فصاحت و بلاغت کے جو موتی پروئے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ظاہر ہوگا، پوچھا کہ اس سے بچ نکلنے کا راستہ کیا ہوگا، فرمایا: قرآن حکیم، پھر اس کی مزید تفصیل یوں فرمائی اس قرآن میں تم سے پہلے اور بعد والوں کے حالات ہیں اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والے احکامات ہیں، یہی اللہ کی مضبوط رسی ہے وہی ذکر حکیم ہے اور صراط مستقیم ہے، اس کے عجائبات کبھی نہیں ختم ہوں گے اور اس سے علماء کبھی نہیں سیر ہوں گے اور نہ ہی یہ بار بار تکرار سے پرانا ہوگا جس نے اس کے مطابق سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر ملے گا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے سیدھی راہ پالی۔ (جامع ترمذی و سنن دارمی رواہ علیؓ ابن ابی طالب) باب ماجاء فی فضل القرآن، ج2، ص282۔283 (مکتبہ رحمانیہ لاہور) اقبال نے بھی کہا تھا:

؎ از یک آئینی مسلمان زندہ است — پیکر ملت ز قرآن زندہ است

ماھمہ خاک و دل آگاہ اوست — اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

[2] [الانفال:60]

ایسے انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ ان کے عوام اسلام کے قریب نہ ہوں۔ اس لئے اس وقت امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد کی خاطر اطلاعات کا ایک مضبوط نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جو دنیا کی دیگر بڑی بڑی نیوز ایجنسی کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام اور ملت اسلامیہ کا حقیقی تشخص اجاگر کر سکے اور اسلامی ممالک میں وقوع پذیر واقعات کو ان کے حقیقی تناظر میں دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔

7. اس طرح عالمی سطح پر اسلامک جوڈیشل فورم کے قیام کی تجویز سامنے آئی ہے اس پر عمل درآمد انتہائی ضروری ہے کہ اس کے ذریعے دہشت گردی کی کوئی متفقہ تعریف پیش کر کے اس کی روشنی میں مسلمانوں کے مفادات اور موقف کے تحفظ کے لئے راہ ہموار کی جا سکتی ہے، کیونکہ عالمی قوتوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے اہداف اور ٹارگٹس اپنی مرضی سے طے کرنے کے لئے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا ہے کہ دہشت گردی کی کوئی متعین تعریف موجود نہ ہو تاکہ وہ اپنی مرضی اور مفاد کے تحت دنیا کے جس ملک، قوم اور طبقہ کو چاہیں دہشت گرد قرار دے کر نشانہ بنا سکیں، چنانچہ ابھی تک یہی ہو رہا ہے اور کسی بھی فرد، گروہ یا ملک کو دہشت گرد قرار دینے اور اس پر بموں کی بارش کر دینے کا اختیار عملاً صرف "پینٹاگون" تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔[(1)]

چنانچہ اگر تمام اسلامی ممالک کی حکومتیں اس تجویز پر سنجیدگی سے توجہ دیں اور "اسلامک جوڈیشل فورم" کے قیام کے لئے اقدامات کریں تو اس کے ذریعے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر کی جانے والی ناانصافیوں کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے اور مسلم ممالک کے جائز حقوق کے لئے بین الاقوامی سطح پر آواز بلند کی جا سکتی ہے، جو اپنی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ یا حصول آزادی کے لئے جارح اور غاصب ملکوں کے خلاف بر سر پیکار ہیں اور بیرونی تسلط اور جارحیت کے خلاف مسلح مزاحمت کا قانونی اور اخلاقی حق استعمال کر رہے ہیں۔[(2)]

---

[1] تفصیل ملاحظہ ہو شیخ یوسف قرضاوی: غلبہ اسلام کی بشارتیں، ماہنامہ ترجمان القرآن، جولائی 2004ء، ص 47 تا 62، رجائی قوطان: امت کے لئے لائحہ عمل، ترجمان القرآن نومبر 2004ء، ص 43-39، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں از علامہ جلال العالم۔

[2] نوائے شریعت، پاکستان شریعت کونسل کا نیوز لیٹر، زیر نگرانی مولانا زاہد الراشدی

8. اسی طرح مسلم ممالک اپنے اپنے ممالک میں سماجی اور اجتماعی پہلوؤں پر توجہ دیں، افراد کے درمیان جذبہ اخوت و محبت کو پروان چڑھائیں، اغنیاء اور فقراء(Haves & Haves-Not)کے درمیان فاصلہ کم کرنے کے لئے اسلامی معاشی نظام اور نظام زکوۃ کو اس کی حقیقی سپرٹ میں نافذ کریں۔ چونکہ امت مسلمہ کی سائنسی و معاشی ترقی کے لئے اس کی سائنسی علوم میں ترقی ضروری ہے، اس کے لئے درج ذیل عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔

4۔ سائنسی علوم کے احیائے نو کے لیے عملی تجاویز

دور جدید کو سائنس کا دور کہنا بجا ہے۔ جو قوم سائنسی ترقی میں پیچھے رہ جائے گی وہ زندگی کے ہر میدان میں پیچھے رہ جائے گی۔ اس لیے وقت کے ساتھ چلنے کے ضروری ہے کہ سائنسی ترقی کی راہیں ہموار کی جائیں۔ سائنسی علوم کے احیائے نو کے لیے چند تجاویز درج ذیل ہیں۔

1) اسلامی نکتہ نظر سے سائنس کی اہمیت و افادیت کو واضح کیا جائے۔ عام لوگوں کو سمجھایا جائے کہ مذہب اور سائنس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انھیں اسلاف کے سائنسی کارناموں سے روشناس کرایا جائے تاکہ ان کے دل میں سائنسی علوم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

2) قوم کا احساس کمتری دور کیا جائے۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ انگریز پوری دنیا میں ذہین ہیں۔ تمام ایجادات یورپ اور امریکہ کے سائنس دانوں کی مرہون منت ہیں۔ انھیں بتایا جائے کہ سابقہ زمانے کی تمام اہم ترین ایجادات مسلمانوں ہی کے دم سے وجود میں آئیں۔ غیر اقوام نے مسلمانوں کے علمی سرمایہ سے استفادہ کر کے سائنسی میدان میں ترقی کی ہے۔ قوم میں خود اعتمادی پیدا کی جائے۔

3) سرکاری سطح پر سائنسی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ سکولوں اور کالجوں میں سائنسی علوم پڑھانے والے اساتذہ کی علمی تربیت کا بندوبست کیا جائے۔ سکولوں میں سائنسی تجربات کروائے جائیں۔ سکولوں اور کالجوں میں

صنعتی اور فنی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

4) سائنس سے دلچسپی رکھنے والوں کو پرائیویٹ اور سرکاری سطح پر تجربات کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں اور سائنسی لیبارٹریاں قائم کرنے کے لیے مالی وسائل فراہم کیے جائیں۔

5) جدید سائنسی علوم پر مشتمل لائبریریاں قائم کی جائیں تاکہ طلبہ کو ہر سائنسی شعبہ سے متعلق مواد حاصل ہو سکے۔

6) ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ سائنسی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

7) ہمارے ہاں ہنر مندوں کی کمی نہیں اور نہ ہی ہمارے نوجوانوں میں ذہانت کا فقدان ہے۔ ہمارے نوجوان صرف مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں وہ کارنامے انجام دینے سے قاصر ہیں جو بڑی قوموں کا طرہ امتیاز ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انھیں مالی وسائل فراہم کیے جائیں تاکہ وہ سائنسی میدان میں اپنی ذہانتوں کا لوہا منوا سکیں۔

8) وہ چیزیں جو ہم دوسرے ممالک سے برآمد کرتے ہیں وہ ملک میں ہی پیدا کی جائیں۔ اس مقصد کے لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ پرائیویٹ ادارے اور کارخانے قائم کرنے کی اجازت دے اور کوئی چیز ایجاد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور اس کی ایجاد کو عام کرنے کے لیے اسے مالی امداد دی جائے۔ کون سی چیز ہے جو ملک میں تیار نہیں کی جا سکتی۔ اشیاء درآمد کرنے کے بجائے برآمد کی جائیں اور پاکستان کو تجارتی منڈی بنایا جائے۔ ہماری قوم میں ہمت بھی ہے اور ذہانت بھی ہے اور سائنسی شعور بھی۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن سے لے کر ایٹم بم تک ہر چیز ہم بنا سکتے ہیں، بشر طیکہ غیر ملکی اجارہ داری ختم کی جائے اور پاکستان کو خود کفیل بنانے کا پختہ ارادہ کر لیا جائے۔

5۔سائنس کی تشکیل نو

اسلام نے بے شمار سائنس دان پیدا کیے۔اسلامی سائنس نے خلافت بنوامیہ کے دور میں عروج حاصل کیااور سقوط بغداد کے بعد رو بہ زوال ہو گئی۔اس کے بعد صدیوں تک کوئی معروف سائنس دان پیدا نہ ہوا۔اسلام میں سائنس کے زوال کے ساتھ ہی سائنس کارخ مغرب کی طرف ہو گیااور مغربیوں نے مسلمان سائنسدانوں کے کام کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔اہل مغرب مسلمان سائنس دانوں کو کو فلاسفہ یونان سے ان معنوں میں بر تر خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے علم کو تجرید (Abstract) سے نکال کر تجربے کے حوالے کیا۔ مغربی سائنسدانوں نے تیرھویں صدی تک کے مسلمان سائنس دانوں اور محققوں کے افکار و نظریات اور تجربات ومشاہدات سے استفادہ کرتے ہوئے عملی سائنس میں اس قدر ترقی کہ مسلمان اقوام پیچھے رہ گئیں۔ مسلمانوں کے سائنس میں پیچھے رہ جانے کا باعث ان کی جسمانی اور ذہنی غلامی ہے۔جو مسلمان ممالک انگریزوں اور دیگر مغربی اقوام کے ماتحت یا زیر سایہ رہے،وہ انہی کا دم بھرتے رہے اور سائنسی میدان سے از حد دور ہوتے چلے گئے۔یہاں تک کہ سائنسی میدان پر اقوام مغرب کا قبضہ ہو گیا۔

6۔سائنس کی تشکیل نو میں حائل رکاوٹیں

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ سائنس کی تشکیل نو کی جائے اور مسلمان سائنسی میدان میں داخل ہو کر آگے بڑھیں۔سائنس کی تشکیل نو کے سلسلے میں ہماری راہ میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں۔

کم علمی اور ملائیت: سائنس کی تشکیل نو کے سلسلہ میں بڑی رکاوٹ خشک اور کم علم ملاؤں کے خود ساختہ اور نظریات ہیں جو سائنس کو اسلامی عقائد کے منافی تصور کرتے ہیں۔اور بعض علماء ایسے ہیں جو سائنسی حقائق کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان پر اعتماد کرنا سخت غلطی اور گناہ ہے۔مولانا ابوالا علیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ :

> "یہ کہنا کہ سائنس تو ایک عالمگیر چیز ہے،اس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں،فی الواقع بڑی نافہمی کی بات ہے۔سائنس میں حقائق اور قوانین فطرت جو تجربے اور مشاہدے سے

انسان کے علم میں آتے ہیں، بلا شبہ عالمگیر ہیں۔ دوسری وہ چیز ذہن ہے، جو ان حقائق اور معلومات کو مرتب کر کے ان پر نظریات قائم کرتا ہے اور وہ زبان جس میں وہ ان کو بیان کرتا ہے، یہ چیز عالمگیر نہیں ہے، بلکہ اس میں ہر تہذیب کے پیرؤں کو الگ الگ اسلوب ہے اور فطرتاً الگ ہونا چاہیے۔ ہم اس دوسری چیز کو بدلنا چاہتے ہیں نہ کہ پہلی چیز کو۔ مثلاً یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ دنیا کی دوسری تمام چیزیں تو سرد ہو کر سکڑتی ہیں لیکن پانی جم کر پھیل جاتا ہے اور برف بن کر ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے برف سطح آب پر تیرنے لگتی ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے۔ اب ایک اس چیز کو اسی طرح بیان کرتا ہے کہ خدا نے اپنی حکمت و ربوبیت سے پانی میں یہ خصوصیت اس لیے رکھی ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں یہ جاندار مخلوق باقی رہ سکے، اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پانی جم کر نیچے بیٹھ جاتا، یہاں تک کہ پورے سمندر، تالاب اور دریا برف بن جاتے اور کوئی جاندار مخلوق ان میں زندہ نہ رہتی۔ دیکھیے ایک ہی امر واقعہ کو دو شخص اپنے اپنے طرز فکر کے مطابق دو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور ہر ایک کا بیان پڑھتے ہی آدمی کے ذہن پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔"(1)

مولانا مودودی کا کہنا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں، جو انسانوں کے دل میں ایمان کی گہری جڑوں کو راسخ کر دینے والا نہ ہو۔ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، اٹانومی، اسٹرانومی، غرض جس علم کو بھی آپ دیکھیں، اس میں ایسے ایسے حقائق سامنے آئیں گے جو انسانوں کو پکا اور سچا مومن بنا دینے کے لیے کافی ہیں۔ سائنس کے حقائق سے بڑھ کر آدمی کے دل میں ایمان

---

[1] نوائے شریعت، پاکستان شریعت کونسل کا نیوز لیٹر، زیر نگرانی مولانا زاہد الراشدی

پیدا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔"[1]

مولانا مودودی مزید فرماتے ہیں کہ:

"سائنس اللہ تعالیٰ تک پہنچنے، اس کی قدرت کاملہ پر غور کرنے، انسان میں اللہ کے آگے سجدہ ریز ہونے، اس کی عبادت و معرفت کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔"[2]

مولانا مودودی نسل نو کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"ہمارے زمانے میں سائنس کا طالب علم سائنسی اور دینی حقائق کو متضاد سمجھتا ہے اور بسا اوقات سائنس پڑھ لینے کے بعد وہ رسول، وحی اور آخرت کا یا تو منکر ہو بیٹھتا ہے یا کم از کم سائنس کی گفتگو کے دوران عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے شرماتا ہے۔"[3]

ہمیں سائنس پڑھنے والے مسلمان طلباء کے اسی شرم کو دور کرنا ہے۔ جس کا تذکرہ مولانا مودودی نے نسل نو کی ایک کمزوری کے طور پر کیا ہے۔

مولانا مودودی کا یہ بیان خشک ملاؤں کے لیے جو سائنس کو اسلام اور قرآن سے متضاد و متصادم قرار دیتے ہیں کافی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

"قرآن اگرچہ سائنس کی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی اس کے موضوع کا براہ راست سائنس سے کوئی تعلق ہے، لیکن جس خالق نے کائنات کو تصنیف کیا ہے اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسرے کتاب میں جگہ جگہ استدلال و استشہاد کا کام لیتا ہے۔ اس لیے اس گہرے مطالعہ سے سائنس کے ایک عالم کو نہ صرف نظام کائنات کا بنیادی فارمولا معلوم ہو جاتا ہے بلکہ قریب قریب ہر شعبہ علم میں ایک صحیح نقطہ آغاز اور تلاش و تجسس کے لیے ایک صحیح

---

[1] تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص434

[2] ایضاً، ص435

[3] ایضاً

رخ بھی ملتا ہے۔ وہ شاہ کلید ہے جس سے کام لے تو اس کا بہت سا وقت کلیوں کو سلجھانے اور سلجھاتے سلجھاتے خود اُلجھ جانے میں ضائع نہ ہو۔"[1]

سائنس کی تشکیل نو کی راہ میں حائل مذہبی رکاوٹ کو خود مذہب اسلام کے صحیح تصورات اور استدلال سے دور کیا جا سکتا ہے اور قرآن سے کئی ثبوت دیئے جا سکتا ہے کہ سائنس اور مذہب میں کوئی تضاد و تصادم نہیں۔ اس مقصد کے لیے نوجوان نسل کو ایسے لٹریچر کی ضرورت ہے جو انھیں اسلامی نہج پر سائنس سے رغبت دلا سکے اور طلباء میں غور و فکر اور تحقیق و تجسس کا مادہ پیدا کر سکے۔ اس سلسلہ میں نصاب تعلیم کو از سر نو مدون کرنا۔

6.1 نصاب تعلیم

فرسودہ نصاب تعلیم بھی سائنس کی تشکیل نو کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا نصاب تعلیم کو از سر نو مدون کرنا از حد ضروری ہے، جس کا مقصد بقول ڈاکٹر رفیع الدین یہ ہونا چاہیے کہ "ہم کائنات میں خدا کو بنیادی سائنسی حقیقت کے طور پر سمجھیں اور مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ اس کی روشنی میں کریں۔ پھر ہمارے نتائج جس طرف خود بخود چلتے ہیں، چلتے جائیں اور ہم ان کے پیچھے پیچھے جائیں۔ قرآن کریم کے اندر ہمیں ہدایت ملتی {يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ}[2] جس کا مطلب ہے کہ ہم آسمانوں اور زمین کے اندر خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جیسی کہ وہ فی الواقع موجود ہوں غور و فکر کریں نہ یہ کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق ان کی توجیہہ کریں"۔

6.2 عملی سائنس کی نظر اندازی

سائنس کی تشکیل نو کے لیے صرف سائنسی علوم کو صرف کتابوں سے پڑھ لیناہی کافی نہیں بلکہ اس کے لیے عملی طور پر کام کرنا بھی لازم ہے اور اس مقصد کے لیے تجربات و مشاہدات کے زریعے نئی نئی باتوں کا انکشاف

---

[1] ایضاً، ص436

[2] [آل عمران:191]

کرنا ہی سائنسی ترقی ہے جس کے ذریعے جدید ایجادات کو متعارف کرایا جاسکتا ہے۔اور سائنسی دنیا میں اسلام کا نام روشن کیا جاسکتا ہے۔یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے ہمیں سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جدید سائنسی آلات سے مزین تجربہ گاہیں قائم کرنا ہوں گی۔اس کے علاوہ ہمیں سائنسی علوم حاصل کرنے والے نوجوان کو سائنسی تجربات و مشاہدات میں سہولیات فراہم کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے پر بھی توجہ دینا ہوگی۔ہم غیر ممالک کی بنی ہوئی ایسی اشیاء اور مشینری وغیرہ درآمد کرتے ہیں جو ہمارے ملک کے ماہرین بھی تیار کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ فلکیات و طبیعات کے میدان میں نظریہ سازی بھی ہو سکتی ہے۔اگر مسلم سائنسدانوں کو مواقع فراہم کیے جائیں تو وہ مغربی سائنس دانوں کے بعض نظریات کی تغلیط یا تصحیح کر سکتے ہیں اور تجربات و مشاہدات کے دوران مسلم سائنس دان مادہ، جوہر اور اجرام فلکی وغیرہ سے متعلق قدیم نظریات میں اضافہ کر سکیں یا یکسر ان کا ابطال کر سکیں۔اس ضمن میں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ مسلم ممالک اکثر غربت و بدحالی کا شکار ہیں،اس لیے وہ اعلیٰ پیمانے پر تجربہ گاہیں قائم نہیں کر سکتے اور نہ ہی سائنسی انکشافات کے لیے اتنے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں۔یہ اعتراض ایک حد تک بجا ہے لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سائنس بذات خود مفلسی و بدحالی دور کرنے کا ایک ذریعہ بھی تو ہے۔ ہمیں اپنے دیگر اخراجات کم کر کے سائنسی ترقی کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم مختص کرنا ضروری ہے کیونکہ سائنس بھی روٹی کی طرح ایک قومی ضرورت بن چکی ہے۔اگر ہم سائنسی میدان میں پیچھے رہ جائیں گے تو ہم زندگی کے ہر میدان میں پیچھے رہ کر کمزور سے کمزور ہوتے چلے جائیں گے۔

7۔سائنس کی تشکیل نو کی تدابیر

متذکرہ بالا سطور میں سائنس کی تشکیل نو کی راہ میں حائل چند اہم رکاوٹوں کی نشاندہی کی گئی ہے، ان رکاوٹوں کو دور کر کے مسلمان ممالک میں سائنسی ترقی کے لیے راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔ذیل میں چند بنیادی اصولوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جنھیں اپنا کر مسلم ممالک سائنس میں نام پیدا کر سکتے ہیں۔

1) اس امر کا بنیادی اصول یہ ہے کہ سائنس کے بنیادی تصور کو عام کیا جائے۔یعنی یہ کہ سائنس قانون قدرت کو دریافت کرتی ہے اور اس کی بنیاد وحدت پر ہے۔یعنی سائنس یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ کائنات میں دوئی نہیں

اور تمام قوانین ہر جگہ اور ہر وقت یکساں ہوتے ہیں۔

2) دوسرا اصول یہ ہے کہ سائنس کا کام انسانیت کی خدمت ہے۔ چنانچہ ایسے علوم اور تکنیک کو فروغ دینا چاہیے جو انسانیت کی خدمت کر سکیں مثلاً زراعت، صنعت اور تعلیم وغیرہ دوسرے لفظوں میں سائنسی اخلاقیات کو فروغ دیا جائے۔

3) تیسرا اصول یہ ہے کہ موجودہ تمام سائنسی علوم کے فلسفے کو اسلامی نقطہ نظر سے مرتب کیا جائے۔ اور اس کی تفصیل میں مندرجہ ذیل نکات ملحوظ رکھے جائیں۔

(1) اسلامی تہذیب و تمدن کی عظمتوں کا شعور پیدا کیا جائے اور اسلامیات کے علاوہ اسلامی تہذیب و تمدن کا ایک لازمی کورس تمام ممالک میں پڑھایا جائے۔ اس کورس کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ اس میں اسلامی تعلیمات کے تمام پہلو آ جائیں۔

(2) روایتی اور جدید ہر دو نظام ہائے تعلیم کا فرق ختم کیا جائے۔

(3) جدید علوم کو اسلامی نقطہ نظر سے پیش کیا جائے اور ہر علم کے آغاز میں بتایا جائے کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کی اس قدرت یا ارادے کا مطالعہ کرتا ہے جو خاص انداز میں جاری ہے اور نتیجے کا سبب الاسباب (Cause of All Causes) اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔

(4) اسلامی طریقہ کار یا سائنس کے اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) اللہ واحد ہے اور اس کا طریقہ ایک ہے۔

(ب) کائنات میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس وحدت کو سمجھ کر اور اس میں جاری اصولوں کو جان کر انسان اس کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے کیونکہ یہ کائنات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

(ج) سچائی واحد ہے اور اسی بنا پر علم واحد ہے۔ ایک ہی شے کی دو حقیقتیں نہیں ہو سکتیں۔

(د) زندگی واحد ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اسے اس کے احکام کے مطابق صرف کرنا چاہیے۔ انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے، اس لئے اسے اپنے خالق جیسے صفات اپنانا چاہیے۔

(ر) انسانیت واحد ہے اور تمام بنی نوع انسان مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔

(5) اسلام کی عظمت رفتہ، خصوصاً سائنسی کارناموں کی تشہیر کی جائے اور مستقبل کے لیے مذاکرے، سیمینار، ورکشاپیں منعقد کی جائیں۔

تعلیمی نظام اور سائنسی افرادی قوت: تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کے لیے اسے اس طرح منظم کرنا ضروری ہے کہ اس میں اسلامی سائنس کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔ خصوصاً ابتدائی سطح پر روزمرہ سائنس سے آغاز کیا جانا چاہیے۔ مدارس میں سمعی بصری مواد اور تجربہ گاہیں موجود ہونی چاہیں جو آلات سائنسی سے مزین ہوں۔

- ہر مسلم ممالک میں کم از کم ایک مضمون میں اعلیٰ مہارت کا بہترین مرکز قائم ہونا چاہیے جہاں بہترین تجربہ گاہ موجود ہو۔
- اعلیٰ سطح کی تحقیق پر زیادہ توجہ دی جائے اور زیادہ سے زیادہ ریسرچ سکالر اور پی ایچ ڈی افراد تیار کیے جائیں۔
- سائنس کی بہترین تدریس کے لیے اساتذہ کا باہم تبادلہ بھی کیا جا سکتا ہے تاکہ ایک دوسرے کی ضروریات پوری ہوں۔
- کم از کم گریجویٹ سطح تک سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم مسلم ممالک کی اپنی زبانوں میں دی جائے۔
- عوام میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے جدید علوم کے فروغ کے لیے ایسے دارالتراجم قائم کیے جانے چاہیے جو سائنسی علوم کو مسلم ممالک کی زبانوں میں منتقل کریں۔
- مسلم ممالک میں شرح خواندگی سو فیصد ہونی چاہیے۔ خواندگی کو بہتر بنائے بغیر نہ تو سائنسی تعلیم کا معیار بلند ہو سکتا ہے اور نہ ہی زندگی کا۔

- تعلیمی اخراجات اقراء جیسے ٹیکسوں سے پورے کیے جا سکتے ہیں۔اس سلسلہ میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ تمام مسلم ممالک ایک فنڈ قائم کریں جس سے سائنسی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے مسلم ممالک کو امداد دی جائے۔
- منصوبہ بندی: مسلم ممالک کو سائنسی ترقی کے لیے منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔اس سلسلہ میں توانائی، صنعتوں،اور خلائی ٹیکنالوجی کو خصوصی اہمیت دینی چاہیے۔ مسلم ممالک کو زراعت، خوراک، اسلحہ اور توانائی میں خود کفیلی کے سلسلہ کو اولیت دینی چاہیے اور ایک دوسرے ممالک کی بنیادی ٹیکنالوجی میں معاونت کرنی چاہیے۔

بنیادی ٹیکنالوجی میں زراعت، معدنیات، فولاد سازی، برتن سازی، شیشہ سازی، ادویہ سازی، الیکٹرانکس، ذرائع نقل و حمل، تعمیرات، نظام آبپاشی، ایٹمی ٹیکنالوجی اور خلائی ٹیکنالوجی پر ہر حال میں خصوصی توجہ درکار ہے۔

8۔اسلامی سائنس کی تشکیل نو

اگرچہ سائنس کی اسلامی اور مغربی تقسیم صحیح نہیں لیکن پھر بھی یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ دور جدید میں ہم اسلامی سائنس کا احیاء کیوں کریں اور جدید اسلامی سائنس کس طرح سے نئی تشکیل پائے۔ مختلف اصحاب مختلف آراء پیش کرتے رہے ہیں لیکن عموماً یہ تمام لوگ فلسفہ سائنس کو بنیاد ٹھہراتے ہیں اور اسی پر اپنے فکر کی بنیاد بھی رکھتے ہیں۔ لیکن شاید ان میں سے کوئی بھی بنیادی طور پر سائنس دان نہیں۔ان میں سے دو آوازیں بہت اہم ہیں اول ڈاکٹر رفیع الدین جو بنیادی طور پر فلسفہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دوم سید ابوالاعلیٰ مودودی جو بنیادی طور پر علم دین سے متعلق ہیں۔ سائنس دان ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ دیگر اہل علم زیادہ سے زیادہ نظریہ ارتقاء، نظریہ مادہ وغیرہ پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ان میں سے کسی نے بھی یہ جاننے کی زحمت گوارہ نہیں کی کہ سائنسی

نظریات اور حقائق میں فرق ہوتا ہے۔ سائنس کی بنیاد نظریات سے زیادہ حقائق پر ہوتی ہے یا پھر اس کے طریق تحقیق پر۔ چنانچہ مزید بحث سے پہلے مختلف آراء کا جائزہ لیناضروری ہو گا۔

شپنگلر نے کتاب ''زوال مغرب'' میں سائنسی نظریات پر بحث کی ہے لیکن وہ بھی بنیادی طور پر فلسفی ہے۔اس لئے نظریہ کو اہمیت دیتا ہے۔وہ لکھتا ہے:

"ہر علمی حقیقت خواہ وہ کیسی ہی سادہ ہو آغاز ہی سے اپنے دامن میں ایک نظریہ کو لیے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ چیز جسے ہم ایک حقیقت کہتے ہیں ایک نادرالوقوع اثر ہے جو ایک بیدار شخصیت پر پڑتا ہے"۔

آگے چل کر پھر وہ لکھتا ہے:

"ہر مستقل چیز بذات خود بے معنی ہوتی ہے۔ طبیعاتی مشاہدہ اس طرح سے تشکیل پاتا ہے کہ وہ بعض سابقہ خیالی مفروضات کی بنیاد کو ثابت کرتا ہے اور بعض کے کامیاب اہتمام کا نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ سابقہ مفروضات اور زیادہ قابل یقین ہو جاتے ہیں۔ان مفروضات کے بغیر نتیجہ محض خالی خولی اعداد تک منحصر ہو کر رہ جاتا ہے لیکن درحقیقت ان مفروضات سے نہ تو ہم الگ ہوتے ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں اگر کوئی محقق کوشش کر کے اپنے تمام مفروضات کو جنھیں وہ جانتا ہے تہ کر کے ایک طرف رکھ دے تو خواہ وہ یہ سمجھے کہ اب اس کا کام بالکل صاف اور واضح ہو گیا ہے تاہم جونہی وہ اپنی تحقیق کا آغاز کرے گا مفروضات پر اس کا یہ تصرف نہ رہے گا وہ ان کو الگ رکھ سکے بلکہ وہ خود ان مفروضات کے غیر شعوری تصرف میں چلا جائے گا کیونکہ تحقیق بہر حال ایک زندہ عمل ہے اور ہر زندہ عمل میں ایک انسان اپنی ثقافت، اپنے عصر، اپنے مکتب اور اپنی روایات کے تابع ہونے پر مجبور ہے۔ایمان اور علم دراصل باطنی ایقان ہی کے دو پہلو ہیں مگر ان دونوں میں ایمان کو تقدم حاصل ہے اور علم کے تمام اعتبارات پر خواہ وہ کیسے ہی غیر واضح ہوں اس کی بالادستی کا سکہ رواں ہوتا ہے۔لہٰذا یہ نظریات ہیں نہ کہ محض اعداد جو تمام طبعی علوم کی بنیاد بنتے ہیں۔ ثقافتی انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر اس اصلی سائنس کی لاشعوری طلب کروٹیں لیتی رہتی ہیں جو اس کی اپنی ثقافت کی روح کے مطابق ہو اور یہ طلب قدرت کے کسی

عالمگیر تصور کو سمجھنے اور اس پر عادی ہونے اور اس کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے کار فرما ہوتی ہے۔ دشوار اور محنت طلب پیائش جو محض پیائشوں کی خاطر کی جائے چھوٹے ذہنوں کے لیے باعث اطمینان ہونے کے سوا اور کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہر تصور جو کسی حالت میں بھی دائرہ امکان میں داخل ہوتا ہے اپنے موجد کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ مقولہ کہ "انسان نے خدا کو اپنے نمونہ پر بنایا ہے" ہر تاریخی مذہب پر صادق آتا ہے لیکن ہر طبیعاتی علم کے لیے بھی کچھ کم صحیح نہیں خواہ اس علم کی نام نہاد واقعاتی یا تجرباتی اساس کتنی ہی محکم کیوں نہ ہو۔ آگے چل کر لکھتا ہے:

عالم کی عقلی تشکیل کی اس صورت کو (یعنی علم طبیعات کو) ایسی ہی دوسری صورتوں میں اولیت دینے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں۔ ہر تنقیدی علم، ہر مذہبی یا غیر مذہبی عقیدہ کی طرح باطنی ایقان ہی پر قائم ہوتا ہے۔ اگرچہ ہیئت اور مزاج کے اعتبار سے اس باطنی ایقان کے مظاہر لاتعداد ہوتے ہیں تاہم وہ اپنے بنیادی اصول کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوتے لہٰذا طبعی علوم کا مذہب کو ہدف ملامت بنانا ایسے ہتھیار کی طرح ہے جو پھینکنے والے ہی کی سمت میں لوٹ آتا ہے۔

ہر تہذیب خیالات و اعمال کا اپنا منفرد اور ذاتی ہیولیٰ خود تیار کرتی ہے جو اس کے اپنے لیے امر حق ہوتا ہے اور اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ وہ تہذیب خود زندہ رہتی ہے اور اپنے امکانات کو آشکار کرتی رہتی ہے۔ جب کوئی تہذیب اپنے خاتمے کے قریب پہنچتی ہے اور اس کی تخلیقی قوت فنا ہو جاتی ہے یعنی اس کی قوت تخیل اور فکر و زباں کی قوتیں مردہ ہو جاتی ہیں تو صرف بے روح ضابطے اور مردہ نظام ہائے فکر کے ڈھانچے باقی رہ جاتے ہیں جن کو دوسری تہذیب سے وابستہ افراد لفظاً تو پڑھ لیتے ہیں مگر ان کی بے معنی محسوس کرتے ہیں یا غیر اہم گردانتے ہیں۔ پھر یا تو وہ ان کو میکانکی انداز میں محفوظ کر لیتے ہیں یا حقیر جان کر فراموش کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کا کوئی جسد ہو اور صرف ایک ایسی زندہ جماعت ہی جو اپنی زندگی کو ان کے وجود کے اندر اور ان کے وجود کی معرفت وسعت دیتی ہو اور ان کے ذریعے سے اپنا اظہار کرتی ہو اور اندر ہی اندر ان کو اپناتی ہو۔ ان کو اس نعمت سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی مطلق طبیعات کا وجود نہیں ہوتا بلکہ الگ الگ علوم

طبیعات کا وجود ہوتا ہے جو اپنی مخصوص تہذیبوں کے گہواروں میں پروان چڑھتے اور مٹ جاتے ہیں۔"

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سائنسی حقائق محض ظنی ہوتے ہیں اس لیے ان پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے۔ دراصل وہ مشاہدات اور معلومات کو حقائق سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں۔

دور جدید میں ہونے والی سائنسی ترقی اور نت نئی ایجادات مسلمان کے ایمان اور اعتقاد میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں بشرطیکہ اسلامی نقطہ نظر سے ان کا مطالعہ کیا جائے۔ اس ضمن میں مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے دل میں ایمان کی گہری جڑوں کو راسخ کر دینے والا نہ ہو۔ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، اناٹومی، اسٹرانومی اغراض جس علم کو بھی آپ دیکھیں ان میں ایسے ایسے حقائق سامنے آئیں گے جو انسانوں کو پکا اور سچا مومن بنا دینے کے لیے کافی ہیں۔ سائنس کے حقائق سے بڑھ کر آدمی کے دل میں ایمان پیدا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔"۔

مولانا تقی عثمانی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سائنس اللہ تک پہنچنے، اس کی قدرت کاملہ پر غور و فکر کرنے، انسان میں اللہ کے آگے عجز کا احساس پیدا کرنے، اس کے آگے سجدہ ریز ہونے، اس کی عبادت و معرفت کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے لیکن ہمارے زمانے میں سائنس کا طالبعلم سائنسی اور دینی حقائق کو متضاد سمجھتا ہے اور بسا اوقات سائنس پڑھ لینے کے بعد وہ رسول، وحی اور آخرت کا یا تو منکر ہو بیٹھتا ہے یا کم از کم سائنس کی گفتگو کے دوران عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے شرماتا ہے"۔

ہمیں مسلمان سائنسدان کی اسی شرم کو دور کرنا ہے۔ نئے سرے سے سائنسی کتابوں کو لکھنا ہے۔ اس کے بارے میں ایک عمدہ اور اب تک کی بہترین رائے ہمارے سامنے آئی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے اس کام کے لیے تین راستے بتائے ہیں۔

"**سائنسی علوم کی تشکیل جدید** کے دوران میں سب سے پہلی بات جو ہمیں مد نظر رکھنی چاہیے وہ یہ کہ صحیح تصور حقیقت کو سائنسی علوم کے اندر سمونے سے تمام غلط سائنسی علوم تبدیل ہو کر درست ہوتے ہیں اور یہ تبدیلی نہ صرف ان علوم کے نقطہ نظر اور ان کی غرض و غایت میں ہوتی ہے بلکہ ان کا متن یا مواد بھی بدل جاتا ہے۔ لیکن اس کے متن یا مواد کے اندر جو تبدیلی رونما ہوتی ہے وہ طبیعاتی علوم میں بہت کم، حیاتیاتی علوم میں اس سے زیادہ اور نفسیاتی یا انسانی علوم علوم میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان کے مواد کے اندر تبدیلی کی وسعت اسی نسبت سے زیادہ ہوتی جاتی ہے جس نسبت سے کائنات کا وہ طبقہ جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ شعوری مقصدی فعلیت کے وصف سے قریب ہوتا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نظریہ کائنات مقصد کائنات کا ایک نظریہ بھی ہوتا ہے اور وہ کائنات کے تینوں طبقوں سے کسی طبقہ کے علم کے اندر اتنا ہی داخل ہو سکتا ہے جتنا کہ خود اس طبقہ کے اندر کائنات کا مقصد شعوری طور پر آزاد یا آشکار ہو۔ مادہ مقصدی فعلیت سے بالکل محروم ہے۔ لہذا نظریہ کی نوعیت مادی یا طبیعاتی علوم پر بہت کم اثر انداز ہوتی ہے۔ حیوان غیر شعوری مقصد فعلیت سے بہرہ ور ہے لہذا نظریہ کی نوعیت حیاتیاتی علوم پر مادی علوم کی نسبت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے لیکن انسان خود شعور ہے اور آزادانہ شعور کی مقصدی فعلیت کی استعداد رکھتا ہے۔ لہذا نظریہ کی نوعیت نفسیاتی یا انسانی علوم پر حیاتیاتی علوم سے بھی بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک نئے نظریہ کی روشنی میں یہ سائنسی علوم یکسر بدل جاتے ہیں اور یہ سائنسی علوم وہ ہیں جو انسان کی عملی زندگی کے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے غلط ہونے سے انسان کی ساری عملی زندگی غلط ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے سائنسی علوم کا بھی صحیح استعمال نہیں کر سکتا اور ان کے نادرست ہونے سے اس کی ساری عملی زندگی غلط ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے سائنسی علوم سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحیح تصور کائنات کے مطابق سائنسی علوم کا تعمیر کرنا یا بدلنا انسان کے لیے کس قدر ضروری ہے"۔

دوسرے پہلو کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

سائنس کی درسی کتابوں کو نئے سرے سے لکھتے وقت دوسری بات جو ہمیں مد نظر رکھنی چاہیے وہ یہ

ہے کہ ہمارا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم سائنسی علوم کو بدل کے اسلام کی اپنی مرغوب اور پسندیدہ تشریح کے مطابق کریں۔ مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے بتکلف ایسے نتائج اخذ کریں جو اسلام کی اس تشریح کے مطابق درست ہوں جو ہم نے خود کر رکھی ہے۔ ایسا کرنے سے ہمیں ایک طرف سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہم سائنسدان کی امتیازی خصوصیات یعنی مخلصانہ طلب، صداقت اور دیانتدارانہ جستجو اور حقائق سے محروم ہو جائیں گے اور دوسری طرف اسلام کی اس توجیہہ کو جو ہم نے خود کر رکھی ہے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو سائنس کے نام پر پیش کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم سائنس اور اسلام دونوں کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل رہے ہوں گے۔ ایسا کرنا ایک بہت بڑا علمی جرم ہو گا جس کا پردہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد خود بخود چاک ہو جائے گا۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم کائنات میں خدا کی خالقیت اور ربوبیت اور تمام صفات جلال و جمال کی کارفرمائی کو ایک معلوم اور مسلم اور بنیادی سائنسی حقیقت کے طور پر سمجھیں اور مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ اس کی روشنی میں کریں۔ پھر ہمارے نتائج جس طرف خود بخود چلتے ہیں چلتے جائیں اور ہم ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔ قرآن حکیم کے اندر ہمیں یہی ہدایات ملتی ہیں کہ ہم آسمانوں اور زمین کے اندر خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جیسا کہ وہ فی الواقع موجود ہیں غور و فکر کریں نہ یہ کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق ان کی توجیہہ کریں۔

تیسرا پہلو سائنس کی سیدھی راہ سے انحراف کا علاج ہے، جس کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"تیسری بات جو ہمیں مد نظر رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ سائنس کا راستہ فقط ایک ہی ہے اور وہ ایک سیدھی سڑک کی طرح ہے جس کی ہر اگلی منزل پچھلی منزل پر منحصر ہوتی ہے۔ اگر سائنس کسی مقام پر غلط ہو کر اس راستہ سے ذرا ہٹ جائے تو پھر وہ ایک غلط راستہ اختیار کرتی ہے اور ہر روز اور زیادہ غلط ہوتی جاتی ہے اور اس کا راستہ سائنس کے اصلی راستہ سے ہر قدم پر اور دور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام ایسا آجاتا ہے جہاں سے آگے کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا اور یہاں آکر غلط راستہ پر اس کی مزید ترقی رک جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر ہم چاہیں کہ سائنس پھر اپنے اصلی اور صحیح راستہ پر آجائے تو ہمیں اس کو پھر اسی مقام پر واپس لانا پڑے گا جس کی نادرستی کی وجہ

سے اس کا راستہ ابتداء میں غلط ہوا تھا اور اس کی مزید غلطیاں ظہور پذیر ہوئی تھیں۔ اس غلط کو درست کرنے کے بعد خود بخود اس کی ساری بعد کی غلطیوں کی اصلاح ہو جائے گی۔ لہذا ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ عیسائی مغرب کے سائنسی علوم میں سے ہر ایک کس کس مقام پر غلط راہ سے چل نکلا ہے جہاں سے اسے پھر واپس لا کر صحیح راستہ پر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک ریل گاڑی جو ایک خاص منزل کی طرف جا رہی ہو راستہ کے کسی اسٹیشن پر کانٹا غلط بدلنے سے کسی غلط لائن پر آ جائے اور پھر دور تک اسی پر نکل جائے۔ اگر ہم چاہیں کہ اس کو پھر صحیح لائن پر لے آئیں تو ہم اس کو بعینہ اس مقام پر جہاں سے اس کا کانٹا غلط طور پر بدل گیا تھا واپس لانے کے بعد ہی ایسا کر سکتے ہیں لیکن جب ہم ایک دفعہ اس کو صحیح راستہ پر ڈال دیں تو پھر وہ خود بخود صحیح راستہ پر چلتی جاتی ہے"۔

ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دعوی ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ازلی اور ابدی سب باتیں اس کی آخری اور الہامی کتاب ''قرآن مجید'' میں بتا دی گئی ہیں۔ قرآن کریم نیکی، ہدایت، محبت، نصیحت اور روشنی کا بہترین سرچشمہ ہے۔ لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اسلام کی توجیہ اپنے فرقے اور فقہ کے مطابق کرتے ہیں اور اب اسلام کی توجیہ تو صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اسی طرح ہم یہ بھی کر سکتے ہیں کہ جو حقائق ہمیں معلوم ہیں انھیں قرآن سے ڈھونڈنے بیٹھ جائیں، تاہم قرآن کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"اگرچہ یہ کتاب سائنس کی کتاب نہیں ہے اور نہ اس کے موضوع کا براہ راست سائنس سے کوئی تعلق ہے۔ ہاں جس نے کائنات کو تصنیف (و تخلیق) کیا ہے اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں جگہ جگہ استدلال و استشہاد کا کام لیتا ہے اس لیے اس کے گہرے مطالعے سے سائنس کے ایک طالب علم کو نہ صرف نظام کائنات کا بنیادی فارمولا معلوم ہو جاتا ہے بلکہ قریب قریب ہر شعبہ علم میں ایک صحیح نقطہ آغاز اور تلاش و تجسس کے لیے ایک صحیح رخ بھی ملتا ہے یہ وہ شاہ کلید ہے جس سے کام لے تو اس کا بہت سا وقت کھیلوں کو سلجھانے اور سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ جانے میں ضائع نہ ہو"۔

ڈاکٹر رفیع الدین لکھتے ہیں:

"عقیدہ توحید کو جیسا کہ قرآن نے اس کی تشریح کی ہے سائنس کی بنیاد بنایا جائے اور اس کی روشنی میں سائنسی حقائق اور مشاہدات کے نتائج کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ سائنسدان کی بے لاگ اور دیانتدارانہ سائنسی تحقیق اسے کسی وقت ایسے نتائج پر پہنچادے جو اسلام کی کسی خاص توجیہ کے ساتھ مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ اس صورت میں سائنسدان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ ہر حالت میں اپنی تحقیق کے نتائج کے ساتھ وابستہ رہے اور سائنسی نتائج کی دنیا سے باہر اسلام کی توجیہات کی دنیا میں علماء دین کے اختلافات سے الگ رہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے نتائج صحیح ہوں تو علمائے دین اس کی روشنی میں اپنے اختلافات کو مٹا کر متحد ہو جائیں یا اگر اس کے اپنے نتائج درست نہ ہوں تو وہ مزید سائنسی تحقیق کی روشنی میں اپنے نتائج کو درست کر کے اتفاقاً اسلام کی کسی اور توجیہ کے ساتھ متفق ہو جائے"۔[1]

جدید سائنس کی اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے مسلمانوں کے ہاں اب شعور پیدا ہو چکا ہے جس کا اظہار کئی ممالک بشمول پاکستان میں بھی ہر سطح پر ہو رہا ہے اور یہ شعور روز افزوں ہے اور امید واثق ہے کہ بہت جلد اسلامی سائنسی تصورات اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ بس اس کے لئے صحیح شعور کے ساتھ عملی

---

1 اسلامی سائنس کی تشکیل نو کی مزید تفصیل کے ملاحظہ ہوں تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص 433-441، اور محمد عارف، ڈاکٹر، مطالعہ قرآن کی نئی جہتیں، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص 253-293، مولانا مودودی: تفہیم القرآن، مکتبہ ترجمان القرآن، لاہور، 2011، ج 1، ص 538-539، 566،، ج 2، ص 531، ج 3، ص 269-272 اور محمد ریاض کرمانی: بصائر مودودی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور 1988۔

اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے ،تب ہی مسلم دنیا میں سائنس اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے گی۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

خود آزمائی

سوال نمبر 01: مسلمانوں میں سائنسی زوال کے اسباب کا تفصیل سے جائزہ لیں۔

سوال نمبر 02: مسلمان ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی صورت حال پر بحث کریں۔

سوال نمبر 03: سائنس کی تشکیل نو سے کیا مراد ہے،وضاحت کریں۔

سوال نمبر 04: مسلم ممالک میں سائنس کی تشکیل نو کے لئے مختلف تجاویز پر بحث کریں۔

سوال نمبر 05: سائنس کی تشکیل نو میں حائل رکاوٹوں کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے ؟

سوال نمبر 06: مسلم امہ کے زوال کے اسباب کو تفصیل سے بیان کریں۔

سوال نمبر 07: قرآن کی روشنی میں امت مسلمہ کیسے دوبارہ اپنے اسلاف کی طرح عروج حاصل کر سکتی ہے؟

سوال نمبر 08: دور حاضر کے مفکّرین کے افکار کی روشنی میں اسلامی ممالک میں سائنس کے احیا پر بحث کریں۔

سوال نمبر 09: اسلامی ممالک میں سائنس کے احیا کے لئے عملی تجاویز کو بیان کریں۔

سوال نمبر 10: مسلمانوں میں سائنسی تحقیق کے زوال کے اسباب اور اس کے احیاء کی تدابیر پر ایک جامع مضمون لکھیں۔

کتابیات (کورس اسلام اور سائنس)

اردو کتب

1. اسرار احمد، ڈاکٹر: تفسیر بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، پشاور، 2011ء۔

2. مودودی، مولانا؛ تفہیم القران، مکتبہ ترجمان القرآن، لاہور، 2011ء۔

3. سلطان بشیر محمود: کتاب زندگی، قرآن حکیم کی سائنسی تفسیر، قرآن ریسرچ فاؤنڈیشن اسلام آباد، 2010ء۔

4. رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلام اور حکمتِ جدید، آل پاکستان ایجوکیشنل کانگریس، لاہور۔

5. رفیع الدین، ڈاکٹر، سائنس کی دینیات، مرتب: مظفر حسین، آل پاکستان ایجوکیشنل کانگریس، لاہور۔

6. دلدار احمد قادری، ڈاکٹر: قرآن کے سائنسی معجزے، پیراماؤنٹ پبلشنگ ہاؤس، کراچی، 2002ء۔

7. ذاکر نائیک، ڈاکٹر: ، قرآن اور سائنس، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، 2006ء۔

8. شہاب الدین ندوی، مولانا محمد، قرآن، سائنس اور مسلمان، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

9. شہاب الدین ندوی، مولانا محمد، اسلام کی نشاۃ ثانیہ، قرآن کی نظر میں، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

10. سلطان بشیر محمود: قیامت اور حیات بعد الموت، القرآن ریسرچ فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1996ء۔

11. محمد اسحق، سید مولانا: سائنس اور اسلام، اردو ترجمہ علامہ حسین آفندی کی مشہور کتاب الرسالہ الحمیدیہ، ادارہ اسلامیات لاہور، 1984 ۔

12. وحید الدین خان، مولانا: علم جدید کا چیلنج، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی، 1984ء۔

13. طاہر القادری، ڈاکٹر: اسلام اور جدید سائنس، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 2010ء۔

14. طفیل ہاشمی، ڈاکٹر محمد: اندلس میں مسلمانوں کے سائنسی کارنامے پروگریسو بکس اردو بازار، لاہور 2001ء۔

15. الغزالی، امام: الحکمۃ فی مخلوقات اللہ، علمی پبلشرز، لاہور۔

16. ظفر اقبال، محمد: اسلام اور جدید سائنس، نئے تناظر میں، نوادرات، ساہیوال پنجاب، 2011ء۔

17. عبد الواجد صدیقی ، حافظ : کائنات کی وسعتیں قرآن کی نظر میں۔ ترجمہ ملحق جواہر فی القرآن، HSSRD،مانسہرہ،2005۔
18. تقی عثمانی، مولانا محمد :علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی،2010ء۔
19. عبد التواب حامد، ڈاکٹر محمد (مترجم: محمد رضی الاسلام ندوی)؛ قرآن کریم کا سائنسی اعجاز ، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، 2011ء۔
20. عبدالعلی، پروفیسر ، ظفرالاسلام،ڈاکٹر: قرآن اور سائنس مشتاق بک کارنر،لاہور، 2003ء
21. ولی رازی، مولانا: قرآن اور سائنسی انکشافات، دارالعلم کراچی، 2007ء۔
22. غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، قرآن حکیم اور علم الآفاق، مضامین برق، مرتب عبداللہ خان، الفیصل ناشران، لاہور، 2012.
23. پروفیسر عبداللہ ھارون، ایس ایم شاہد: اسلام اور سائنس، ایورنیو پیلس، اردو بازار، لاہور۔
24. تنویر بخاری: اسلام اور سائنس، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار لاہور۔
25. ڈاکٹر طاہر القادری: اسلام اور جدید سائنس، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 2010ء۔
26. حبیب احمد صدیقی: مسلمان اور سائنس کی تحقیق, اردو سائنس بورڈ لاہور، 1999۔
27. ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی: دنیائے اسلام میں سائنس و طب کا عروج، نشریات، لاہور 2007۔
28. ڈاکٹر فواد سیز گن: تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام، (ترجمہ ڈاکٹر خورشید رضوی)، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 1994۔

عربی کتب

1. الاستاد الشیخ طنطاوی جوہری:الجواہر فی تفسیر القرآن ،مطبعه مصطفی البابی الحلبی،مصر،1350ھ۔
2. الاستاد حنفی احمد:التفسیر العلمی للآیات الکونیه فی القرآن، دارالمعارف ،مصر۔
3. احمد عطا محمد عمر، الاتجاه العلمی للتفسیر فی القرن العشرین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔
4. الشیخ زندانی، المعجزة العلمیه فی القرآن، بحوث مؤتمر الاعجاز العلمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔
5. حسب النبی ، منصورمحمد،الدکتور: الکون والاعجاز العلمی للقرآن ، دارالفکر، بیروت۔
6. حسب النبی،منصورمحمد،الدکتور:اعجاز القرآن فی آفاق الزمان والمکان دارالفکر، بیروت۔
7. حسن قندیل ،محمد :من صوراعجاز العلمی فی آیات الله ، الدارالعلمیه للنشر والتوزیع، الاسکندریه، 2009 ء ۔
8. زغلول النجار ، الدکتور: من آیات الاعجاز العلمی فی القرآن،مکتبه الشروقالدولیه، القاہره،2002 ء ۔
9. عبد الرحیم ماردینی؛ موسوعه اعجاز العلمی فی القرآن ،دار آیه، بیروت ،2005 ء ۔
10. ہانی بن مرعی ،الدکتور و شیخ محمد ی فتحی: الموسوعه العلمیه فی اعجاز القرآن الکریم والسنه ا لبنویه ،دارالتوفیقیه للتراث، القاہره، 2009 ء۔

(English Bibliography) انگریزی کتب

1. Asad, Muhammad: The Message of the Quran (Gibralter: Dar Al -Andalus,1980)
2. Anas, Abdul Hameed, Cap. (Ed): Men and The Universe: Reflections of Ib-ul-Qayyem (Riyadh: KSA, 2000)
3. Chittik, William: The Self-Disclosure of God: Principles of Ibn-al-Arabi's Cosmology (Lahore: Suhail Academy,2000)
4. Maurice Bucaille, Dr. The Bible, the Quran and Science (Paris: Seghers publisher,1976 – What is the Origin of Man? (Paris: Seghers, Third Edition, 1983).
5. Moore L. Keith: The Developing Human with Islamic Notes by Abdul Majeed Azzindani, (Jeddah: Dar-ul-Qibla, 1983).
6. Nasr, S. H., An Introduction to Islamic Consmological Doctrines Islam (Lahore: Suhail academy,2007)
7. Muzaffar Iqbal: Islam and Science (Lahore: Suhail Academy, 2004)
8. Nurbaki, Dr. Haluk, The Verses from the Holy Koran and the Facts of Science (Karachi, Indus Publishing Corporation, 1992)
9. Qureshi M.M. etal.,: Qur'ani Ayat Containing References to Science and Technology, (Islamabad: Pak. Science Foundation, 1987)

10. Sultan Shah, Dr.: Evolution & Creation -Islamic Perspective (Mansehra: SIRST,2010)
11. Sultan, Bashir Mahmood, Doomsday and Life After Death (Islamabad: The Holy Qur'an Research Foundation, 1991)
12. Wadud, Abdul Dr.: Phenomena of Nature and the Qur'an, (Lahore: Quranic Education Society 1971)
13. Artigas, Mariana: The Mind of the Universe (Philadelphia: Templeton Foundation Press, 2001.
14. Nasr, Seyyed Hossein: Science and Civilization in Islam (Lahore: Suhail academy,1987.
15. Michael Denton: Nature's Destiny, Free Press, New York,1998.